تفسیر کشف الرحمٰن (مولانا احمد سعید دہلوی) کے منہج و اسلوب کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

مقالہ نگار

آمنہ ثناء اللہ

سیشن: ۱۸۔۲۰۱۶ء

یہ مقالہ ایم فل علوم اسلامیہ کی جزوی تکمیل اور حصول سند کے لئے
شعبہ علوم اسلامیہ و عربی میں جمع کرایا گیا

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

ستمبر ۲۰۱۸ء

حلف نامہ

میں حلفیہ اقرار کرتی ہوں کہ میں نے یہ مقالہ بعنوان "تفسیر کشف الرحمن (مولانا احمد سعید دہلوی) کے منہج واسلوب کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ" برائے حصول سند ایم فل علوم اسلامیہ خود لکھا ہے۔ میں نے سرقہ سے کام نہیں لیا اور تحقیق واخلاق کے اصولوں کو مدنظر رکھا ہے۔ نیز اس سے پہلے یہ مقالہ کسی یونیورسٹی میں برائے حصول سند پیش نہیں کیا گیا۔ میں اس مقالے کے تمام نتائج تحقیق اور جملہ عواقب کی ذمہ دار ہوں۔ غلط بیانی کی صورت میں یونیورسٹی کا تادیبی کارروائی کر سکتی ہے۔

آمنہ ثناء اللہ

تبویب

انتساب

بحضور خاتم الرسل نبی کل وجہِ تخلیق کائنات

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مقدمہ

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء و المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

تمام صفات کا مالک اللہ رب العزت ہے۔ اس نے اپنا کلام قرآن مجید اپنے پیارے محبوب حضرت محمد ﷺ پر نازل فرما کر امت محمدیہ کے لیے راہ نجات کا ذریعہ بنایا۔ یہ ایک ایسی بے مثل کتاب ہے جو فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [1]

ہم نے اپنے بندے پر جو کچھ اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ، تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لاؤ۔

قرآن اللہ کی مقدس کتاب ہے۔ جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ رب العزت نے لفظاً و معناً لی قرآن میں ارشاد ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [2]

ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن علم و حکمت سے پر ایک ایسا کلام ہے۔ جو انسانی زندگی کے جزو کل کی تشکیل و ترتیب اور تخلیق کے فطری اصولوں سے مزین ہے۔ اس کا اعلان ہے کہ ایسا پر حکمت اور آفاقی کلام کوئی پیش کر سکتا ہے تو اس کے مدمقابل لائے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [3]

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اسی نے گھڑا ہے۔ جواب دیجئے کہ پھر تم ان کے مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے چاہو اپنے ساتھ بلا بھی لو اگر تم سچے ہو۔

---

1 البقرہ: 23
2 الحجر: 9
3 ہود: ۱۳

حضرت محمد ﷺ قرآن مجید کے لیے پہلے شارح اور مفسر ہیں۔ خود قرآن مجید آپ ﷺ کے منصب کی وضاحت ان الفاظ میں کرتا ہے:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ[۹]

اس کتاب کو ہم نے آپ پر اس لیے اتارا ہے کہ آپ ان کے لیے ہر اس
چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔

آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور پھر بے شمار مفسرین نے مختلف ادوار میں اپنے علمی ذوق کے مطابق مختلف انداز اور زبانوں میں تفاسیر لکھیں اور خدمت قرآن اور دین حق کی سربلندی کا فریضہ سرانجام دیا۔ ان حضرات نے علم تفسیر کو اپنا مقصد حیات بنایا۔ جن میں کلام خداوندی کے معنی اور مفاہیم کو اجاگر کر کے نوع انسانی کے لیے راہ عمل آسان کیا اس سلسلے میں برصغیر پاک و ہند کے علماء کی خدمات گراں قدر ہیں۔ تفسیر کشف الرحمن کا شمار برصغیر کی اردو تفاسیر میں ہوتا ہے۔ اس تفسیر کے مفسر مولانا احمد سعید دہلوی ہیں جو انیسویں صدی کے مشہور خطیب تھے۔ جن کا انداز بیاں مختلف اور جداگانہ ہے۔ زیر نظر عنوان مقالہ "تفسیر کشف الرحمن کے منہج و اسلوب کا تنقیدی جائزہ" کے تحت مولانا احمد سعید دہلوی کے حالات زندگی اور خدمات، تفسیر کشف الرحمن کا منہج و اسلوب اور تفسیر کشف الرحمن کی علمی حیثیت کا مطالعہ کیا جائے گا۔

بنیادی ماخذ تفسیر کشف الرحمن ہے۔ ترجمہ میں بھی اسی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اسی کے مصادر و مراجع استعمال کیے گئے ہیں۔ دیگر مصادر و مراجع کیلئے دیگر کتب کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ اس مقالہ کی تیاری کیلئے مختلف لائبریریوں اور محققین سے رہنمائی لی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس حقیر سی کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین!

---

[۹] النحل: ۶۴

تعارف موضوع (Introduction to the topic)

قرآن کریم کی تشریح و توضیح ایک دقیق کام ہے۔ بحیثیت ایک عالم اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہونا نہایت ہی پیچیدہ ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ جو اس نے اپنے آخری نبی ﷺ پر نازل کیا۔ یہ ایک ایسی مقدس کتاب ہے جس میں تمام بنی نوع انسان کے لئے مکمل ہدایت اور نجات کا ذریعہ ہے۔ قرآن کریم میں بعض احکامات کی مکمل تشریح اور بعض مقامات کی مجمل تشریح موجود ہے۔ جس کی وضاحت حضرت محمد ﷺ نے اپنے قول، فعل، عمل اور تقریر سے وضاحت فرمائی۔ اس لئے قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے:

وَاَنزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ [1]

یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا [2]

یہ آپ کے پاس کوئی مثال لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ دلیل آپ کے بتادیں گے۔

بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ قرآن کے الفاظ کی وضاحت اور ضرورت واہمیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور تفسیر کا فن مزید ترقی کی منازل طے کرتا ہوا پروان چڑھتا گیا۔ مختلف ادوار میں مختلف تفسیری رجحانات سامنے آئے۔ قرآن مجید کی صرفی، نحوی، فقہی، اور صوفیانہ تفاسیر لکھی گئیں۔ ان میں سے ایک تفسیر کشف الرحمن ہے۔ جو مولانا احمد سعید دہلوی کا دینی و علمی شاہکار ہے۔

فرضیہ تحقیق (Hypothesis)

تفسیر کشف الرحمن اپنی زبان وبیان کے لحاظ سے ایک ادبی شاہکار اور دینی سرمایہ ہے۔

مولانا احمد سعید نے تفسیر میں منفرد اسلوب متعارف کروایا۔

---

[1] النحل: ۴۴

[2] الفرقان: ۳۳

سابقہ کام کا جائزہ (Review of Literature)

تفسیر کشف الرحمن کا جداگانہ طرز بیان، اسلوب اور اس کی امتیازی خصوصیات کے باوجود اس تفسیر پر کوئی علمی و تحقیقی اور تجزیاتی تحقیق سامنے نہیں آئی۔ اس تفسیر کا مقدمہ قاری طیب قاسمیؒ نے تحریر کیا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس تفسیر پر تحقیقی کام کیا جائے۔ اور اس کے اہم پہلوؤں کو متعارف کروایا جائے۔ اس لئے میں نے ایم فل کے مقالہ کے لئے اس کا انتخاب کیا اور اس کے منہج و اسلوب کے تحقیقی و تنقیدی جائزے کو اپنی تحقیق کا عنوان بنایا۔

منہج تحقیق (Research Methodology):

☆ زیر نظر موضوع کی تحقیق کے لیے بیانیہ اور تجزیاتی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔

☆ عملی تحقیق کو تحریری صورت میں لانے کے لیے حاصل شدہ معلومات کو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

☆ حوالے فٹ نوٹ میں دیئے گئے ہیں۔

☆ حوالہ دیتے وقت پہلے مصنف کا مشہور نام، پھر اصل نام، کتاب کا نام، مطبع اور سن اشاعت کے ساتھ صفحہ نمبر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ دوبارہ حوالے کی صورت میں مصنف اور کتاب کا نام اور صفحہ نمبر لکھ دیا ہے۔

☆ اقتباسات اور ان کے تراجم میں اصلی عبارت میں تبدیلی سے گریز کیا گیا ہے۔ اگر اقتباس سے کوئی مختصر مباحث حذف کی ہے تو وہاں تین نقطے درج کیے گئے ہیں۔

باب اول

مولانا احمد سعید دہلوی احوال و آثار

فصل اول:

عہدِ مولانا دہلوی کے معاشرتی حالات

سیاسی حالات

مولانا احمد سعید دہلوی کا دور انیسویں اور بیسویں صدی پر محیط ہے۔ انیسویں صدی ہندوستان کے لیے جنگ آزادی کی وجہ سے ہر شعبہ زندگی کے لیے زوال کا باعث ثابت ہوئی۔ سیاسی لحاظ سے بھی یہ دور ناگفتہ بہ تھا۔ انگریز نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد ہندوستانیوں کے وسائل کو بے رحمی سے ضبط کرنا شروع کر دیا۔ نواب اور محنت کشوں کی زمینیں نیلام کر دی گئیں۔ ان سے سرکاری عہدے اور ملازمتیں چھین لی گئیں۔ برطانوی سامراج نے اپنی سیاسی پابندیاں عائد کروانے کے لیے ہندوستانی عوام پر ظلم و بربریت کے پہاڑ ڈھائے۔ جس کی وجہ سے عوام میں دن بدن بے چینی بڑھتی گئی۔ میر کے اس شعر سے دلی کے اجڑنے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

کیا بودو باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اس اجڑے دیار کے[1]

خواجہ احمد فاروقی "دلی میں دفن خزینے" میں لکھتے ہیں کہ:

"1803ء میں انگریزوں نے دلی پر تسلط جمالیا تھا وہ دلی جس کے متعلق شاہ عبدالعزیز نے لکھا تھا کہ "دوسرے شہر اور بلاد کنیزیں اور لونڈیاں ہیں اور دلی ملکہ اور رانی یہ موتی ہے اور باقی سب سے سب سیپیاں" دلی مٹنے پر بھی ہندوستان کا قلب و جگر اور عظیم الشان تہذیب کی نشانی تھی۔ اس کے علماء کی راست روی یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ دلی پر انگریزوں کا تسلط ہو۔ چنانچہ 1803ء میں شاہ عبدالعزیز نے یہ فتویٰ دیا کہ پورا برطانوی ہند دارالحرب ہے اور انگریزوں سے لڑنا

1۔ آزاد، محمد حسین، آبِ حیات، لکھنؤ: اترپردیش اردو اکادمی، 2003ء، ص: 70

فرض عین ہے۔ یہ فتویٰ جہاد انہوں نے نہ مرہٹوں کے خلاف دیا اور نہ سکھوں کے
انگریزوں کے خلاف دیا اور انہوں نے 1850ء سے 1863ء تک میں دفعہ 60
ہزار لشکر کی مدد سے مجاہدین کا مقابلہ کیا۔"[1]

مولانا احمد سعید کے عہد کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلا دور (1888ء تا 1919ء) عہد طفولیت سے عہد شباب تک کا ہے اور دوسرا دور (1919ء تا 1959ء) عملی سیاست میں سرگرمی کا تا وفات تک ہے۔ اس میں عہد ماقبل اور مابعد کا جائزہ لیا جائے گا۔

1857ء تاریخ ہندوستان کا ایک اہم موڑ ہے۔ اس تاریخی انقلاب نے تقریباً ہندوستانی زندگی کے تقریباً ہر شعبہ پر مثبت اور منفی اثرات قائم کیے۔ حالات کی تبدیلی سے نئے نئے مسائل رونما ہوئے۔ جس کے سدباب کے لیے مختلف نظریات و تصورات سامنے لائے۔ جس کی بدولت مختلف تحریکیں وجود میں آئیں۔ جن میں انڈین نیشنل کانگریس، مسلم لیگ، مجلس خلافت، تحریک ترک موالات اور جمعیۃ العلماء وغیرہ خاص طور پر شامل ہیں۔

"1858ء۔1900ء یعنی بیالیس سال تک کا زمانہ ہندوستان کی غلامی کا بدترین دور
تھا۔ انگریزوں کی وحشت و بربریت پورے شباب پر تھی، وہ اپنے استحکام حکومت
کے لیے نئی نئی تدبیریں سوچتے تھے کہ کس طرح ملک میں خوف و ہراس کی فضا
قائم کریں۔ انہوں نے ایک نیا پروپیگنڈا اختیار کیا کہ جس نے آزادی مانگی اسے طوق و
سلاسل عطا کیے اور اس پر جھوٹے الزامات لگا کر مفلوج بنا دیا، پھر جب مسلمان
سیاسی، سماجی اور علمی اعتبار سے کمزور ہو گئے تو ان میں عیسائیت کو فروغ دیا جانے لگا
اور باضابطہ اس کی تربیت گاہ قائم کی گئی اور سیاست کی آڑ میں ہندوستانیوں کے
مذہب پر بھی حملہ ہونے لگا۔"[2]

1900ء میں سیاست کا غلبہ اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ جامع مسجد دہلی کو گرجا گھر بنانے کی سازش رچی، تاکہ اس کے ذریعے ہندوستان میں پادری فنڈر کی آمد ہو۔ حد تو یہ تھی کہ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو چیلنج کرتے اور مناظرے کی دعوت دیتے۔ عیسائیوں کی سب سے رذیل سازش یہ تھی کہ اپنی لکھی ہوئی کتاب "میزان الحق" کو الہامی کتاب بتا کر لوگوں کو گمراہ کیا اور اسکولوں میں بھی عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگے، اس لیے بہت سے مسلمانوں اور

1۔ قاسمی، عطاء الرحمن، دہلی میں دفن تحریے، لاہور: طیب پبلشرز، 2002ء، ص: 14
2۔ ہاشمی، فرید آبادی، تاریخ ہند، دہلی: انجمن ترقی اردو، 1922ء، 1/117

ہندوؤں نے ان کے جھانسے میں آکر عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ یہ ان کی مجبوری تھی یا ڈر اور خوف کیونکہ پادریوں کے سفارش کے بغیر ملازمت کا ملنا بھی دشوار تھا۔

مولانا الطاف حسین حالی نے اس وقت کی نزاکت یوں بیان کی ہے:

"ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف شکاری گھات میں لگے ہوئے تھے۔ اگرچہ قحط کے دوران میں ان کو دبلا پتلا شکار پیٹ بھرنے کو مل جاتا تھا۔ مگر وہ اس پر قانع نہ تھے اور ہمیشہ فربہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ زور ان مسلمانوں پر تھا۔ اس لیے ان کی منادیوں میں، ان کے اخباروں میں اور ان کے رسالوں میں زیادہ تر بوچھاڑ اسلام پر ہی ہوتی تھی۔ اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے، حتیٰ کہ بانی اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع و اقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور کم علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب ان کے دام میں آگئے۔"[1]

1908ء میں انقلاب پسندوں پر بنارس سازش کیس چلایا گیا۔ اخبارات پر پابندی عائد کی گئی اور ضمانتیں ضبط کر لی گئیں۔

آخر کار بیسویں صدی کی ابتداء میں سیاسی بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی، برطانوی حکومت نے جب ہندوستانیوں کے احتجاج کی کوئی پرواہ نہیں کی تو علی برادران (محمد علی، شوکت علی) نے گاندھی جی کی رہنمائی میں ہندوستان کا دورہ کر کے پورے ملک کو ترک موالات کے غلغلہ سے بھر دیا۔[2]

حالات یہ ہوئے کہ سرکاری ملازمین نے اپنی ملازمتیں ترک کر دیں، طلباء نے سرکاری اسکول چھوڑ دیا اور کونسل کے ممبروں نے اپنی ممبری لوٹا دی، حتیٰ کہ سرکاری خطاب یافتوں نے اپنے دیئے گئے خطابات واپس کر دیئے اور پورے ملک میں انگریزی کپڑوں کے بائیکاٹ کا سلسلہ جاری ہوا، دیسی کپڑے پہنے جانے لگے۔[3]

تحریک ترک موالات میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی قدم بہ قدم تھے، ان میں گنو کرن پرشاد اور برج بہاری لال وکیل پیش پیش تھے۔ ہندو مسلم اتحاد و اتفاق کا روح پرور اور زبردست نظارہ پھر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔[4]

1۔ حالی، الطاف حسین، حیات جاوید، دہلی: انجمن ترقی اردو، س۔ن، ص: 199

2۔ جعفری، رئیس احمد، علی برادران، کراچی: نفیس اکیڈمی، 1963ء، ص: 228

3۔ ایضاً

4۔ شاہ معین دین، حیات سلیمان، دہلی: دار المصنفین، 1973ء، ص: 217

برطانوی حکومت نے اپنی سیاست کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے لیے ہندو مسلم اتحاد کو بھی ختم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ چنانچہ پورے ملک میں ہندو مسلم اتحاد کو توڑنے کے لیے کئی شوشے قائم کیے گئے۔ آخر کار یہ طوفانی بلا 1916ء کو اپنے شباب پر پہنچ گئی۔

1912ء کا زمانہ مسلمانان ہند کی سیاست کے لیے بالکل منفرد ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان پولیٹیکل جدوجہد سے الگ رہنے کو اپنی قومی پالیسی سمجھتے تھے۔ اس لیے ملک کی پوری سیاسی زندگی کا میدان غیر مسلموں کے لیے خالی چھوڑ دیا تھا۔ اس وقت مسلم لیگ قائم ہو چکی تھی جس کا مقصد ملک کی عام ترقی کو روک دینا تھا، چنانچہ اس نے اعلان کیا کہ مسلمانوں کا پولیٹیکل کام یہ نہیں ہے کہ گورنمنٹ سے حقوق طلب کرے بلکہ اس کام کا یہ ہے کہ ہندوؤں کی پولیٹیکل جدوجہد کی مخالفت کرے۔[1]

مگر 1913ء کے اجلاس سے مسلم لیگ نے اپنا نصب العین "برادر وطن سے اتحاد اور ہندوستان کے لیے حکومت خود اختیاری حاصل کرنا قرار دیا۔"[2]

مونٹی نگرو کے حکمران شاہ نکولس نے 18 اکتوبر 1912ء کو ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، یونان اور بلقان کی دوسری ریاستیں بھی جنگ میں کود پڑیں ان اتحادیوں نے فرق کلیسہ اور کولو لوبر گاس کے معرکوں میں ترک فوج کو بھاری جانی نقصان پہنچایا۔ وسط نومبر تک ادارنہ شہر کے علاوہ ترکی کے یورپی حصے پر بلقانی افواج کا قبضہ ہو گیا۔[3]

جس زمانے میں ترکی ریاست ہائے بلقان سے نبرد آزما تھا۔ ان دنوں میں برعظیم کے مسلمانوں میں بڑا جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ ان کی تمام ترہمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں۔ برعظیم کے مسلمان برطانوی ہند میں رہتے ہوئے عثمانی خلیفہ کی اطاعت کو مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ خطبات میں خلیفہ کا نام لے کر دعائیں مانگی جاتیں۔ اس لیے ان کے دلوں میں خلیفہ کا بے حد ادب و احترام تھا اور کسی قیمت پر بھی اس کی تبلی (تباہی) ہوتے نہ دیکھ سکتے تھے۔[4]

"مولانا محمد علی جوہر اس وقت مسلمانوں کے مسلمہ قائد تھے۔ انہوں نے اپنے قلم اور زبان کے ذریعے ملک بھر کے مسلمانوں میں ایثار اور قربانی کا جذبہ بھر دیا اور وہ ترکوں کی خاطر تن من اور دھن کی بازی لگانے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب ترکوں کو مختلف محاذوں پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور اخبارات میں زخمی ترک فوجیوں کی

1۔ مولانا آزاد، ابوالکلام، مقدمہ: فضل الدین احمد، لاہور: پاکستان ٹائمز، 1919ء، ص: 7۔8
2۔ ہاشمی، عبدالقدوس، پاکستان اور ہندوستان، حیدر آباد: دارالاشاعت، 1961ء، ص: 83
3۔ محمد اسلم، پروفیسر، تحریک پاکستان، لاہور: ریاض برادر، 1993ء، ص: 144
4۔ ایضاً، ص: 145

تصویریں شائع ہوئیں۔ ترکوں کی مرہم پٹی کے لیے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم بھیجی۔

مولانا محمد علی نے جوش اور عقیدت سے ان کے قدم چومے۔" [1]

جنگ بلقان سے برعظیم کے مسلمانوں کے دلوں میں عالم اسلام کے لئے ہمدردیاں پیدا ہوئیں۔ امیر کا شعر سچ ثابت ہوا:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

شبلی اتحاد اسلامی کے بڑے پکے حامی تھے۔ انہوں نے اپنی تحریروں اور شاعری کے ذریعے برعظیم کے مسلمانوں میں دوسرے ممالک کے مسلمانوں کے ساتھ بہت زیادہ ہمدردیاں پیدا کیں۔ مولانا کو ترکوں سے بہت زیادہ محبت تھی۔ ترکوں کے مصائب نے انہیں شدید طور پر متاثر کیا تھا۔ اس کا اظہار انہوں نے ایک پر درد نظم میں کیا۔ جسے اردو کی سیاسی شاعری میں ایک تاریخی حیثیت حاصل ہے۔

"حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشان کب تک
چراغ کشتۂ محفل سے اٹھے گا، دھواں کب تک
قبائے سلطنت کے جب فلک نے کر دیے پرزے
فضائے آسمانی میں اڑیں گی دھجیاں کب تک
مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی مریض سخت جاں کب تک۔" [2]

اگست 1913ء میں طرابلس و بلقان کی جنگ جاری تھی اور حکومت برطانیہ کی پالیسی سے مسلمانوں کے دل غم و غصہ سے لبریز تھے، کہ اسی اثناء میں مسجد کانپور کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ میونسپل حکام نے ایک نو تعمیر سڑک سیدھی کرنے کے لیے مچھلی بازار کانپور کی مسجد کا دالان اور وضو خانہ منہدم کر دیا۔ جب غیرت مند مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا اور گری ہوئی اینٹیں شکستہ دیوار پر رکھ کر سیدھی کرنے لگے تو پولیس نے آکر پوری مسجد ہی گرا دی۔ جس سے مسلمان مشتعل ہو گئے، انہوں نے اس معاملے میں بہت احتجاج کیا، رسائل و جرائد میں مضامین کے ذریعے اس امر کی مذمت کی گئی۔ مولانا محمد علی جوہر نے کامریڈ اور مولانا ظفر علی خاں نے "زمیندار" میں احتجاجی مضامین لکھے۔ مگر حکومت پر ان تمام باتوں کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا۔ آخر کار مسلمانوں نے مسجد دوبارہ تعمیر کرنے کی ٹھان لی۔ ابھی مسلمان اینٹیں ہی درست کر

1۔ ایضاً، ص:146

2۔ عقیل، معین الدین، تحریک آزادی میں اردو کا حصہ، لاہور: ناظم مجلس ترقی اردو، 2008ء، ص:278

رہے تھے کہ انگریزی ڈپٹی کمشنر نے فوج سے گولی چلوادی، اندھا دھند گولیاں چلتی رہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے شہیدوں کے انبار لگ گئے۔ اس اندوہ ناک واقعہ سے سبھی لوگ مشتعل ہو گئے۔

آخر کار چند ہمدردانِ قوم نے ایک وفد انگلستان بھیجا، چنانچہ وہاں سے وائسرائے لارڈ ہارڈنگ کو ہدایت ملی کہ مسلمانوں کا احتجاج جائز ہے اور پھر مسجد دوبارہ تعمیر ہوئی۔ [1]

1916ء میں بال گنگادھر تلک نے "ہوم رول" کی تحریک شروع کی جس میں مسلم لیگ اور کانگریس دونوں نے مل کر ہندوستان کی آزادی کے لیے آواز بلند کی۔ 1916ء سے 1919ء تک کا دور ہوم رول کی تحریک کا عہد شباب تھا، اس وقت ہندو اور مسلمان دونوں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر خود اختیاری حاصل کرنا چاہتے تھے، لیکن ان کی تمام کوششیں اور جدوجہد ناکام ہو گئیں اور خود اختیاری کا خواب بے تعبیر ثابت ہوا۔ [2]

1918ء میں وزیر ہند ماسٹر مانٹیگو جیمسفورڈ کی کوشش سے ہندوستانیوں کو نظام حکومت میں کافی حقوق دیے گئے۔ [3]

1919ء کو مہاتما گاندھی نے انگریزوں کے خلاف ستیہ گرہ کا اعلان کر دیا، جس کی وجہ سے ملک گیر پیمانے پر اس تحریک کا آغاز ہوا۔ پورے ہندوستان میں ہڑتال شروع ہو گئی۔ مختلف جگہوں پر احتجاجی جلسے ہوئے اور اسی دوران جلیاں والا باغ میں بھی احتجاجی جلسہ ہوا جس میں جنرل ڈائر نے وہاں پہنچ کر گولیاں چلوادیں اور جلیاں والا باغ آن کی آن میں شہیدانِ وطن کے خوں سے لالہ زار ہو گیا۔ اس حادثہ میں تقریباً پندرہ سو انسان زخمی ہوئے، بے شمار مارے گئے اور گرفتار ہوئے۔ [4]

1919ء میں خلافت کانفرنس کا امرتسر میں اجلاس منعقد ہوا، جس کا کوئی خاص مقصد نہیں تھا، مگر اس تحریک کے لوگوں نے اس غرض سے قائم رکھا کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو، لیکن مصطفیٰ کمال پاشا نے اپنے اعلان کے ذریعے خلافت کا خاتمہ کر دیا، جس سے محمد علی اور ان کے ہم خیالوں کو دلی رنج ہوا، چنانچہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کی موت و زیست کا مسئلہ بن گیا، اس لیے انہوں نے جس کو اپنا مخالف سمجھا اس کا سیاسی وجود ہی ختم کر دیا۔ [5]

1۔ امین زبیری، منشی محمد، سیاست ملیہ، آگرہ: عزیزی پریس، 1941ء، ص: 297

2۔ امین زبیری، مسلمانان ہند کی سیاست وطنی، آگرہ: عزیزی پریس، 1961ء، ص: 59

3۔ ایضاً

4۔ قاضی، عبد الغفار، حیات اجمل، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو، 1950ء، ص: 202

5۔ حسین، سید عابد، ہندوستانی مسلمان آئینہ ایام میں، دہلی: یونین پریس، 1965ء، ص: 133

1919ء میں ہی مجلس خلافت اور مسلمانوں میں قومی جدوجہد کو فروغ دینے کے لیے جمعیتہ العلماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔[1]

خلافت کے بانیوں میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا کفایت اللہ، علی برادران، حکیم اجمل اور بہت سے علماء و سیاسی لیڈران شامل تھے اور جمعیتہ علماء ہند کے بانیوں میں مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالباری، مولانا عبدالماجد، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور دیگر علماء کرام شریک تھے۔[2]

1920ء کو الہ آباد میں خلافت کانفرنس منعقد ہوئی اور ترک موالات کا اصول منظور کیا گیا، لیکن ابھی تک ترکوں کی شکایتیں رفع نہیں ہوئی تھیں، اس لیے مسلمانوں نے وائسرائے کو بھیجا کہ تحریک عدم تعاون شروع کی جائے۔ لہٰذا دوسرا اجلاس بھی الہ آباد میں ہوا اور 1920ء کو ہی تحریک عدم تعاون شروع کردی گئی۔ مسلمان بڑے جذبے کے ساتھ میدان جہاد میں اترے، کانگریس نے خلافت کمیٹی کا جرات مندانہ اقدام دیکھ کر کلکتہ کے اجلاس میں نان کوآپریشن کی تجویز منظور کرلی۔[3]

1922ء میں تحریک خلافت کی سرگرمیاں عروج پر تھیں، ہندوؤں اور مسلمانوں میں مثالی اتحاد تھا، اس لیے سول نافرمانی کی تحریک شدت اختیار کرتی جارہی تھی۔ جمعیتہ علماء ہند کے رہنما علی برادران تحریک خلافت کے روح رواں تھے، تو گاندھی جی تحریک سول نافرمانی کی قیادت کررہے تھے، دونوں تحریکیں شانہ بشانہ تھیں اور دونوں کا نشانہ برطانوی سامراج تھا۔

حالات یہ ہوئے کہ تحریک خلافت سے سیاسی بیداری عام ہوتی جارہی تھی اور عوام بھی اپنی طاقت پہچاننے لگے تھے، جس کی وجہ سے انہوں نے سول نافرمانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، انھیں انگریزوں سے اتنی شدید نفرت ہوگئی کہ ان سے اپنی بیزاری کا اظہار ضروری سمجھنے لگے۔

آزاد لکھنوی، رومانیت پرست شاعر تھے لیکن تحریک خلافت کے دور میں وہ بھی اس حادثہ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ جو زوال خلافت کا باعث تھا ان کے یہ شعر قابل توجہ ہیں:

ملتان ہو کہ ایران ترو پلی یا مراکو

اک وقت میں لٹا ہے ہر کارواں ہمارا

1۔ ایضاً، ص:110

2۔ شاہ جہاں پوری، ابو سلیمان، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی (ایک سیاسی مطالعہ)، 2001ء، ص:130

3۔ اسیر ادروی، تاریخ جمعیتہ علماء ہند، دہلی: محبوب پریس دیوبند، 1963ء، ص:56-57

کیا کام اس شجر سے سرسبز ہو کہ سوکھے

جس پر نہیں ہے باقی اب آشیاں ہمارا

یا گھر میں بیٹھنا تک دشوار ہو گیا ہے

یا ایک وقت میں تھا سارا جہاں ہمارا[1]

1922ء اور 1923ء میں سوامی شردھانند نے شدھی سنگھٹن تحریک کا آغاز کیا، یہ تحریک ملکانوں کے علاقے سے شروع کی گئی اور ہزاروں ملکانوں کو مرتد کر دیا تو جمعیۃ علماء ہند نے اپنی پوری طاقت کا زور لگا کر اس فتنے کو دفن کر دیا وار تمام مرتدین کو از سر نو اسلام پر قائم رکھا، اس کار خیر میں مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا وحید حسن ٹونکی اور مولانا محمد عرفان صاحب کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔

1927ء میں آئینی اصلاحات کی سفارش پیش کرنے کے لیے سائمن کمیشن کے تقرر کا اعلان ہوا۔ اس کمیشن کے ارکان انگریز تھے، جن سے عوام کو سخت اذیت ہوئی اور علی الاعلان ہندو مسلم دونوں کے دستخط سے کمیشن کے مقاطعہ کا اعلان کر دیا گیا۔ دستخط کرنے والوں میں سر علی امام، تیج بہادر سپرو، پرشوتم داس ٹھاکر، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، نواب اسماعیل خاں شامل تھے۔[2]

علامہ اقبال نے قوم پرستی کو، جسے وطنیت کا جدید نام ملا ہے، سب سے زیادہ تباہ کن اور مذہب کے منافی بتایا ہے، ان کا اصرار تھا کہ مسلم ملت اور دنیائے اسلام ناقابل تقسیم ہیں۔ اس کے علاوہ بے عملی اور جمود سے انھیں سخت نفرت تھی۔ وہ ایسے عقائد کے قائل نہ تھے جو اپنے آپ کو عمل میں منتقل نہ کر سکیں۔

پختگی رائے اور ابتدائی دور کے جذبات کی ترجمانی کے بعد اقبال کی شاعری میں ایک مستقل مزاجی پیدا ہو گئی تھی وہ سیاسی اور تہذیبی مسائل کو ایک مفکر شاعر کی نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔ زمانہ قیام یورپ کے مشاہدات نے ان کی فکر و نظر میں جو وسعت پیدا کی تھی، مسلم ممالک کے مسائل و حادثات سے ہم آہنگ ہونے کے بعد اس میں مفکرانہ گہرائی پیدا ہو گئی تھی اور وہ ملی نقطہ نظر سے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگے۔ اب ان کی توجہ زیادہ تر مستقبل کے امکانات پر تھی۔ بیسویں صدی کی ابتدا ہی سے سیاست میں دلچسپی لینے لگے تھے۔ انگلستان سے واپسی کے بعد مستقل مسلم لیگ کے رکن رہے اور اس کی جانب سے 1926ء میں پنجاب کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ کل ہند سیاست میں وہ بعض بنیادی مسائل میں اپنی فکر و رائے پر پوری استقامت کے ساتھ قائم رہے۔ جداگانہ انتخاب کو وہ مسلمانوں کو حیات قومی کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ نہرو رپورٹ کے مخالف رہے۔ آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے اجلاس منعقد 1929ء میں

1۔ معین الدین عقیل، تحریک آزادی میں اردو کا حصہ، ص: 289

2۔ اسیر ادروی، تاریخ جمعیۃ علماء ہند، دہلی: محبوب پریس دیوبند، 1963ء، ص: 97

شرکت کی اور مسلم مطالبات کی ترتیب میں حصہ لیا۔ دسمبر 1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس الہ آباد کی صدارت کی اور اپنا تاریخی خطبہ پیش کیا۔ جس میں ایک آزاد اسلامی ریاست کے حصول کو مسلمانانِ ہند کے لیے ناگزیر قرار دیا۔ بعد مسلمانانِ ہند کی ساری کاوشیں اسی امر پر مرکوز رہیں کہ ہندوستان کے آئندہ دستور میں مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ موقف حاصل کیا جائے اور ان کے جداگانہ حقوق کا تحفظ کیا جائے۔[1]

1928ء کو ممبئی کی آل پارٹیز کانفرنس قائم ہوئی۔ 1930ء میں لندن کی گول میز کانفرنس، 1935ء میں برطانوی حکومت کی طرف سے "گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ"، 1937ء میں کانگریس کو آٹھ ریاستوں میں اکثریت حاصل ہوئی اور انتخابات سے قبل کانگریس نے مسلم لیگ سے مفاہمت کر لی۔ 1940ء میں مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا، جس میں ہندو مسلم کو دو الگ الگ قومیں قرار دے کر ملک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی قرارداد منظور کی گئی۔[2]

1940ء کی قرارداد کے بعد قائداعظم نے گاندھی جی کے خط کے جواب میں انھیں لکھا کہ:

"مجھے اس معاملے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے کہ ہندوستان میں ایک قوم نہیں ہے اور نہ ہی یہ (ہندوستان) ایک ملک ہے۔ یہ برِعظیم ہے جس میں بہت سی قومیں آباد ہیں ان میں ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں ہیں۔"[3]

22 مارچ کو قائداعظم نے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ:

"دوستو! میں یہ چاہتا ہوں کہ تم قطعی فیصلہ کر لو اور پھر تدابیر پر غور کرو۔ اپنی تنظیم کو مستحکم کرو۔ پورے ہندوستان میں مسلمانوں کو متحد کرو۔ میرا یہ خیال ہے کہ عام مسلمان بالکل بیدار ہیں۔ وہ صرف تمہاری قیادت اور راہنمائی چاہتے ہیں۔ اسلام کے خادم بن کر آگے بڑھو اور اقتصادی معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کی تنظیم کرو۔ مجھے یقین ہے کہ تم وہ طاقت بنو گے جس کو ہر شخص تسلیم کرے گا۔"[4]

یوں مزید سات سال کی جدوجہد کے بعد 1947ء میں آزادیِ ہند اور قیامِ پاکستان وقوع پذیر ہوا۔

1۔ عقیل، معین الدین، تحریکِ آزادی میں اردو کا حصہ، لاہور: مجلس ترقی اردو، 1008ء، ص:305

2۔ امیر ادروی، تاریخ جمعیت علماء ہند، دہلی: محبوب پریس دیوبند، 1963ء، ص:97

3۔ پروفیسر اسلم، تحریکِ پاکستان، لاہور: ریاض برادرز، 1993ء، ص:171

4۔ ایضاً: 176

مولانا احمد سعید دہلوی کی سیاسی زندگی میں طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ 1919ء میں حضرت مفتی اعظم نے جمیعۃ علمائے ہند کے قیام وسکون کے لیے دیگر علمائے ہند جو مذاکرات فرمائے۔ ان میں آپ کے دست راست اور رفیق کار مولانا احمد سعید دہلوی ہی تھے۔ جو ہر کام میں اور ہر ایک مجلس میں شریک رہتے تھے۔ مدرسہ امینیہ میں حضرت مفتی اعظم کا جو خاص کمرہ تھا۔ اس میں پہلا دفتر قائم ہوا۔ اور وہیں بیٹھ کر یہ دونوں استاد شاگرد اس کا تمام ابتدائی امور انجام دیتے تھے۔[1]

جمیعۃ علماء کے قیام کے بعد ملک سیاسی تحریکات نے زور پکڑا۔ رولٹ بل کے خلاف برہمی جو خلافت کی تحریک کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں جمیعۃ علمائے ہند کی زیر قیادت بھی مسلمانوں نے نمایاں حصّہ لیا۔ اس وقت ہندو مسلمانوں کا اتحاد نقطۂ کامل تک پہنچا ہوا تھا۔ جمیعۃ علماء کے پلیٹ فارم سے بھی علماء اور عوام بے دھڑک جیلوں کو بھر رہے تھے۔ مولانا احمد سعید تحریکات کے سلسلے میں سب سے پہلی مرتبہ اکتوبر 1921ء گرفتار ہو کر میانوالی جیل میں رہے۔ ایک سال قید بامشقت کی سزا ہوئے۔[2]

سوامی شردھانند نے شدھی کی تحریک ملکانوں کے علاقے سے شروع کی تھی اور ہزارہا ملکانوں کو مرتد کر دیا تھا۔ اس زمانے میں حضرت مفتی اعظم، جمیعۃ علمائے ہند کے صدر اور مولانا احمد سعید ناظم تھے۔ مفتی اعظم نے جمیعۃ علماء کی طرف سے بھی اور مدرسہ امینیہ کی طرف سے بھی بے شمار تبلیغی وفود مرتدین کے علاقوں میں بھیجے اور سب سے پ ہل ا وف د ت و خ ال ب ا غ دہ ہی اج ہ ی ان رے ک ے م ق ام پ ر ل ے گ ئ ے ت ھ ے۔ ان وف ود ک ے ص در (مدرسہ امینیہ) مولانا محمد عرفان (نائب ناظم جمیعۃ علمائے ہند) اور کبھی مولانا احمد سعید ہوتے تھے۔[3]

1938ء میں مفتی اعظم کے ساتھ مولانا احمد سعید دہلوی نے برما کا سفر کیا اور تقریباً تین ماہ قیام پذیر رہے۔ برما کے مسلمان مفتی کفایت اللہ سے ملنے کی خواہش مند تھے۔ دار السلطنت رنگون کے علاوہ برما کے متعدد شہروں میں ہر دو حضرات کی تقریریں ہوتیں۔ مفتی صاحب کی کم اور مولانا احمد سعید دہلوی کی زیادہ۔[4]

انقلاب 1947ء میں ہندوستان کے اور خاص کر دہلی و پنجاب کے مسلمانوں پر جو کچھ گزری اور اس میں مولانا اور ان کے ساتھ مولانا حفظ الرحمن ناظم عمومی جمیعۃ علماء نے جو خدمات انجام دیں وہ ہندوستان کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔

1۔ دہلوی، حفیظ الرحمن، مفتی اعظم کی یاد، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، 2013ء، ص:353

2۔ دہلوی، حفیظ الرحمن، مفتی اعظم کی یاد، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، 2013ء، ص:357

3۔ ایضاً: 559

4۔ دہلوی: حفیظ الرحمن، مفتی اعظم کی یاد، ص: 378

15 دسمبر 1958ء کو مولانا احمد سعید دہلوی اور ڈاکٹر مرزا احمد علی کے درمیان راجیہ سبھا کے لیے مقابلہ ہوا۔ آپ صرف دو ووٹ سے ہار گئے۔ اکثر آپ واقعہ کو یاد کر کے مولانا کہتے تھے:

"میاں چلتے چلتے چودھری برہم پرکاش نے مجھے الیکشن میں زبردستی پھنسا دیا اور چودھری کی وجہ سے یہ ذلت اٹھانی پڑی۔"

سماجی حالات

ہندوستان ہمیشہ مختلف مذاہب وادیان کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں ہر شہر میں دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ آکر آباد ہوئے، ان کا اختلاف صرف رنگ ونسل تک ہی محدود نہ تھا بلکہ یہ لوگ معاش ومعیشت، زبان وعقائد، نظریات وافکار اور تہذیب وتمدن میں بھی مختلف تھے، اسی وجہ سے ہندوستان میں ایک سماجی تہذیب کا ارتقاء ہوا۔

انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی زینہ سے ہندوستان میں قدم رکھا تو اپنے مذہب اور تعلیم وتہذیب کے فروغ کی کوششیں کیں جس سے ہندوستان میں مغربی تہذیب اور عیسائیت کی نشوونما ہوئی اور اس سے خاص طور سے نوجوان نسلیں متاثر ہونے لگیں، اسی وجہ سے سماجی اصلاح کی تحریکوں کا آغاز ہوا۔ یوں تو ہندوؤں میں سماجی اصلاح کی تحریک 1857ء سے قبل ہی شروع ہو چکی تھیں، جن میں سب سے قابل ذکر برہمو سماج ہے، جسے راجہ رام موہن رائے نے 1928ء میں قائم کیا تھا۔ اس تحریک کی دو قسمیں تھیں ایک مذہبی، دوسری سماجی۔

مذہبی اعتبار سے اس تحریک کا مقصد ہندومت میں پائی جانے والی اور ہندوؤں کی مقدس ومحترم کتابوں سے ثابت شدہ وحدانیت ہے۔ اس تحریک کے بانی راجہ رام موہن رائے بھی وحدت خدا کے قائل تھے۔ انہوں نے مورتی پوجا کو کبھی پسند نہیں کیا، بلکہ وہ اسے ہندو مذہب کے خلاف سمجھتے تھے، ان کی کوششوں کے نتیجے میں ہندو عورتوں کو بہت سے حقوق ملے، کیونکہ اس سے قبل ہندو عورتوں کی حالت بہت پست تھی ان میں بہت سی قبیح رسمیں رائج تھیں۔ مثلاً ستی کی رسم، کم عمری کی شادی اور بیوہ کو نکاح ثانی کی عدم اجازت وغیرہ، یہ ایسی رسمیں تھیں جو کسی بھی لحاظ سے قابل قبول نہ تھیں۔ راجہ رام موہن رائے نے ان تمام رسموں کا خاتمہ کیا اور لڑکیوں کی تعلیم عام کی۔[1]

اگر ایک طرف تمام ہندستان میں مخلص اور پرجوش آدمیوں کی سرگرمی میں مذہب کی اصلاحی تحریک کا سلسلہ جاری تھا تو دوسری طرف تعلیم یافتہ ہندوستان کے اندر مذہبی خیالات میں حقیقی زوال کے آثار بھی شروع ہو گئے تھے۔ اس زوال نے یہ صورت اختیار کی کہ یا تو لوگوں نے مذہب کے مصلحین کی ہنسی اڑانی شروع کر دی اور پرانی رسوم اور عقیدوں کے متعلق رواداری کے ساتھ ان سے بے تعلق رہے یا مذہب سے بے پروائی کی روپیدا ہو گئی جس نے صاف طور پر اس امر کا اظہار کر دیا کہ مذہب ایک پرانے زمانے کی فرسودہ چیز ہے۔ اخبار بنگالی مورخہ 10 نومبر 1866ء میں گریش چندر گھوش نے برھمو سماج کے مصلحین پر حملہ کیا۔ ان پر "بت پرستی کے خلاف ان کے بہادرانہ کارنامے" کا فقرہ چست کیا اور کسی دوسری جگہ ان کے خیالات کو "مکاری اور عیاری" قرار دیا۔ ایک جگہ لکھا کہ برھمو سماجی اپنی آنکھیں بند کر لیتا

1۔ حسین، جعفر، ہندوستانی سماجیات، دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، 1955ء، ص: 125

ہے اور ان الفاظ کو اپنی زبان سے دہراتا ہے جن کو وہ اپنی چھوٹی سی روح اور محدود علم کے ساتھ خدا کی صفات خیال کرتا ہے۔

یکم دسمبر 1866ء کو انہوں نے ایک ہی وقت میں کالی اور کانت (1۔ کانت ایک مشہور جرمن فلاسفر ہیں جن کے فلسفے کا اس وقت بڑا رواج تھا) کی پوجا" کا ذکر کیا اور تعلیم یافتہ ہندو سے مخاطب ہو کر کہا کہ مذہب ایک جذبہ ہے عقیدہ نہیں ہے۔ جو لوگ بت پرستی کو چھوڑ رہے ہیں ان کے دل میں دراصل بت پرستی کی نفرت کا کوئی خاص احساس نہیں ہے۔ سر دار رابندر ناتھ ٹیگور اپنی خود نوشت سوانح عمری میں بیان کرتے ہیں کہ 1880ء کے قریب جب وہ جوان تھے تو ہندوستان کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں مذہب کے متعلق دو ذہنیتیں تھیں۔ ایک ذہنیت تو ان نوجوانوں کی تھی جو اپنی دھریت کے لئے دلائل پیش کرتے تھے جو مذہبی عقیدے کے خلاف منطق اور دلائل کو حریفانہ اور جارحانہ اصرار سے پیش کرتے تھے۔

دوسری ذہنیت مذہبی ایپقوریت (ایپقوریت اس فلسفے کے فرقے کے کہتے ہیں جن کا اصول یہ تھا کہ زندگی کا مقصد روح کو خوش کرنا اور خوش رکھنا ہے) کے نام سے بیان کی جا سکتی ہے۔ ایسے لوگوں کا خیال یہ تھا کہ مذہب محض رسوم اور ظاہری نمائش کی بات ہے، خوش گوار نظارے، سریلی آوازیں اور نفیس خوشبوئیں ہوں نہ کہ خشک زاہدانہ عمل۔ احساس پرستی اور سطحی عقلیت سطحی انگریزی تعلیم کے اثر سے پیدا ہوئی اور خاص کر بنگال میں پائی جاتی تھی۔ یہ باتیں ہندوستان کی اقوام ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی ذہنیت کے لیے موزوں نہیں ہیں۔ گو اس امر کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہندوستانی کالجوں میں ان باتوں کا عنصر غالب نظر آتا تھا اور دولت عیش و عشرت کے حلقوں میں یہ اب بھی زیادہ اثر ڈالتی ہیں۔ نوجوانوں کی جو نسل انگریزی کی تعلیم پا کر بڑھ رہی تھی وہ مذہب کی بہ نسبت سیاسیات کی زیادہ پرواہ کرتی تھی گو یہ مختلف جماعتی اور فرقہ وارانہ تحریکوں کے لیے مذہب کو بطور آڑ کے استعمال کرنے پر آمادہ رہتی تھی۔[1]

انیسویں صدی کی اہم سماجی تحریک رام کرشن مشن کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ واضح رہے کہ (برہمو سماج اور پرارتھنا سماج مغربیت کی طرف مائل تھی) مگر آریہ سماج پر قدیم ہندو مت غالب تھا۔ انہیں تمام تحریکات میں مسز اینی بیسنٹ کی تحریک بھی قابل تعریف ہے۔ انہیں کی سعی جدوجہد سے بنارس میں مرکزی ہندووانی مدرسہ قائم کیا گیا جو کچھ دنوں کے بعد کالج بنا اور پھر 1915ء میں ہندو یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گیا۔

1۔ یوسف علی، عبد اللہ، انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ، لاہور: ناشران و تاجران کتب، س۔ ن، ص: 276-277

مختصر یہ کہ بیسویں صدی کے نصف اول میں ہندوؤں کی جو تحریکیں سرگرم ہوئیں ان میں گوکھلے کی بھارت سیوک سماج 1905ء میں، نرائن لمبار جوشی کی سوشل سروس لیگ 1911ء میں، آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگریس 1920ء میں، مہاتما گاندھی کی ہریجن سیوک سماج 1933ء میں قائم ہوئیں۔[1]

ان تمام تحریکات نے ہندوستانی سماج کی خدمات میں اہم رول ادا کیا۔ اس وقت مسلمانوں کو یہ احساس ہوا کہ اپنے دین و عقیدہ کی حفاظت کی جائے، چنانچہ اسی احساس و افکار کے نتیجے میں کئی تحریکیں وجود میں آئیں جس کے ذریعے ہندوستانی سماج کے ہر طبقہ کی روایات، رسم و رواج، خیالات، عادات و اطوار، طرز معاشرت و معیشت میں کافی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان تحریکوں میں تحریک شاہ ولی اللہ، تحریک شہیدین، تحریک خلافت، تحریک ریشمی رومال، تحریک احرار، تحریک سر سید، تحریک خاکسار، تحریک مسلم لیگ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان تمام تحریکوں سے خاصا سماجی اصلاحی کا کام لیا گیا، خاص طور پر حضرت شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں میں ذہنی انقلاب پیدا کر کے قوم کی صحیح رونمائی کی۔ مولانا نے قرآن کا فارسی ترجمہ کر کے لوگوں کو ان کے دستور حیات سے واقف کرایا۔ حدیث کی تعلیم عام کی، سوسائٹی کی تشکیل و رہنمائی کے لیے "حجتہ اللہ البالغہ" لکھی۔ معاشرے کی ناہمواریوں کا قلع قمع کرنے کے لیے اعتدال کی راہ پیدا کی، ذات پات اور فرقہ بندی کا خاتمہ کیا۔

مولانا نے ان تمام رسوم اور برائیوں کا انسداد کیا جو ہندوؤں کی وجہ سے مسلم معاشرے میں پیدا ہونے لگی تھیں اس سلسلے میں ایک کتاب "تفہیمات الٰہیہ" لکھ کر سماجی اصلاح کی۔[2]

ان تحریکات کے باوجود بھی سماجی اصلاح کی تشنگی برقرار تھی، مسلمان بدعات و خرافات میں مبتلا تھے، مگر ایسے ماحول میں سر سید جیسا عظیم راہنما مل گیا، جس نے زوال پذیر تہذیب کا باطنی جائزہ لینے کے بعد انگریزوں کی ملازمت میں رہتے ہوئے نئے نئے علوم سیکھے تھے۔ بین الاقوامی سطح پر دنیا کی ترقی جس مقام پر پہنچ گئی تھی، اسے خوب اچھی طرح سمجھا تھا، یہ وہ وقت جب صدیوں کی تہذیب دم توڑ رہی تھی، ایسے ناگفتہ حالات میں سر سید نے سماجی رہنمائی کے لیے میدان عمل میں قدم رکھا اور اپنے چند رفیقوں کے ساتھ آگے بڑھ کر اپنی منظم اصلاحی سرگرمیوں سے تباہی کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے مسلمانوں کو بچا لیا۔

سماجی اصلاح کے لیے سر سید نے 1859ء اور 1864ء میں مراد آباد اور غازی پور میں مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے مدارس قائم کیے اور 1963ء میں غازی پور میں سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی جس کا مقصد تمام زبانوں کی علمی و فنی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنا تھا۔[1]

1۔ ایضاً، ص:118

2۔ قدسی، عبید اللہ، آزادی کی تحریکیں، لاہور: مطبع کہانی پرنٹرز، 1988ء، ص:63۔77

1866ء میں انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار نکالا اس میں سماجی اور اخلاقی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس سے اصلاحی کوششوں میں بڑی مدد ملی۔ اس اخبار کا ایک کالم اردو اور ایک کالم انگریزی میں ہوتا تھا، اس کا خاص مقصد حکومت اور انگریزوں کو ہندستانیوں کے خیالات وحالات سے آگاہ کرنا تھا۔[2]

اسی طرح 1870ء میں رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ اس کی پہلی اشاعت میں ہی انہوں نے اس کا مقصد بھی بیان کر دیا:

> "اس پرچہ کے اجراء سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجے کی سیولائزیشن تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جائے تاکہ جس حقارت سے سیویلائزڈ یعنی غیر مہذب قومیں ان کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز و مہذب قوم کہلائیں۔"[3]

غرض یہ کہ سرسید احمدؒ نے مذہب ودین داری کو جدید علوم اور جدید تہذیب سے ملا کر ایک نیا معاشرہ تعمیر کیا، انہوں نے مراسم کی زنجیریں توڑ کر نئے آئین تہذیب وتمدن مرتب کیے، اسکول اور کالج قائم کر کے مسلمانوں کے افلاس کو دور کیا اور انہیں باعزت زندگی عطا کی۔ وہ حقوق اور تحفظ عطا کیے جو چھینے جا چکے تھے۔

چند نمایاں نام ان حضرات کے بھی ہیں جنہوں نے سماجی اصلاح کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دی، جن میں مولانا مودودیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر اقبالؒ، مولانا محمد الیاس کاندھلوی، فضل حق خیر آبادی، شبلی نعمانی اور مولانا احمد سعید دہلوی ہیں۔ ان حضرات نے بدعات ورسوم کی اصلاح، عقائد کی درستگی، تبلیغ دین، فرق ضالہ سے مناظرہ وغیرہ میں کوششیں کیں۔ ان کی جدوجہد لائق تحسین ہے۔[4]

اسی طرح سے معاشرے میں کچھ اور جاہلانہ رسمیں تھیں جیسے قبر پرستی، مریدی، تعویذ گنڈوں کا غلط تصور، نسل پرستی، نجومیوں اور ساحروں کا زور، شگون وبدفالی، بہت سی ایسی خرابیاں تھیں جن میں سماج ملوث تھا، ان تمام بیماریوں کا سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے قلع قمع کیا۔

مولانا مودودیؒ نے عدل وانصاف اور مساوات کا سبق سکھایا، خدائے واحد کی وحدانیت کا اعلان کر کے لوگوں کو دعوت دین کی طرف راغب کیا اور اپنی کتاب "الجہاد فی الاسلام" لکھ کر باطل عقائد کو درست کیا، ترجمان القرآن کے

1۔ اصغر عباس، سرسید کی اردو صحافت، دہلی: انجمن ترقی اردو، 1975ء، ص:57

2۔ مولانا حالی، الطاف حسین، حیات جاوید، لاہور: حالی اکیڈمی، 1957ء، ص:113

3۔ قدسی، عبید اللہ، آزادی کی تحریکیں، لاہور: مطبع کمپائن پرنٹرز، 1988ء، ص:662

4۔ ندوی، سید سلیمان، اقبال نامہ، اعظم گڑھ: دار المصنفین، 1/144

ذریعے گمراہیوں، بے راہ رویوں سے آگاہ کیا اور "پردہ" کے ذریعے بھی سماج میں پھیلی بے پردگی کو دور کیا۔ تعلیم کا رجحان پیدا کر کے مغربی تعلیم کی اندھی تقلید کا خاتمہ کیا۔

ڈاکٹر اقبالؒ نے بھی اصلاحی کام کیا، انہوں نے فقہ اسلامی کی تشکیل و تدوین کی کوششیں کیں جن کے لیے انہوں نے سید سلیمان ندویؒ کی مدد لی۔ انہیں ایک خط لکھا جس کی تحریر اس طرح ہے:

> "اس وقت سخت ضرورت ہے کہ فقہ اسلامی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے، اگر مولانا شبلی زندہ ہوتے تو ان سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا، لیکن موجودہ دور میں آپ کے سوا یہ کام کون کرے گا۔" [1]

ڈاکٹر اقبالؒ کا قابل فخر کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے جاہلی افکار پر تنقیدیں کیں اور قوی دلائل سے انہیں باطل ثابت کیا۔ ذہنی و فکری میدان میں اسلام کی حقانیت کی تعلیم دے کر توحید کی تعلیمات کو آگے بڑھایا۔

علمی حالات:

ہندوستان کی سرزمین کو یہ افتخار حاصل ہے کہ اس نے ایسی ایسی یگانہ روزگار شخصیتوں کو جنم دیا جنھوں نے اپنی علمی کاوشوں سے ظلمت کدہ ہند کو منور اور روشن کیا۔ اس خاک کے خزف ریزے بھی درِ نایاب کی طرح روشن ہوئے جنھوں نے نہ صرف یہ کہ تاریخ کے صفحات کو روشن کیا بلکہ علم و تحقیق کی ایک نئی تاریخ مرتب کی۔

مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد انگریزوں نے خاص طور پر مسلمانوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور ان کو سیاسی و سماجی اور علمی اعتبار سے کمزور و تباہ و برباد کیا۔ حالات یہ ہوئے کہ 1857ء کے خونی انقلاب میں دہلی اجڑ گئی اور اس کی سیاسی بساط کے ساتھ علمی مرکزیت بھی ختم ہوگئی۔ دہلی جو کبھی علم و دانش کا چمن تھی، جہاں ہر طرف علمی فضا قائم و دائم تھی، معدوم ہوگئی۔ علماء کرام وہاں سے رختِ سفر باندھ کر ادھر ادھر جانے پر مجبور ہو گئے حتیٰ کہ انہیں اپنی مسندِ درس بھی چھوڑنا پڑا۔

اجتماعی طور پر مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا نظام درہم برہم ہو چکا تھا اور انگریزوں کے قائم کردہ نظام تعلیم سے مسلمان مطمئن نہیں تھے، اس دورِ فتن میں علمی ترقی کے لیے کئی علمی اور ثقافتی تحریکوں کا آغاز ہوا، جس میں تحریک دیو بند، تحریک علی گڑھ، تحریک ندوہ اور تحریک جامعہ ملیہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

تحریکِ دیو بند:

1۔ ندوی، ابوالحسن علی، ہندوستانی مسلمان، لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، 1961ء، ص:18

1857ء کے بعد جب کہ مسلمانوں کی حکومت ختم ہو چکی تھی اور ہندوستان تاریکی کے دور سے گزر رہا تھا، لال قلعہ پر اسلامی پرچم کے بجائے یونین جیک لہرا رہا تھا[1] اور کھلے عام عیسائیت کی تبلیغ ہو رہی تھی۔ دہلی اجڑ چکی تھی، مدارس ویران ہو چکے تھے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اقتصادی و علمی پریشانیاں لاحق تھیں۔ مسلمان مایوسی و قنوطیت کے ماحول میں ہچکولے لے رہے تھے۔ ایسے تاریک دور میں جنگ آزادی کی ناکامی کے دس سال بعد 1866ء میں دارالعلوم دیوبند کی تاسیس ہوئی۔[2]

مشہور ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتویؒ ہیں، اسی وجہ سے وہاں کے فارغین قاسمی کہلاتے ہیں۔ فضلائے دارالعلوم نے ایسے نازک دور میں دینی خدمات انجام دی ہیں جب کہ اس وقت دین اور تعلیم کا تصور ختم ہو رہا تھا۔ صرف انگریزوں کے قائم کردہ اسکول باقی تھے، جو طلباء کو زبردستی عیسائی بناتے یا دین سے بیزار کرتے۔ اس مدرسے نے ان حالات میں صحیح رہبری کی اور پورے ملک میں دینی فضا قائم کی۔ 1914ء کیبنٹ کے بعد لندن پارلیمنٹ ہاؤس میں دارالعلوم کو بند کرنے کی تجویز پیش ہوئی، لیکن مشیت ایزدی کے آگے کسی کی نہ چلی، یعنی دارالعلوم دیوبند انگریزوں کی خواہش کے باوجود بھی بند نہ ہو سکا۔[3]

بلکہ ملک کے گوشے گوشے اور چپے چپے پر اس کی شاخیں قائم ہیں، مثلاً مرادآباد میں مدرسہ شاہی، دربھنگہ میں مدرسہ امدادیہ، مؤناتھ بھنجن میں مدرسہ مفتاح العلوم وغیرہ اور اسی طرح اہل حدیث کے مدارس بھی اسی طرح طرز پر قائم ہوئے مدرسہ سلفیہ بنارس، مدرسہ رحمانی، دہلی وغیرہ۔ ان تمام مدارس سے ہزاروں کی تعداد میں علماء فضلاء نکلتے ہیں اور علم دین کی اشاعت میں بڑی تندہی سے کام کرتے ہیں۔ ان مدارس کے فضلاء اور ان سے وابستگان کی خدمت بے بہا اور عدیم النظیر ہیں۔

تحریکِ علی گڑھ:

اس تحریک کے بانی انیسویں صدی کے ممتاز مجاہد سر سید احمد خان ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے 1875ء میں "محمڈن اینگلو اورینٹل کالج" قائم کیا، جس کا افتتاح سر ولیم مور نے کیا۔[4]

1۔ سعید محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2004ء، 4/ 161

2۔ رضوی، سید محبوب، تاریخ دارالعلوم دیوبند، انڈیا: ادارہ اہتمام دارالعلوم، 1977ء، ص:155

3۔ گیلانی، مناظر احسن، سوانح قاسمی، سہارنپور: دارالعلوم دیوبند، 1955ء، 2/ 226

4۔ شیرکوٹی، انوار الحسن، حیات امداد، کراچی: مدرسہ عربیہ اسلامیہ، 1965ء، ص:18

اس کالج کے سب سے پہلے بانی اور منتظم مولوی سمیع اللہ صاحب ہیں۔ جس وقت کالج کا افتتاح ہوا تھا اس وقت سرسید بنارس میں تھے، چنانچہ مولوی سمیع اللہ نے کالج کے ابتدائی دور میں بڑی محنت کی، ان کے بعد سرسید نے تن من دھن کی بازی لگا کر اپنے خون پسینے سے اس کالج کو سینچا، تب کہیں کالج نے 1920ء میں یونی ورسٹی کا درجہ حاصل کیا۔[1]

سرسیدؒ کو اپنے مقاصد میں کامیابی ملی، کیونکہ اس یونیورسٹی نے پسماندگی کی طرف تیزی سے ڈھلکنے والے مسلم معاشرہ کو کافی حد تک سنبھالا اور اسے حیات نو عطا کی۔ تقریباً کالج کے سبھی فارغ التحصیل طلباء کو سرکاری ملازمتیں ملنے لگیں اور مختلف مقامات پر یہ طلباء قومی کاموں کے مرکز بھی بن گئے اور علی گڑھ قومی، تعلیمی، ادبی، اجتماعی اور اصلاحی مرکز بن گیا۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ رقم طراز ہیں:

> "علی گڑھ یونیورسٹی کے فضلاء نے مسلمانوں کی زندگی کے ارتقاء اور ملک کی سیاست میں مؤثر کردار ادا کیا ہے اور اسی یونیورسٹی سے ہندو قومی تحریک کے بالمقابل مسلم قومی تحریک کا آغاز ہوتا ہے۔"[2]

اسی یونیورسٹی سے لاکھوں بلکہ کروڑوں لوگوں نے فائدہ اٹھایا، جس میں ڈاکٹر ذاکر حسین، مولانا حسرت موہانی، رفیع احمد قدوائی، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، خواجہ عبدالمجید، تصدق احمد خاں شیروانی، ڈاکٹر سید محمود وغیرہ خاص طور پر نمایاں ہیں۔ یہ وہ قومی لیڈر تھے جنہوں نے عوام اور ملک دونوں کو فائدہ پہنچایا، اس کے علاوہ علامہ فراہی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا الطاف حسین حالی، محسن الملک، وقار الملک، مولوی سمیع اللہ اور چراغ علی نے اس کالج کی مدتوں خدمت کی۔ درحقیقت علی گڑھ تحریک صرف سیاسی اور تعلیمی ہی نہیں بلکہ فکری اور تہذیبی تحریک بھی تھی۔[3]

سرسید نے اُسے مسلمانوں کی دینی، تعلیمی، معاشرتی، اخلاقی اور تمدنی اصلاح کے لیے قائم کیا تھا، مگر اس کی وسعت اس سے کہیں زیادہ تھی۔ کیونکہ علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کی تنگ نظری کو ختم کر کے ان میں خود اعتمادی اور خیالات میں وسعت پیدا کی اور مسلمانوں کی نئی نسل میں علوم جدیدہ اور انگریزی زبان کو فروغ دینے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

تحریک ندوۃ العلماء:

1۔ شیخ اکرام، موج کوثر، لاہور: فیروز سنز، 1958ء، ص:88

2۔ ندوی، ابوالحسن علی، ہندوستانی مسلمان، لکھنؤ: المجمع الاسلامی العلمی ندوۃ، 1998ء، ص:111

3۔ ایضاً، ص:118

ہندوستان کی ایک اہم تعلیمی تحریک اور عظیم درسگاہ "ندوۃ العلماء" ہے، جس کا قیام 1894ء میں عمل میں آیا۔ یہ ایک اہم تعلیمی تحریک تھی، اس کو ترقی دینے میں مولانا محمد علی مونگیری اور علامہ شبلی نعمانی پیش پیش تھے۔ اس تحریک کے بھی چند مقاصد تھے:

1۔ نصاب تعلیم کی اصلاح، علوم دین کی ترقی، تہذیب و اخلاق اور شائستگی و اطوار

2۔ علماء کے باہمی نزاع کا رفع اور اختلافی مسائل کا انسداد

3۔ عام مسلمانوں کی اصلاح و فلاح اور اس کی تدبیر مگر سیاسی اور ملکی معاملات سے علیحدگی۔

4۔ ایک عظیم الشان اسلامی دار العلوم کا قیام جس میں علوم و فنون کے علاوہ علمی صنائع کی بھی تعلیم ہو۔[1]

ندوۃ کے قیام کا مقصد علی گڑھ اور دیوبند کو ملانا بھی تھا، اس کے محرک مولوی عبد الغفور ڈپٹی کلکٹر تھے، مگر اس کی تکمیل مولانا محمد علی مونگیری نے کی اور اسے ترقی دینے والوں میں سب سے نمایاں علامہ شبلی نعمانی ہیں اور اس کے قابل فخر فرزندوں میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبد السلام ندوی، مولانا عبد الباری ندوی، سید نجیب اشرف اور مولانا ابو الحسن علی ندوی ہیں۔ انہوں نے اپنی غیر معمولی قابلیت اور خداداد صلاحیت سے کامرانی و کامیابی کی منزلیں طے کیں اور ندوہ کا نام روشن کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ندوہ کی دعوت قدیم صالح اور جدید نافع کا حسین امتزاج تھی۔[2]

اس ادارے نے لٹریچر کے میدان میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اور ایسے افراد پیدا کیے جو تحریر و تقریر کی بہترین صلاحیتوں سے مزین تھے اور اسی ادارے نے اسلامی تہذیب و تمدن پر بیش بہا کتابیں مہیا کیں جن سے قوم میں بیداری آئی۔ علامہ شبلی نے اپنی معتمدی کے زمانہ میں دار العلوم ندوہ میں ہندی اور سنسکرت زبانیں جاری کرائیں جس کا مقصد تھا کہ مدرسہ کے طلباء ان زبانوں کے ذریعے آریوں کا مقابلہ کر سکیں گے۔ جن کا زور اس زمانے میں بہت بڑھا ہوا تھا، جو اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ندوہ میں انگریزی تعلیم بھی داخل نصاب ہوئی، تاکہ علماء اپنے علمی وقار کے ساتھ اپنے ملک اور غیر ملکوں میں بھی اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا فرض ادا کر سکیں۔[3]

جامعہ ملیہ اسلامیہ:

1۔ شیخ اکرام، موج کوثر، لاہور: فیروز سنز، 1958ء، ص: 187

2۔ ندوی، ابو الحسن علی، اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، لکھنؤ: ندوۃ العلماء، ص: 85

3۔ ندوی، سید سلیمان، حیات شبلی، اعظم گڑھ: دار المصنفین، 1970ء، ص: 153

تمام تعلیمی اداروں میں سے ایک اہم اور معیاری ادارہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ہے۔ اس کی بنیاد 1920ء میں محمد علی جوہر نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ ڈالی۔ اس زمانے میں خلافت اور عدم تعاون کی تحریکیں شباب پر تھیں۔ اس دوران قوم کے تعلیمی اداروں کو سرکاری گرانٹ اور سرکاری تعلقات سے آزاد کرانے کی کوششیں شروع ہوئیں۔[1]

یوں تو جامعہ ملیہ کی بنیاد علی گڑھ میں پڑی، مگر 1925ء کو یہ ادارہ دہلی منتقل ہو گیا، جہاں حکیم اجمل اور ڈاکٹر انصاری مرحوم کی مدد اور ڈاکٹر ذاکر حسین شیخ الجامعہ کی انتظامی قابلیت اور حسن تدبیر سے یہ ادارہ ترقی کی طرف گامزن ہوا۔[2]

جامعہ کے قیام اور استحکام میں سب سے اہم کردار مولانا محمد علی جوہر کا ہے، جنہوں نے اپنی کوشش پیہم اور جہد مسلسل سے اس مشکل کام کو انجام دیا۔ مولانا محمد علی خود علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ہی پروردہ تھے، ان کا اپنا بیان ہے کہ "میں نے جو کچھ سیکھایا، جو کچھ حاصل کیا وہ اسی علی گڑھ کا طفیل ہے۔"[3]

در حقیقت جامعہ اپنے تعلیمی معیار و وقار کے علاوہ کچھ خاص صفات کا بھی متحمل ہے۔ اس کی پہلی صفت اساتذہ کا ایثار و قربانی ہے اور دوسری خصوصیت اساتذہ اور طلباء کی سادہ زندگی ہے۔ تیسری اہم خصوصیت صنعت وحرفت کی تعلیم ہے۔ کیونکہ جامعہ نے سرکاری ملازمت کو ہی اپنے طلباء کا نصب العین نہیں بنایا بلکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ صنعت وحرفت کا بھی معقول انتظام کیا، تاکہ وہاں کے فارغین بغیر دوسروں کی محتاجی کے اپنی زندگی بہتر طریقے سے گذار سکیں۔

جامعہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے شروع ہی سے اشاعتی ادارہ قائم کیا جہاں سے بہت سی کتابیں شائع ہوئیں، اس کے ارباب اقتدار میں ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر عابد حسین، پروفیسر مجیب، پروفیسر مشیر الحق کو کافی مقبولیت و شہرت ملی۔ ان تمام علمی تحریکوں سے ملک کے گوشے گوشے میں علمی فضاء قائم ہوئی اور ہر مذہب وملت کے لوگ اس سے سیراب ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ 1857ء کی تباہی و بربادی کے بعد مسلمان مایوس اور افسردہ ہو گئے تھے۔ ان کے اندر عزم وحوصلہ کی ایک لہر پیدا ہو گئی۔

اسی طرح اور بعض مدارس اور اسکول و کالج قائم کیے گئے۔ جس سے علوم فنون میں ترقی ہوئی اور ہماری قوم جو عرصے سے اپنا علمی وقار کھو چکی تھی، اسے دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ ان علوم اسلامیہ کی شاخ سے ایسے علماء و فضلاء اور دانشور نکلے جنہوں نے اپنی ذہانت وفطانت، دانائی اور جدت و عبقریت کے بے شمار نمونے پیش کیے۔ خصوصاً حدیث، فقہ، تفسیر اور تاریخ کے میدانوں میں ان کے کارنامے بہت نمایاں ہیں۔

1۔ شیخ اکرام، موج کوثر، لاہور: فیروز سنز، 1958ء، ص:145

2۔ عبد الغفار، جامعہ کی کہانی، دہلی: مکتبہ جامعہ نگر، 1965ء، ص:19-20

3۔ شیخ اکرام، موج کوثر، ص:183

علامہ شبلی نعمانی، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا الطاف حسین حالی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا امین احسن اصلاحی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا انور شاہ کشمیری، سید سلیمان ندوی، عبد الماجد دریا آبادی، حسرت موہانی وغیرہ اسی علوم اسلامیہ کے شاخ گل سر سبد ہیں۔ انہوں نے اپنی سعی وجہد اور پوری قابلیت وصلاح سے بہت سی تصانیف لکھ کر ہند اور بیرون ہند میں داد وتحسین حاصل کی۔

مولانا اشرف علی تھانوی (1863ء۔1943ء) ایک بلند پایہ عالم، عصر حاضر کے عظیم روحانی پیشوا اور کثیر تصانیف مصنف تھے۔ جن کی تعداد تقریباً آٹھ سو ہیں۔ ان میں تفسیر بیان القرآن (4 جلدوں میں) بہشتی زیور، التعرف الی تصوف، بہشتی گوہر، حیات المسلمین، اصلاح الرسوم، تجوید القرآن وغیرہ [1] مولانا سید سلیمان ندوی (1884ء۔1953ء) ایک زبردست عالم دین، عظیم ادیب، بہترین مصنف تھے۔ ان کی تصانیف بے نظیر وبے مثال ہیں۔ ان کی چند تصانیف درج ذیل ہیں۔ لغات جدیدہ، ارض القرآن (دو جلدوں میں) عربوں کی جہاز رانی، عرب وہند کے تعلقات، سیرت عائشہ وغیرہ۔ اسی طرح بے شمار علماء کی تصنیفی وعلمی خدمات ہیں جن سے تعلیم وتعلم میں اضافہ ہوا اور ہر خاص وعام اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ [2]

ممتاز مفکر ومحدث اور مفسر حضرت مولانا سعید احمد دہلوی کی زندگی ویسے تو طویل سفر کی داستان ہیں جسکے مختلف پڑاؤ ہیں۔

اس سفر میں انہوں نے ملک کے سیاسی، سماجی اور علمی حالات کے پیش نظر اپنی زبان اور قلم کی طاقت کو استعمال کرتے ہوئے قوم کے لئے بیش قیمت خدمت سر انجام دی۔ جس میں آپ کی لکھی ہوئی تفسیر "کشف الرحمن" شامل ہے۔ آپ نے اپنی آخری تقریر میں اس تفسیر کے حوالے سے کچھ اس طرح فرمایا تھا کہ

" نہ اب میں کوئی سفر کرتا ہوں نہ کہیں تقریر کرتا ہوں۔ یہ مختصر سی تقریر بھی میں نے یہاں کی۔ جمعیت علماء کے بعض ارکان کی فرمائش پر کر دی۔ میں تو آج کل قرآن شریف کا ترجمہ اور ایک مختصر تفسیر لکھنے میں میں (مصروف) ہوں۔ اب صرف نظر ثانی اور مختصر تفسیر لکھنی باقی ہے" [3]

1۔ بخاری، اکبر شاہ، اکابر علماء دیوبند، لاہور: ادارہ اسلامیات، 1999ء، ص: 61

2۔ غلام محمد، تذکرہ سلیمان، کراچی: ادارہ نشر المعارف، ص: 28

3۔ ضیاء الدین انصاری، ڈاکٹر، مولانا احمد سعید دہلوی، مشمولہ معارف، ج:165، (شذرات: ضیاء الدین اصلاحی) اعظم گڑھ: دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، مارچ 2000ء، ص:190

3۔ شاہجہانپوری، ابو سلمان، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی ایک سیاسی مطالعہ، ص: 144

مولانا باہمت علماء میں سے تھے جنھوں نے دینی خدمات کے ساتھ سیاسی اور ملی خدمات کے ساتھ سیاسی اور ملی خدمات کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔ تحریک آزادی کے سلسلے میں آپ ہر اول دستہ میں شامل تھے۔ انگریز دشمنی میں کئی بار جیل کاٹی تقسیم کے وقت مسلمانوں کی حفاظت و امداد کرتے ہوئے شاندار خدمات سرانجام دیں۔

زندہ کرتے ہوئے اسلاف کا تم نام چلے
ہو مبارک تمہیں تم جیل سے خوش کام چلے
سختیاں قید کی جھیلی ہیں خوشی سے تم نے
کون کہتا ہے کہ تم قید سے ناکام چلے

فصل دوم:

مولانا احمد سعید دہلویؒ کے احوال حیات

تفسیر کشف الرحمن کے مصنف مولانا احمد سعید دہلویؒ ہیں۔ آپ مفسر، مقرر، حافظ، ادیب، سخن داں و سخن شناس، نازک خیالی شاعر اور دلی کی ٹکسالی زبان کے ماہر تھے۔ آپ نے تمام عمر تعلیم و تعلم میں بسر کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دین کے لیے منتخب کیا اور ان مخصوص لوگوں میں شامل کیا جنہیں وہ اپنے دین کی خدمت کے لیے پسند کرتا ہے۔ آپ نے قرآن کی تفسیر اردو زبان میں کی۔ علماء کے وعظ و تقاریر سن کر مولانا احمد خود شیریں بیان واعظ کہنا شروع کر دیے تھے اور لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ ان کے عقائد کی بھی اصلاح کرتے رہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کیں۔ آپ کے مختصر احالات زندگی درج ذیل ہیں۔

خاندان:

مولانا احمد سعید کے والد حافظ نواب مرزاؒ زینت المساجد میں امامت کے عہدے پر فائز تھے اور مکتب بھی پڑھاتے تھے۔ مولانا احمد کے دادا خواجہ نواب علیؒ شہر کے مشہور صوفی بزرگ تھے۔ مولانا کے اہل و عیال کو جلال الدین اکبر بادشاہ نے عرب سے کشمیر بلایا تھا۔ شاہ جہاں بادشاہ کے زمانے میں یہ خاندان کشمیر سے آگرہ آیا اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر دہلی منتقل ہوا۔ 1857ء کے ہنگامے سے پہلے تک کشمیر کڑہ میں سکونت پذیر تھے۔ انگریزوں نے دہلی کو فتح کرنے کے بعد کشمیری دروازے سے لے کر دلی دروازے تک کی آبادی کو مسمار کر دیا۔ اس کی زد میں یہ کشمیری کڑہ بھی آگیا۔ مولانا احمد کے آباؤ اجداد کو مغل دربار میں رسائی حاصل تھی اور "خواجہ زادہ" مغل کا خطاب عطا ہوا تھا۔[1]

مولانا احمد سعید کے والد 1908ء میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئے اور آپ کو اپنے آبائی قبرستان چونسٹھ کھمبے میں سپرد خاک کیا گیا۔[2]

احوال و آثار:

مولانا احمد سعید دہلوی کوچہ ناہر خاں دریا گنج دہلی میں پیدا ہوئے۔

مولانا حفیظ الرحمن واصف دہلوی "مفتی اعظم کی یاد" میں لکھتے ہیں کہ:

1۔ دہلوی، مفتی حفیظ الرحمن واصف، مفتی اعظم کی یاد، کراچی: مکتبہ رشدیہ، 2013ء، ص: 341

2۔ صلاح الدین، دلی والے، دہلی: اردو اکادمی، 1986ء، ص: 44

"مولانا نے مجھے خود بتایا فرماتے تھے کہ دن اور تاریخ معلوم نہیں مگر مہینہ ربیع الثانی کا تھا۔ ازروئے تقویم یہ دسمبر 1888ء کے مطابق ہے۔ یکم ربیع الثانی 1306ھ کو 5 دسمبر 1888ء ہوتی ہے۔ شمسی حساب سے پیدائش کا مہینہ بھی دسمبر ہے اور وفات کا مہینہ بھی دسمبر۔ اس حساب سے 71 سال کی عمر پائی اور قمری حساب سے 73 سال سے کچھ زائد عمر پائی"[1]

لیکن مولانا احمد سعید کی تاریخ پیدائش میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کیونکہ مولانا احمد نے ملا واحدی جو خطوط لکھے ان کے اندر بھی تاریخ پیدائش کے اختلاف کی بحث موجود ہے۔ وہ خطوط سید ضمیر حسن دہلوی نے "مکاتیب احمد سعید" کے نام سے کتاب کے اندر ہیں۔

11 جنوری 1958ء کو مولانا احمد سعید نے ملا واحدی کو خط لکھا کہ:

"میں نے یہ بھی 1888ء ہی اپنی پیدائش کا سال مقرر کر لیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ آپ سے اور آصف علی سے کمال علمی میں بڑا نہ ہوں تو عمر میں تو بڑا ہو جاؤں مگر قاضی لطیف الحق کے سمجھانے سے میں نے بھی 1888ء ہی طے کر لیا ہے۔ اماں مرحوم فرمایا کرتی تھیں مدار کے مہینہ میں پیدا ہوا تھا۔ خدا جانے 1888ء میں مدار کے مہینے یعنی جمادی الاول میں انگریزی مہینہ کونسا تھا (جنوری 1888ء میں جمادی الاول 1305ھ تھا۔ لیکن واحدی صاحب مولانا کی پیدائش 1885ء کے لگ بھگ بتاتے ہیں۔ 17 مئی 1888ء خود واحدی صاحب کی تاریخ پیدائش ہے اور 10 مئی 1888ء مسٹر آصف علی مرحوم کی تاریخ پیدائش ہے۔ واحدی صاحب کہتے ہیں کہ مولانا دو تین برس ہم دونوں سے ضرور بڑے تھے"[2]

مولانا احمد سعید نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔[3] مولوی عبد المجید مصطفیٰ آبادی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد تکمیل حفظ قرآن مدرسہ حسینیہ بازار ٹیا محل میں دستار بندی ہوئی۔[4] پھر کئی عربی مدارس اور علمائے کرام سے درس حاصل کیا۔[5] 1328ھ میں مدرسہ امینیہ میں داخل ہوئے اور 1336ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔[6] مولانا احمد

1۔ دہلوی، حفیظ الرحمن واصف، مفتی اعظم کی یاد، ص: 341

2۔ دہلوی، سید ضمیر حسن، مکاتیب احمد سعید، دہلی: دینی بک ڈپو، س۔ن، ص: 52

3۔ صلاح الدین، دلی والے، دہلی: ص: 45

4۔ دہلوی، حفیظ الرحمن واصف، مفتی اعظم کی یاد، ص: 342

5۔ صلاح الدین، دلی والے، ص: 52

6۔ شاہجہانپوری، ابو سلمان، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی ایک سیاسی مطالعہ، لاہور: جمعیۃ پبلشرز، ص: 102

سعید کو بچپن ہی سے تقریر و خطاب کا شوق تھا۔ جس میں آپ نے بہت مہارت حاصل کرلی۔ جب آپ کی عمر 22 برس کی تھی تو مفتی کفایت اللہ کی نظر آپ پر پڑی تو 1910ء میں ان سے تعلیم کی تکمیل فرمائی۔[1]

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مولانا کو مفتی کفایت اللہؒ نے بطور معین مدرس، مدرسے میں مقرر کیا اور کچھ ابتدائی کتابیں پڑھانے کے لیے دے دیں۔[2]

اسی زمانے میں آریوں وغیرہ سے متعدد مناظرے کیے ترجمہ قرآن بیان زندگی بھر کا وظیفہ رہا۔[3] 1919ء کے آخری دنوں میں جمعیتہ علمائے ہند کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا تاسیسی اجلاس 28 دسمبر 1919ء کو امرتسر میں منعقد ہوا۔ اس کی صدارت مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے فرمائی تھی۔ اسی دن سہ پہر میں اس کا دوسرا اجلاس مفتی محمد کفایت اللہؒ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اسی تاسیسی جلسہ میں مولانا احمد سعید کو جمعیتہ علماء کا ناظم عمومی مقرر کیا گیا۔ 1940ء تک وہ مسلسل اس منصب پر فائز رہے۔ اس کے بعد وہ کل ہند جمعیتہ کے نائب صدر اور اس کی دہلی شاخ کے صدر منتخب ہوئے۔ اس کے بعد 1957ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے وصال کے بعد وہ اس کے صدر بنائے گئے اور اپنی وفات (4 دسمبر 1959ء) تک اس عہدے پر فائز رہے۔[4]

مولانا احمد سعید نے بڑی فعال زندگی بسر کی، مولانا مذہبی اور سیاسی تحریکوں میں بھی شامل تھے۔ ہندوستان کی آزادی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور دیگر اکابر ملت کے ساتھ متعدد بار زنداں پر دستک دی۔ مولانا 1921ء، 1930ء، 1932ء، 1940ء، اور 1942ء میں جیل کی صعوبتیں برداشت کیں۔[5]

مولانا احمد صبح کی نماز کے بعد کسی نہ کسی مسجد میں قرآن مجید کا ترجمہ فرماتے۔ جس دور میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے وعظ سننے کے لیے لوگ بے چین رہتے تھے اسی دور میں مولانا احمد سعید بھی مقبول ترین واعظ بن گئے تھے۔ آپ کو دلی کی ٹکسالی زبان پر عبور تھا۔ سادہ اور بامحاورہ زبان میں اپنی تقریر کو بے حد دلکش اور دل پذیر بنا دیتے تھے۔ اس لیے آپ کو اصحاب علم نے سحبان الہند کے لقب سے یاد کیا۔[6]

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری لکھتے ہیں کہ:

1۔ شجاع آبادی، ثناء اللہ سعد، علماء دیوبند کے آخری لمحات، لاہور: عمر پبلی کیشنز، 2010ء، 2/44
2۔ دہلوی، حفیظ الرحمن واصف، مفتی اعظم کی یاد، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، 2013ء، ص: 349
3۔ سلمان منصور پوری، تحریک آزادی ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار، انڈیا: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، 2004ء، ص: 214
4۔ ضیاء الدین انصاری، ڈاکٹر، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مشمولہ معارف، ج: 165، (شذرات: ضیاء الدین اصلاحی) اعظم گڑھ: دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، مارچ 2000ء، ص: 190
5۔ ایضاً، ص: 189
6۔ شاہجہانپوری، ابو سلمان، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی ایک سیاسی مطالعہ، لاہور: جمعیتہ پبلشرز، ص: 102

"سحبان الہند کی صحیح قدر و قیمت سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ "سحبان" کے بارے میں کچھ بتا دیا جائے۔ سحبان حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں مشہور شاعر گزرا ہے۔ وہ فصاحت و بلاغت میں بے نظیر و بے عدیل تھا۔ اس کے باپ کا نام وائل تھا۔ اس لیے "سحبان وائل" مشہور ہوا۔ اس کی فصاحت نے ضرب المثل کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔"[1]

مولانا محفل میں شگفتگی کے پھول بکھیرنے کے ساتھ مزے دار باتیں کر کے لوگوں کو خوب ہنساتے تھے۔ زیادہ بولنا اور بحث مباحثہ کرنا ان کا شعار نہ تھا۔ مولانا بڑے صاف گو اور بے باک تھے۔ جو کچھ دل میں ہوتا منہ پر رکھ دیتے کسی کی دل آزاری نہ کرتے، ہر کسی کی مدد کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے۔[2] مولانا قلب کے مریض تھے اور ان کی عام صحت بھی اچھی نہ تھی مگر نہ تو ان کے مزاج میں بیماریوں کی سی چڑچڑاہٹ تھی اور نہ مایوسی بڑی زندہ دلی سے جیتے تھے۔[3]

مولانا نے 4 دسمبر 1959ء بروز جمعہ ساڑھے سات بجے شب اچانک داعی اجل کو لبیک کہا۔ اگلے دن درگاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے باہری حصہ ظفر محل کے قریب خود ان کی وصیت کے مطابق مفتی کفایت اللہ کے دائیں جانب مدفون کیا۔ نماز جنازہ مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت تبلیغ نے پڑھائی۔ غالب نے شاید ایسے ہی سانحات کے لیے کہا تھا:

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے[4]

اولاد:

مولانا احمد سعید دہلوی کو اللہ تعالیٰ نے اولاد جیسی نعمت سے نوازا تھا۔ مولانا احمد نے اپنی پہلی اہلیہ کو چھوڑ دیا تھا ان سے دو بچے تھے جو صغیر السن ہی میں وفات پا گئے تھے۔ دوسری اہلیہ صوفی حکیم ممتاز احمد ہاشمی کی بہن تھیں۔ ان سے آٹھ بچے تھے۔ چار لڑکے اور چار لڑکیاں۔[5]

1۔ ضیاء الدین انصاری، ڈاکٹر، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مشمولہ معارف، ج:165، (شذرات: ضیاء الدین اصلاحی) اعظم گڑھ: دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، مارچ 2000ء، ص:187

2۔ دہلوی، سید ضمیر حسن، مکاتیب احمد سعید، دہلی: دینی بک ڈپو، ص:16

3۔ ایضاً، ص:21

4۔ ضیاء الدین انصاری، ڈاکٹر، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مشمولہ معارف، ج:165، (شذرات: ضیاء الدین اصلاحی) اعظم گڑھ: دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، مارچ 2000ء، ص:196

5۔ شاہجہان پوری، ابو سلمان، سحبان الہند، مولانا احمد سعید دہلوی ایک سیاسی مطالعہ، لاہور: جمعیہ پبلیکیشنز، 2007ء، ص:52

لڑکوں میں محمد سعید، مظہر سعید، محمود سعید اور حامد سعید تھے۔ مولانا کے بڑے بیٹے حافظ مولوی محمد سعید جو 15 دسمبر 1965ء کو اور دوسرا بیٹا مظہر سعید 19 جنوری 1968ء کو خالق حقیقی سے جا ملے اور اپنے والد کے قریب ہی مدفون ہیں۔ چار لڑکیوں میں سعیدہ بیگم، مسعودہ بیگم، محمودہ بیگم اور فہمیدہ بیگم ہیں۔ جن میں سے سعیدہ بیگم 11 جنوری 1983ء کو خالق حقیقی سے جا ملیں۔ مولانا احمد سعید کی اہلیہ محترمہ کا انتقال مولانا کی وفات کے ٹھیک سترہ سال بعد 2 دسمبر 1976ء کو ہوا۔[1]

اساتذہ:

کسی بھی شخصیت کے علمی تبحر اور رتبہ کا اندازہ اس کے اساتذہ کے مقام و مرتبہ، سیرت و کردار اور علمی پختگی سے لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ استاد روحانی باپ کی حیثیت رکھتا ہے۔ استاد کی شخصیت براہِ راست طلباء پر اثر انداز ہوتی ہے۔ طالب علم اپنے استاد کی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے۔ بہترین استاد انسان کی دنیا و آخرت میں کامیابی کا باعث ہے۔ مولانا احمد سعید دہلویؒ ان خوش قسمت لوگوں میں شامل ہیں جن کو بہترین اساتذہ کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کے چند اساتذہ کرام میں مفتی کفایت اللہؒ دہلوی، راسخ دہلویؒ، حافظ محمد ضیاء الحقؒ دیوبندی شامل ہیں۔

1) مفتی کفایت اللہ دہلوی:

مفتی کفایت اللہ کی پیدائش 1292ھ بمطابق 1876ء کو شاہجہاں پور کے محلہ سن زئی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام شیخ عنایت اللہ ابن فیض تھا۔[2] آپ ہندوستان کے مفتی اعظم اور مدبر اعظم ہی نہیں بلکہ قافلہ فضل و کمال کے در شہوار سالار تھے۔ آپ بے پناہ اوصاف کے مالک تھے۔ آپ بیک وقت محدث، مفسر، فقیہ، ادیب، شاعر، ریاضی دان، سیاستدان اور مجاہد سب کچھ تھے۔[3] آپ عرصہ دراز تک تدریسی اور علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ اسی دوران کئی مفید کتابیں بھی تالیف کیں جن میں قصیدہ عربی، روض الریاحین، البرہان، اور المصطفیٰ اور تعلیم الاسلام وغیرہ مشہور تصانیف ہیں۔[4]

مولانا عبد الکلام آزاد فرماتے ہیں کہ:

1۔ ڈاکٹر، صلاح الدین، دلی والے، ص: 45

2۔ دہلوی، حفیظ الرحمن، واصف، مفتی اعظمؒ کی یاد، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلامؒ، 2013ء، ص: 44

3۔ سلمان منصورپوری، تحریک آزادی ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار، انڈیا: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، 2004ء، ص: 203

4۔ بخاری، اکبر شاہ، اکابر علماء دیوبند، لاہور: ادارہ اسلامیات، س۔ن، ص: 117

"مولانا مفتی کفایت اللہ مرحوم ان لوگوں میں سے تھے جن کی زندگی کا عظیم مقصد دینی علم اور ملک کی خدمت کرنا تھا وہ ایک مستند عالم تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر ان کا فرض تھا کہ وہ دینی خدمت کرتے چنانچہ تمام زندگی انہوں نے اسی مقصد میں گزار دی۔"[1]

آپ سے بہت سے علماء نے فیض حاصل کیا جن میں سحبان الہند مولانا احمد سعید سرفہرست ہیں۔[2] آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ سے بیعت تھے مگر خود کسی کو بیعت نہیں کیا۔[3] آپ 31 دسمبر 1952ء کو دہلی میں خالق حقیقی سے جا ملے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔[4]

2) راسخ دہلوی:

آپ کا اصل نام "مولانا عبدالرحمن راسخ دہلوی" ہے۔ آپ 1284ء میں دہلی کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مولانا محمد حسین فقیر دہلوی تھا۔ جو اپنے وقت کے مشہور زاہد اور درویش انسان تھے۔[5]

مولانا عبدالرحمن ایک بالغ نظر عالم دین ہونے کے ساتھ باشعور مفسر قرآن، شیوا بیان واعظ تھے۔ مولانا نے درس قرآن مجید کے ذریعے مسلم عوام وخواص کے اندر روحانی انقلاب برپا کیا۔ دہلی میں آج جو تفسیری ذوق کسی نہ کسی عنوان سے باقی ہے دراصل یہ مولانا عبدالرحمن راسخ جیسے بے لوث و مخلص بزرگوں کا کارنامہ ہے۔[6]

مولانا راسخ کے نمایاں شاگرد سحبان الہند مولانا احمد سعید فقیر دہلوی تھے۔ مولانا احمد سعید مولانا راسخ مرحوم سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ مولانا احمد سعید اپنی تقریروں اور واعظوں میں بھی مولانا راسخ کے اشعار پڑھتے رہتے تھے۔ مولانا احمد سعید بھی ایک بہترین شاعر تھے۔[7] مولانا راسخ دہلوی 1325ھ میں اکتالیس سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور اپنے والد ماجد کے قریب ہی آرام فرما ہیں۔[8]

1۔ دہلوی، حفیظ الرحمن واصف، مفتی اعظم کی یاد، ص:159

2۔ سلمان منصور پوری، تحریک آزادی ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار، انڈیا: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، 2004ء، ص:204

3۔ دہلوی، حفیظ الرحمن واصف، مفتی اعظم کی یاد، ص:78

4۔ سلمان منصور پوری، تحریک آزادی ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار، ص:204

5۔ قاسمی، عطاء الرحمن، دہلی میں دفن خزینے، لاہور: طیب پبلشرز، 2002ء، ص:175

6۔ ایضاً: 176

7۔ ایضاً: 179

8۔ ایضاً: 180

3) مولانا محمد ضیاء الحق دیوبندی:

آپ مولانا سراج الحق کے فرزند تھے۔ محلہ ابوالمعالی دیوبند کے باشندے اور معزز خاندان کے فرد تھے۔[1] 1314ھ میں مولانا ضیاء الحق فاضل دارالعلوم دیوبند اور شیخ الاسلام مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا کفایت اللہ دہلوی اور مولانا امین الدین اورنگ آبادی کے ہم سبق اور معاصر تھے۔ بڑے صاحب علم و فضل اور عمدہ حافظ قرآن تھے۔[2]

28 رجب 1373ھ کو صبح دس بجے آپ حدیث شریف کا درس دے رہے تھے، اچانک طبیعت خراب میں کچھ امتلائی کیفیت پیدا ہوئی مگر آپ برداشت کرتے رہے۔ سبق ختم کر کے ساڑھے دس بجے کے قریب آپ اپنے کمرے میں تشریف لے گئے۔ تین دن بیمار رہے اور یکم شعبان 1373ھ بوقت سوا نو بجے شب نماز عشاء سے فارغ ہو کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر 83 سال تھی۔ دہلی میں خواجہ باقی باللہ کے مزار کے قریب مدفون ہیں۔[3]

مناظرے:

ہندوستان پر جب انگریزوں کی حکومت تھی تو انہوں نے مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی سیاسی اثر ڈالنے کے لیے انگریزی کالج کھولنے کا آغاز کیا۔ ان کالجز اور سکولوں میں اپنی مرضی کا نصاب تعلیم رائج کیا اور مسلمانوں کے ذہنوں کو مسخ کر کے زبردستی عیسائی بنانا شروع کر دیا۔ اس مہم پر کروڑوں روپیہ سالانہ خرچ ہوتا تھا۔ قابل اور مستعد پادری ہندوستان میں آ کر اردو کی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ اردو میں تقاریر کرنے کی مشق کرتے تھے۔ عام مجمعوں میں اسلام پر اعتراضات کرتے اور خوب کیچڑ اچھالتے تھے۔ ان اعتراضات کے جواب پر علمائے اسلام نے جوابی تقاریر کا آغاز کیا اور یہاں سے مناظروں کے دور کی ابتداء ہوئی۔[4]

مفتی حفیظ الرحمن واصف دہلوی "مفتی اعظمؒ کی یاد" میں لکھتے ہیں:

"یہ مناظروں کا دور تھا اس دور میں مولانا نے زبردست اور معرکۃ الآراء
مناظرے کیے اس وقت آریوں میں بھی بڑے بڑے فاضل مناظر اور خطیب
موجود تھے۔ پنڈت رام چندر دہلوی کا نہ صرف دہلی بلکہ ہندستان بھر میں طوطی

1۔ Dr. Qasim Dehlvi, drmqasim@gmail.com, Format of thesis, aminasanaullah@gmail.com, 19-0202018,9:32am

2۔ قاسمی، عطاء الرحمن، دہلی میں دفن خزینے، ص:320

3۔ Dr. Qasim Dehlvi, drmqasim@gmail.com, Format of thesis, aminasanaullah@gmail.com, 19-0202018,9:32am

4۔ دہلوی، حفیظ الرحمن واصف، مفتی اعظمؒ کی یاد، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، 2013ء، ص:345

بول رہا تھا۔ قرآن مجید عمدہ پڑھتا تھا اور بڑا طرار و لسان تھا۔ مولانا نے اس سے

بھی مناظرے کیے اور مولانا کی خطابت سب پر غالب رہی۔"[1]

مولانا احمد سعیدؒ جب مناظرہ کرتے تھے تو ان کے معاون حضرت مفتی اعظمؒ ہوتے تھے۔ جو خود اپنے ابتدائی دور میں زبردست مناظر تھے۔ 1321ھ میں ایک رسالہ "البرھان" کے نام سے جاری کیا۔ جس میں قادیانیت کا رد کیا جاتا تھا۔[2]

تصانیف:

مولانا احمد سعید تحریر و تقاریر دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ ان کی خطابت و تقاریر پر جوش، نصیحت آمیز اور دل نشین ہوتی تھیں جو پڑھنے اور سننے والوں پر گہرا نقش چھوڑ جاتیں حاضرین ان کی باتیں پورے انہماک اور توجہ سے سنتے تھے۔ اسی طرح مولانا کی تحریریں وضاحت سے لبریز تھیں۔ کیونکہ وہ بلند پایہ مصنف تھے۔ تصانیف کی تعداد مبین تک ہے۔ کثیر التصانیف آدمی نہیں تھے۔ ان میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں:

1۔ تفسیر کشف الرحمن فی ترجمۃ القرآن   2۔ تقاریر سیرت

3۔ خدا کی باتیں   4۔ رسول کی باتیں

5۔ معجزات رسول   6۔ صلوۃ و سلام

7۔ جنت کی ضمانت   8۔ جنت کی کنجی

9۔ دوزخ کا کھٹکا   10۔ موت کا جھٹکا

11۔ ماہ رمضان   12۔ پردہ کی باتیں

13۔ مشکل کشا   14۔ عرش الٰہی کا سایہ[3]

مولانا احمد سعید ایک اچھے شاعر بھی تھے اور آپ کا تخلص اسیر تھا۔ مولانا احمد کی غزلیں عوام اور خواص دونوں میں مقبول تھیں۔[4] لیکن افسوس کہ اب ان کا کلام دستیاب نہیں۔ [5]اس کی وجہ یہ کہ مولانا احمد کی وہ ڈائری جس میں ان کے اشعار درج تھے حالات کی نظر ہو چکی۔[5]

1۔ واصف دہلوی، حفیظ الرحمن، مفتی اعظم کی یاد، ص:350

2۔ ایضاً: 351

3۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2015ء، ص:6

4۔ قاسمی، عطاء الرحمٰن، دہلی میں دفن خزینے، لاہور: طیب پبلشرز، 2002ء، ص:268

5۔ ضیاء الدین انصاری، ڈاکٹر، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مشمولہ: معارف، ج:165 (شذرات: ضیاء الدین اصلاحی)، اعظم گڑھ: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، مارچ 2000ء، ص:197

علمی مقام و مرتبہ:

مولانا احمد سعید دہلوی مبلغ اسلام اہل علم میں اپنا نمایاں مقام و مرتبہ رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ انہیں گھنٹوں سنتے نہ تھکتے تھے۔ اللہ نے ان کی زبان میں اتنی چاشنی رکھی تھی کہ ہر شخص کو اپنا گرویدہ بنالیتے تھے۔ لفظوں کا ایسا استعمال کرتے کہ سننے والے کے دلوں پر گہرا اثر چھوڑ جاتیں۔ قلم اور زبان کے ذریعے جو آپ نے دینی خدمات انجام دیں وہ آپ کے علمی مقام و مرتبہ کو اجاگر کرتی ہیں۔ مولانا احمد سعید کی تفسیر اپنے دور کی تفاسیر میں ایک ممتاز مقام کی حامل تفسیر ہے۔ جس میں بہت سے لطائف نکتے اور خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر شاہد علی "اردو تفاسیر بیسویں صدی" میں تفسیر کی مقبولیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> "اس تفسیر میں بہت سے فوائد اور خوبیاں ہیں جن کے سبب شاہ عبد القادر کی "موضح قرآن"، شیخ الہند محمود الحسن کی "موضح القرآن" اور مولانا اشرف علی تھانوی کی "تبیان القرآن" وغیرہ کی موجودگی میں بھی مولانا احمد سعید کی "تفسیر کشف الرحمن" کو مقبولیت حاصل ہوئی۔"[2]

استاد کی اپنے شاگرد کے بارے میں رائے قائم کسی قیمتی خزانے سے کم نہیں۔ کیونکہ تفسیر کشف الرحمن کے بارے میں قاری طیب صاحب کا جو مولانا احمد سعید کے استاد اور اپنے وقت کے معتبر عالم تھے یہ فرمانا بڑی اہمیت و وقعت رکھتا ہے کہ:

> "مجھے تمام تراجم میں بوجہ بلاغت حضرت تھانوی قدس سرہ کا ترجمہ پسند تھا لیکن یہ ترجمہ شگفتگی میں اس سے بھی کچھ سوا ہی نظر آتا ہے۔ ارادہ کرتا ہوں کہ اپنی تحریرات میں جہاں آیات کے ترجمے درکار ہوں گے تو اس ترجمہ کی نقل پر قناعت کر سکوں گا۔"[3]

کسی بھی کتاب کی مقبولیت کے لیے آسان زبان، عام فہم طرز ادا اور اپنی خصوصیات کے اعتبار سے نہایت قابل قدر ہے۔ تفسیر کشف الرحمن انہی خصوصیات کی حامل ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ، اس تفسیر کی افادیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

1۔ ڈاکٹر صلاح الدین، دلی والے، دہلی: اردو اکادمی، 1986ء، ص:52

2۔ ڈاکٹر، سید شاہد علی، اردو تفاسیر بیسویں صدی، دہلی: کتابی دنیا، 2001ء، ص:188

3۔ دہلوی، احمد سعید، کشف الرحمن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2015ء، ص:16

"کسی کتاب کی مقبولیت وافادیت کے لیے سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب مد ظلہم کا نام سند اور ضمانت ہی اور موصوف کا نام کسی تصنیف پر آجانے کے بعد کسی تقریظ یا اظہار رائے کی ضرورت نہیں رہتی۔"[1]

مشاہیر کی آراء:

البتہ جہاں مشاہیر نے ان کے متعلق رائے کا اظہار کیا ہے، وہاں شخصیت اور خدمات کو عموماً خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مولانا احمد کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ انھی خوبیوں میں سے ایک خوبی ظاہر و باطن کا حسن تھا یہ حسن انسانی زندگی اور اخروی نجات کے لیے کامیابی کا ضامن ہوتا ہے۔

انھی کی اسی خوبی کے بارے میں مولانا مفتی حفیظ الرحمن واصف دہلوی "مفتی اعظم کی یاد" میں لکھتے ہیں کہ:

"مولانا احمد سعید کے اندر سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کا ظاہر و باطن ایک تھا ان میں جو کمزوریاں تھیں وہ بھی ظاہر تھیں اور جو کمالات قدرت نے ان کو عطا فرمائے تھے وہ بھی واضح اور روشن!"[2]

مولانا احمد سعید اپنے دور کے مشہور خطیبوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ بولنے کا ملکہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں کہ گفتگو سے سامعین کے دل جیت لے جائیں لیکن یہ صلاحیت اللہ نے مولانا احمد کو دے رکھی تھی کہ وہ اختصار اور جامعیت کے ساتھ اپنی نصیحتیں موثر انداز سے لوگوں تک پہنچاتے۔

مولانا ڈاکٹر عبدالحکیم اکبری "اساطین ملت" میں لکھتے ہیں کہ:

"آپ نہایت اعلیٰ درجے کے مقرر، خطیب اور شیریں بیان واعظ تھے۔ تین ساڑھے تین گھنٹے تک واعظ کہنا آپ کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ شیریں بیانی اور خاص دلی کی زبان کی وجہ سے آپ کا واعظ بہت موثر اور تقریر نہایت دلچسپ اور پر مغز ہوتی تھی"[3]

زبان ہر شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ مولانا احمد سعید کی زبان میں سلاست وروانی پائی جاتی تھی۔ گفتگو میں ایسا سلیقہ کہ سامعین کی توجہ کہیں اور مرکوز نہ ہو پاتی۔ پورے انہماک سے مولانا کو سنتے اور لطف اندوز ہوتے۔

مولانا محمد منظور احمد نعمانی "مولانا احمد سعید" کے بارے میں رقمطراز ہیں:

1۔ دہلوی، احمد سعید، کشف الرحمن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2015ء، ص:13

2۔ واصف دہلوی، حفیظ الرحمن، مفتی اعظم کی یاد، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، 2013ء، ص:387

3۔ عبدالحکیم اکبری، اساطین ملت، کراچی: مفتی محمود اکیڈمی، ص:69

"اللہ تعالیٰ نے مولانا کو تقریر و بیان کا بڑا کمال عطا فرمایا تھا۔ دلی کی ٹکسالی زبان بولتے تھے۔ تقریر میں دریا کی سی روانی ہوتی تھی۔"[1]

حاجی انیس دہلوی کی خاکہ نگاری میں مولانا کی شخصیت خوب نکھر کے سامنے آتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

"مولانا احمد سعید دہلوی ادیب، سخن دان و سخن شناس، نازک خیال شاعر، دلی مرحوم کی ٹکسالی زبان کے ماہر، واعظ فرماتے تو روز مرہ اور محاورے کا مزہ آجاتا۔"[2]

مارچ 1933ء میں ملتان جیل سے مولانا احمد سعید "حضرت مفتی اعظم" سے پہلے رہا ہوئے تو مفتی صاحب نے اپنی شاگردی کی محبت اور ان کی جدائی کو اس طرح محسوس کیا کہ زبان پر بے ساختہ ایک نظم جاری ہو گی۔ جو مولانا کی شخصیت کی عکاسی کرتی ہے۔ اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

چل دیا وہ حال دل سے بے خبر — جان و دل کا ہے سفر جس کا سفر

جس سے وابستہ تھیں میری راحتیں — جانتا تھا میں جسے قلب و جگر

کنج تنہائی کا میرے تھا رفیق — مونس جاں تھا سفر ہو یا حضر

مولوی احمد سعید خوش لقا — واعظ آتش بیاں جادو اثر

شیر دل، کان مروت، سیر چشم — پیکر صدق و وفا والا گہر[3]

اخلاق و کردار:

انسانی زندگی میں اخلاق و کردار بلند پایہ اوصاف ہیں۔ اچھے اخلاق و کردار کی وجہ سے معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مولانا احمد سعید انہی شخصیات میں سے ایک ہیں جو اپنے اخلاق و کردار کی وجہ سے لوگوں کے محبوب نظر تھے۔ مولانا کے اخلاق و کردار میں قرآن سے عشق، فراخ دلی، قناعت پسندی، اساتذہ کا احترام، ادبی ذوق وغیرہ شامل ہیں۔

1۔ دہلوی، احمد سعید، مقدمہ: تقریر سیرت، لاہور: ادارہ بیان القرآن، 1992ء

2۔ ڈاکٹر صلاح الدین، دلی والے، دہلی: اردو اکادمی، 1986ء، ص: 16

3۔ دہلوی، حفیظ الرحمن واصف، مفتی اعظم کی یاد، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، 2013ء، ص: 374

قرآن سے عشق:

مولانا احمد سعید بڑے جید حافظ تھے۔ آپ کو قرآن کریم کے ساتھ عشق تھا۔ کیونکہ آپ کی علمی اور دینی زندگی کا آغاز بھی ترجمہ قرآن مجید بیان کرنے سے شروع ہوا اور زندگی کے آخری لمحات تک قرآن کے ساتھ ہی وابستہ رہے۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی لکھتے ہیں:

"مولانا کو قرآن کریم کے ذریعے اتنا اچھا وعظ کہتے ہوئے دیکھ کر ان کے استاد مولانا یٰسین صاحب ان کو مدرسہ امینیہ لے آئے تھے۔"[1]

مزید لکھتے ہیں کہ:

"مولانا مرحوم کو قرآن کریم کے ساتھ جس قدر عشق تھا اتنا ہی اس کی تعلیم اور خدمت پر اعتماد تھا۔"[2]

تفسیروں میں تفسیر ابن کثیر نے اس اصول کو اپنایا لیکن مولانا احمد ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ کی چھان بین میں جس طرح آیات پر آیات پیش کرتے تھے وہ بس مولانا احمد ہی کا حصہ تھا، الفاظ اور جملوں کی تحقیق میں اس اصول کو پیش نظر رکھنے کے علاوہ آیت کے مجموعی مفہوم کی تائید اور وضاحت میں بھی مولانا برجستہ بحوالہ سورۃ اور رکوع جس پر اثر انداز کے ساتھ آیت قرآنی کی تلاوت کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو قرآن پر کس قدر عبور حاصل ہے۔

مولانا احمد اقبال کے اس شعر میں پورا اترتے نظر آتے ہیں:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا وہ جدت کردار

فراخ دلی:

مولانا احمد بڑے دل کے مالک تھے۔ اگر کوئی کچھ کہہ بھی جاتا تو اس کے ساتھ عفو و درگزر والا معاملہ فرماتے۔

حاجی انیس دہلوی لکھتے ہیں کہ:

1۔ اخلاق حسین، قاسمی، مولانا احمد سعید مفسر قرآن کی حیثیت سے، مشمول: دارالعلوم، (مدیر: سید محمد ازہر شاہ قیصر)، ہندوستان: دارالعلوم دیوبند، مارچ 1961ء، ص:18
2۔ ایضاً

"ستمبر 1955ء کے دوران جامع مسجد میں ایک جلسہ روس کے مفتی اعظم ضیاء الدین بابا خان کے اعزاز میں مولانا کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جلسہ ختم ہونے پر مولانا اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ پیدل گھر کی طرف گامزن تھے کہ اچانک جواہر ہوٹل کے قریب اسمٰعیل چوہی نامی شخص نے آپ کے کولہوں پر چاقو سے حملہ کر دیا۔ ڈیڑھ انچ گہرا اور تین انچ لمبا زخم آیا۔ لیکن اس کے باوجود مولانا نے اسے کچھ نہیں کہا اور اسے معاف کرتے ہوئے فرمایا: میاں کسی کے کہنے سننے میں آکر اس نے خلاف توقع یہ حملہ کر دیا ہوگا۔"

دیکھا تو کھا کے تیر کمین گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی[1]

قناعت پسندی:

مولانا احمد سعید دہلوی قناعت پسند شخصیت کے مالک تھے۔ مولانا کی بے لوثی، بے غرضی، قناعت اور خودداری کا یہ عالم تھا کہ مشکل حالات میں بھی کبھی لوگوں سے دست سوال نہ کیا۔

ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری لکھتے ہیں کہ:

"1922ء میں مولانا کو ریاست حیدر آباد سے مبلغ تین سو روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا لیکن جب انہوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں حصہ لینا شروع کیا تو انگریز حکومت نے انہیں سیاست میں حصہ نہ لینے کا مشورہ دیا اور اشارتاً یہ بھی کہا کہ بہ صورت دیگر وظیفہ سے محروم ہونا پڑے گا۔ یہ بات مولانا کی حریت پسندی اور جذبہ خودداری کے منافی تھی۔ اس لیے انہوں نے نہ صرف اس مشورے کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا بلکہ وظیفہ کو بھی ٹھکرا دیا۔"

اور اقبال کے اس شعر کی عملی تفسیر بن گئے:

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی[2]

1۔ صلاح الدین، دلی والے، دہلی: اردو اکادمی، 1986ء، ص:58

2۔ ضیاء الدین انصاری، ڈاکٹر، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مشمولہ: معارف، ج:165 (شذرات: ضیاء الدین اصلاحی)، اعظم گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی، مارچ 2000ء، ص:191

اساتذہ کا احترام:

مولانا احمد سعید اپنے اساتذہ کا بہت ادب و احترام کیا کرتے تھے۔ مفتی کفایت اللہ ان کے استاد بھی اور زمانہ طالب علمی میں نگران اور سرپرست بھی رہے تھے۔ مولانا احمد سعید ایک جگہ مناظرے میں شرکت فرماں تھے۔ ساتھ ان کے استاد مفتی کفایت اللہ بھی شامل حال تھے۔ مناظرے کے دوران مولانا احمد کو کسی نکتہ پر دقت محسوس ہوئی تو فوراً اپنے استاد سے رابطہ کیا۔ پنڈت جی بولے:

"ہاں! خوب کھسر پھسر ہو رہی ہے، مولوی جی! بالکل خالی ہو گیا؟ مولوی کفایت اللہ سے پوچھ کر جواب دو گے"

مولانا نے فوراً جواب دیا:

"انھیں کی جوتیوں کا صدقہ ہی تو ہے کہ میں ڈٹ کر تمہارا مقابلہ کر رہا ہوں اور سامنے کھڑا ہو ا بول رہا ہوں۔ ان سے نہیں پوچھوں گا تو اور کس سے پوچھوں گا؟ یہ میرے استاد ہیں استاد سے پوچھنے میں تمہیں شرم آتی ہو گی، میرے لیے تو ان سے پوچھنا باعث فخر ہے۔"

ایک اور مناظرے میں مقابل نے حضرت مفتی صاحب کی رہنمائی پر اعتراض کیا تو مولانا نے فرمایا کہ:

"پنڈت جی! جو کچھ ہے استاد کا فیض ہے میری تقریر میں تو زبان میری ہے دماغ استاد کا ہے"[1]

ادبی ذوق:

مولانا احمد سعید ادبی ذوق رکھنے والی شخصیت کے مالک تھے۔ آپ شاعری بھی کرتے تھے۔ اسیر تخلص تھا، افسوس اب ان کا کلام دستیاب نہیں۔ ذوق سخن بہت اعلیٰ اور پاکیزہ تھا۔[2] آپ نے اسلام کی تبلیغ اور اس کی اشاعت میں اس ذوق کو شامل رکھا۔ اس کی ایک واضح مثال تفسیر کشف الرحمن ہے۔

مولانا کے ادبی ذوق کے حوالے سے ایک نظم جو وہ رمضان المبارک میں شب قدر پر رات کے اخیر حصے میں بڑے جذباتی انداز میں پڑھا کرتے تھے۔

منتظر ہیں آنے کی آنکھیں ہماری دیر سے   آنے والے آ، یہ مجمع طالب دیدار ہے

1۔ دہلوی، حفیظ الرحمن واصف، مفتی اعظم کی یاد، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، 2013ء، ص:352

2۔ شاہجہانپوری، ابو سلمان، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی ایک سیاسی مطالعہ، لاہور: جمعیت پبلیکیشنز، 2007ء، ص:96

جلوہ دکھلا کر تمنا پوری کر دے دید کی　　　اپنی چشم شوق پورے سال سے بیدار ہے

کچھ سنے تو عرض کر دیں درد دل کا مدعا　　　گرچہ قابو میں نہیں دل اور زباں بیکار ہے

سخت طوفاں ہے، ہوائیں ہیں خلاف　　　اس پہ آفت یہ کہ کشتی بر سر منجدھار ہے

تنگ جینے سے ہوئے ہیں جینے والے اے کریم　　　زندگی سے اپنی ہر اک باحیا بیزار ہے

بخشنے سے گر گناہوں کے تجھے کچھ عذر ہے　　　پھر بتا جائیں کہاں وہ کون سی سرکار ہے

پھیر جا، اپنی معافی کا قلم بس پھیر جا

کہنے والا کہہ گیا ہے[1]　　　تو مرا ستار ہے

کسی بھی انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو احاطہ تحریر میں لانا اور تمام خوبیوں کا شمار کرنا بہت مشکل امر ہے۔
لیکن اس کا اختتام غالب کے اس شعر پر کرتی ہوں۔

ورق تمام ہوا　　　اور مدح باقی ہے

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

1۔ صلاح الدین، دلی والے، ص: 54

فصل سوم

مولانا احمد سعید دہلوی کی علمی و دینی خدمات

علم مومن کی گم شدہ میراث ہے جہاں سے ملے اسے لے لو۔ بقول حضرت علی علم ایک ایسی لازوال دولت ہے۔ جو قوموں کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ علم معاشرے کی سیاسی، اخلاقی اور دینی اعتبار سے اصلاح کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسلام کی تبلیغ کے ذریعے دین کے حقائق اور اس کی حقانیت لوگوں کو روشناس کروانا اہل علم کا فرض ہے اللہ تعالیٰ نے اس امت کی نگہبانی اور اس کی علمی میراث کی حفاظت کا کام اہل علم سے لیا۔ اہل علم نے دین کو دیگر لوگوں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہی میں سے ایک نام جنہیں اللہ نے دین کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا مولانا احمد سعید دہلویؒ ہیں۔ جنہوں نے قلم اور زبان کے ذریعے دین کی خدمات کو لوگوں تک پہنچایا۔ آپ خطیب، واعظ اور ادیب بھی تھے۔ آپ کی تقریروں اور تحریروں میں دلی کی روز مرہ زبان شامل تھی محاروں کا استعمال کرتے۔ گفتگو میں ایسا ملکہ حاصل تھا کہ لوگوں کا دل موہ لیتے تھے۔ آپ نے امت کی اصلاح کی اور اپنی ساری زندگی علم کے حصول اور اس کی تقسیم میں صرف کر دی۔ آپ نے کئی کتب اور رسالے تحریر کیے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔ کشف الرحمن فی ترجمۃ القرآن
2۔ خدا کی باتیں
3۔ معجزات رسول
4۔ جنت کی ضمانت
5۔ دوزخ کا کھٹکا
6۔ ماہ رمضان
7۔ ہماری دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتی
8۔ تقاریر سیرت
9۔ رسول کی باتیں
10۔ صلوٰۃ و سلام
11۔ جنت کی کنجی
12۔ موت کا جھٹکا
13۔ پردہ کی باتیں

1) تفسیر کشف الرحمن مع تیسیر القرآن وتسہیل القرآن

تعارف تفسیر

سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ کی یہ تفسیر مکمل قرآن مجید کی تفسیر ہے جس کا شمار اپنے دور کی بہترین تفاسیر میں ہوتا ہے۔ یہ تفسیر دہلی کی خالص ٹکسالی زبان میں ہے۔ جس میں محاوروں کا استعمال، فوائد و لطائف، معاشرے کی اصلاح، لفظوں کی چاشنی اور ترجمہ میں سادگی کا حسن شامل ہے۔ اسی وجہ سے یہ اپنے دور کی دیگر تفاسیر میں ممتاز اور نمایاں مقام رکھتی ہے۔ یہ تفسیر مولانا احمد سعید کی تحریری خدمات میں روشن شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ بین السطور ترجمہ کشف الرحمن، تفسیر تیسیر القرآن اور حواشی تسہیل القرآن علماء کی ایک موثر جماعت کے مشورہ سے مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ کی سرپرستی میں 18 سال کی محنت شاقہ کے بعد مکمل کیا۔ تفسیر کے سرورق پر درج ذیل عبارت درج ہے جس سے اس ترجمہ و تفسیر کی بڑی حد تک وضاحت ہو جاتی ہے۔

> "یہ وہ ترجمہ ہے جس کو سحبان الہند حضرت الحاج الحافظ مولانا احمد سعید صاحب نے علماء کی ایک موقر جماعت کے مشورے سے کیا ہے۔ اس کو مفتی اعظم کفایت اللہ صاحب کی سرپرستی اور نگرانی حاصل رہی ہے۔ قرآن شریف کے ترجمے اور تیسیر القرآن و تسہیل القرآن کی ترتیب و تالیف حضرت سحبان الہند کی اٹھارہ سالہ محنت اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔"

اسی سرورق پر تفسیروں کے نام بھی درج ہیں جن سے مفسر نے استفادہ کیا۔ یہ تفسیریں عربی، اردو اور فارسی پر مشتمل ہیں۔ جن کو دیکھ کر مفسر کی علمی استطاعت کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

> "جلالین، روح البیان، تفسیر کبیر، تفسیر مظہری، مدارک، خازن، ابن کثیر، فتح البیان، بیضاوی، کشاف، تفسیر ابن جریر، بیان القرآن، تفسیر حسینی، اعظم التفاسیر، تفسیر در منثور، جامع التفاسیر"

یہ تفسیر چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ کل صفحات کی تعداد 3159 ہے۔ ہر جلد میں کس حصے کی تفسیر کی گئی ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

جلد اول: سورۃ الفاتحہ تا سورۃ النساء	760
جلد دوم: سورۃ النساء تا سورۃ النحل	1558
جلد سوم: سورۃ بنی اسرائیل تا سورۃ الزمر	2364

ہر تفسیر کی جلد میں فہرست مضامین درج کی گئی ہے۔ کسی جلد کے ابتداء میں اور کسی جلد کے آخر میں اور ساتھ صفحہ نمبر بھی دیا گیا ہے تاکہ قاری کے لیے آسانی ہو۔ پہلی جلد کی تفسیر کے ابتداء میں اظہار تشکر کے عنوان سے حافظ محمد سعید کی تحریر ہے اور اس کے بعد مولانا احمد سعید کی حیات و خدمات کو مختصراً بیان کیا ہے۔ اس ترجمہ و تفسیر پر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ، حافظ سید حمید الدین امام جامع مسجد دہلی، مفتی سید مہدی حسن دیوبند، مولانا عبدالوہاب آرویؒ صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس، مولانا قاری طیبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا فخر الدینؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، و مولانا محمد زکریاؒ، صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور، مولانا محمد سعیدؒ مہتمم مدرسہ جامع اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، مفتی حافظ محمد بن حافظ صالح خطیب سورتی جامع مسجد، خطیب الامت مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا اعزاز علیؒ، شیخ الحدیث والادب دارالعلوم دیوبند، مولانا عبد الصمد رحمانیؒ، نائب امیر شریعت صوبہ بہار نے اردو نثر میں اس تفسیر کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ مولانا قاری محمد ادریسؒ سابق مدرس عربیہ مسجد فتحپوری نے نظم کی صورت میں تفسیر کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ان سب علماء کی مشترک رائے دلی کی ٹکسالی زبان اور آسان فہم ترجمہ ہے۔

پھر تفسیر کا مقدمہ جو "مولانا قاری محمد طیب" مہتمم دارالعلوم دیوبند نے تحریر فرمایا۔ جس میں آپ نے "کلامی معجزہ" کے عنوان سے کلام الہی کی خوبیوں اور اس کے طرز پر اجمالاً روشنی ڈالی ہے اور آخر میں تفسیر کی خوبیوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> "تفسیر زیر نظر کے اپنے رنگ میں اونچا ہونے کے لیے یہ نسبت کافی ہے کہ وہ مولانا احمد سعید دہلوی کی لکھی ہوئی تفسیر ہے۔ اس تفسیر کے تفسیری حقائق و لطائف کو تو علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ ناکارہ تو اتنا سمجھتا ہے کہ کسی اہل حق کو منجانب اللہ قران حکیم کی خدمت پر لگا دیا جانا سو سعادتوں کی ایک سعادت ہے اور صاحب خدمت کی مقبولیت عند اللہ کی کھلی علامت ہے۔"[1]

مقدمہ کے بعد سورۃ الفاتحہ سے تفسیر کا آغاز اور سورۃ النساء کی آیت نمبر 81 پر اختتام ہو جاتا ہے۔ تفسیر کی دوسری جلد کی ابتداء میں فہرست مضامین کے بعد تفسیر کا آغاز سورۃ النساء کی بقیہ آیات سے ہوتا ہے اور سورۃ النحل پر جلد دوم مکمل ہو جاتی ہے۔ تفسیر کی تیسری جلد کے آخر میں فہرست مضامین کا اندراج ہے اور سورۃ بنی اسرائیل تا سورۃ الزمر

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 3 کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2015ء، 1/40

کی آیت نمبر 31 تک تفسیر کی گئی ہے۔ آخری اور چوتھی جلد کے آخر میں فہرست مضامین دی گئی ہے۔ سورۃ الزمر سے لے کر سورۃ الناس تک مکمل تفسیر ہے۔

سورۃ الناس کے آخری صفحے پر مولانا احمد سعید لکھتے ہیں کہ:

"الحمد للہ والمنۃ کی آج سہ شنبہ کے دن 14، شعبان المعظم 1375ھ بمطابق 27 مارچ 1956ء کو بعد نماز ظہر قرآن پاک کی تفسیر ختم ہوئی۔"[1]

اس منزل کی تفسیر پر نظر ثانی کی گئی:

"8 شوال 1375ھ اور 19 مئی 1956ء ہفتہ کے روز فارغ ہوا۔ الحمد للہ علی احسانہ"[2]

اور آخر میں دعائیہ کلمات بطور شکرانہ بھی درج ہے۔ جس کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

"ربنا لک الحمد اکثیراً طیبا مبارکاً فیہ کما تحب وترضی ربنا ولک الحمد۔ یارب لک الحمدکما ینبغی لجلال وجھک والعظیم سلطانک القدیم۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم فانک بالاجابۃ جدیر وانت علی کلی شئی قدیر وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمدن الذی ارسل الی کافۃ للناس ھوبشیر ونذیر"[3]

ابتداء میں اس تفسیر کی اشاعت نہ ہو سکی کیونکہ سرمائے کا فقدان تھا۔ مولانا احمد سعید کی تکمیل تفسیر کے پانچ سال بعد 1382ھ/1962ء میں ان کے خلف رشید حافظ محمد سعید نے اسے کشف الرحمن کے عنوان سے ندوۃ التفسیر دہلی سے شائع کرایا۔ اس ایڈیشن کی کتابت اور طباعت دونوں نہایت شاندار اور دیدہ زیب ہیں۔ اس کی ضخامت کو مناسب حد تک محدود رکھنے کی غرض سے اسے دو جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔[4] دوسری مرتبہ بھی اسی ادارے سے 1967ء میں چھپی۔[5] پاکستان سے بھی یہ تفسیر محرم الحرام 1437ھ بمطابق نومبر 2015ء کو مکتبہ رشیدیہ سے قاری تنویر احمد شریفی کے زیر نگرانی ہوئی۔[6]

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2015ء، 4/3155

2۔ ایضا

3۔ ایضا

4۔ ضیاء الدین انصاری، ڈاکٹر، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مشمولہ معارف، ج:165، (شذرات: ضیاء الدین اصلاحی) اعظم گڑھ: دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، مارچ 2000ء، ص:199

5۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 6

6۔ ایضا

2) رسول کی باتیں:

تعارف کتاب:

کتاب کا نام "رسول اللہ کی باتیں" ہیں۔ اس کے مصنف سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ ہیں۔ اس کتاب کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ایمانیات اور دوسرے حصے میں علم کے فضائل، عبادات و معاملات پر مشتمل ہے۔ آسان اردو نثر میں اس کتاب کو مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۲۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں ۴ عنوان اور دوسرے حصے میں ۸ عنوانات ہیں۔ یہ ایک ہزار تعداد میں مکتبہ رشیدیہ نے اسے شائع کیا۔

کتاب میں نہ کوئی مقدمہ اور نہ ہی اختتام خاتمہ درج ہے۔ صرف ابتداء میں عرض ناشر درج ہے۔

کتاب کا منہج و اسلوب

☆رسول کی باتوں کے پہلے حصہ میں عقائد اور اسلام کے بنیادی اصول و مبادی پیش کیے گئے ہیں۔

☆اس کتاب کے پہلے حصے میں حسن نیت، ایمان و اسلام، محمد کی رسالت پر ایمان، ایمان بالکتاب، کمال ایمان، گناہ کبیرہ، نفاق اور اس کی علامتیں، وسوسہ، تقدیر الٰہی پر ایمان، قیامت پر ایمان، انبیاء اور صحف انبیاء پر ایمان، ملائکہ کتاب و سنت کا اتباع پر بحث کی گئی ہے۔

☆یہ کتاب سادہ اور آسان فہم زبان میں لکھی گئی ہے۔

☆اس کتاب سے کوئی بھی قاری آسانی سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔

☆اس کتاب میں حدیثوں کے حوالے دیئے گئے ہیں لیکن حدیث نمبر اور باب درج نہیں کیا گیا۔

☆حسن نیت کے بارے میں ہے، انسان کے تمام اعمال و افعال کا دارومدار نیت ہی پر ہے جس قسم کی نیت ہوتی ہے اس قسم کا عمل شمار کیا جاتا ہے اور اسی نیت کے فرق سے عمل کے احکام بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے انسان کو سب سے پہلے اپنی نیت پر نظر رکھنی چاہیے اور اسے درست رکھنا چاہیے ورنہ نیت کی کھوٹ اچھے سے اچھے کام کو تباہ کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ دین کا اقرار اور ایمان کا اظہار بھی نیت کے کھوٹ کی وجہ سے نفاق بن جاتا ہے۔[1]

☆نفاق اور اس کی علامتوں کے بارے میں ہے۔ نفاق ظاہر و باطن کے اختلاف کا نام ہے۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں:

۱) ظاہری طور پر ایمان و اسلام کا دعویٰ کرنا اور دل سے کفر پر قائم رہنا جیسا کہ رسول اللہ کے زمانہ میں منافق کرتے تھے، یا آج کسی غیر صحیح اور فاسد غرض کے لئے لوگ بظاہر اسلام قبول کر لیتے ہیں اور دل میں کفر چھپائے رہتے ہیں۔

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، رسول اللہ کی باتیں، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، س۔ن، ص:5

۲) ظاہری طور پر دینداری اور احکام شریعت کی پابندی کا اظہار کرنا اور اندرونی طور پر دین کے کاموں سے بے پرواہ ہونا۔ پہلی قسم کے منافق کو "منافق فی الاسلام" اور "منافق فی الاعتقاد" کہتے ہیں۔ دوسری قسم کے منافق کو "منافق فی العمل" کہتے ہیں۔ [1]

☆ توحید اور رسالت اور قدر پر ایمان لانے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی بھی تصدیق کی جائے۔ مرنے والوں کو خدا دوبارہ زندہ کرے گا اور ان کے اعمال کا محاسبہ کرنے کے بعد انہیں جزا اور سزا دے گا۔

دوسرا حصہ:

☆ دوسرا حصہ عبادات و معاملات پر مشتمل ہے لیکن ابتداء علم کے فضائل سے کی گئی ہے۔ بدیں وجہ کہ علم ہی دراصل ان تمام اعمال و افعال کا سرچشمہ ہے۔ جو انسان کے لئے باعث امتیاز اور اشرف المخلوقات ہونے کا سبب اور رضائے الٰہی کا موجب ہے۔ [2]

☆ اس لئے کہ احکام و عبادات کی بجا آوری اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک ان کے متعلق واقفیت اور علم بہم نہ پہنچ جائے۔ پس علم اس حیثیت سے انسان کا اہم ترین کمال اور حصول کے قابل فضیلت ہے۔

☆ امام مالکؒ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حصول علم میں منہمک اور سرگرم رہنا نوافل میں مشغول رہنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ [3]

☆ اس کتاب کے حصہ دوم میں علم کے فضائل، طہارت، موجبات وضو، قضائے حاجت اور اس کے احکام، غسل کے احکام کے بارے میں تفصیل سے احادیث بیان کی گئی ہیں۔

3) معجزات رسول کا تعارف

مولانا احمد سعید دہلوی نے یہ کتاب 5 جنوری 1959ء میں مکمل کی۔ اس کتاب میں ان تمام معجزات کو یکجا کیا گیا ہے جو کتب احادیث میں موجود ہیں آسان اردو نثر میں اس کتاب کو مرتب کیا گیا ہے۔

مولانا احمد سعید لکھتے ہیں کہ:

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، رسول اللہ کی باتیں، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، س۔ن، ص:106

2۔ ایضاً، ص:106

3۔ ایضاً

"تمام معجزات جو کتب احادیث میں موجود ہیں اردو میں جمع کیے جائیں۔ چنانچہ میں نے اس کی تلاش شروع کی اور مجھے کوئی کتاب دستیاب نہ ہو سکی جو تمام معجزات کی جامع ہو۔ البتہ تلاش سے ایک رسالہ مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کا مل سکا، اس رسالہ کا نام "الکلام مبین فی آیت رحمتہ اللعالمین" ہے۔ مولانا عنایت احمد صاحبؒ نے اس رسالہ کو 1269ھ مین پورا کیا۔ میں نے دیکھا کہ اس رسالہ کی اُردو بھی مرورزبان کی وجہ سے مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔ اس لیے فقیر نے توکلاً علی اللہ اسی رسالہ کو روبرو رکھ کر کام شروع کر دیا اور امام سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کی "خصائص کبریٰ" اور "نسیم الریاض شرح" قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ سے کہیں کہیں اضافہ کیا۔"[1]

کتاب کا منہج واسلوب

نبی کریم کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ قرآن شریف ہے جس کا جواب چودہ سو برس میں آج تک کسی سے نہیں ہو سکا اور "فاتوا بسورة من مثلہ"

کی تحدی اب تک قائم ہے اور تمام اہل عرب ہی اس کے جواب اور اس کی مثل لانے سے آج تک عاجز اور قاصر ہیں۔[2]

1۔ باب اول رسول اللہ کے معجزات کے بارے میں ہے۔

☆ پہلی فصل، ان پیشگوئیوں کے میدان میں جن کا تعلق خلفائے اور بعد سے ہے۔

☆ دوسری فصل، اُن پیشین گوئیوں کے بیان میں جن کا تعلق خلافت اور فتوحات سے ہے۔

☆ تیسری فصل، ان خبروں کے بیان میں جن کا تعلق اہل بیت سے ہے۔

☆ چوتھی فصل، ان خبروں کے بیان میں جن کا تعلق رسول اللہ کے بعض غزوات سے ہے۔

☆ پانچویں فصل، اُن خبروں کے بیان میں جن کا تعلق آئمہ مجتہدین سے ہے۔

☆ چھٹی فصل، اُن خبروں کے بیان میں جن کا تعلق بدعی مذاہب سے ہے۔

☆ ساتویں فصل، ان خبروں کے بیان میں جن کا تعلق مختلف واقعات سے ہیں۔

☆ آٹھویں فصل، اُن واقعات کے بیان میں جو حضور کے زمانے میں ہوئے اور بغیر دیکھے آپ نے ان کی خبر دی۔

2۔ باب دوم، اُن معجزات کے بیان میں جن کا تعلق فرشتوں سے ہے۔

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، رسول اللہ کی باتیں، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، س۔ن، ص:6

2۔ ایضاً، ص:9

3۔ باب سوم، اُن معجزات کے بیان میں جن کا تعلق انسانوں سے ہے۔

☆ پہلی فصل، اُن معجزات کے بیان میں جن کا تعلق برکتوں اور ہدایتوں سے ہے۔

☆ دوسری فصل، اُن معجزات کے بیان میں جن کا تعلق بیماروں کی شفایابی اور آفت رسیدوں کا آفت سے نجات پانے کے بارے میں ہے۔

☆ تیسری فصل، اُن معجزات کے بیان میں جن کا تعلق مُردوں کو زندہ کرنے سے ہے۔

☆ چوتھی فصل، اُن معجزات کے بیان میں جن کا تعلق گستاخوں کے سزا پانے اور آپ کا دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے سے ہے۔

4۔ باب چہارم، اُن معجزات کے بیان میں جن کا تعلق جنات سے ہے۔

5۔ باب پنجم، اُن معجزات کے بیان میں جن کا تعلق آسمان اور ستاروں سے ہے۔

6۔ باب ششم، اُن معجزات کے بیان میں جن کا تعلق آگ، ہوا، مٹی، پانی سے ہے۔

7۔ باب ہفتم، اُن معجزات کے بیان میں جن کا تعلق جمادات سے ہے۔

8۔ باب ہشتم، اُن معجزات کے بیان میں جن کا تعلق نباتات سے ہے۔

9۔ باب نہم، اُن معجزات کے بیان میں جن کا تعلق حیوانات سے ہے۔

اس کتاب میں تین سو کے قریب معجزات آگئے ہیں۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک معجزہ کی حدیث میں دو یا تین معجزے مذکور ہوئے ہیں۔[1]

یہ جاننا ضروری ہے کہ نبوت ملنے سے پہلے جو خلاف عادت عجیب و نادر چیزیں ظاہر ہوئی ہیں ان کو متکلمین کی اصطلاح میں "ارہاصات" کہا جاتا ہے۔ (ارہاصات کہتے ہیں پتھر اور مٹی سے بنیاد مضبوط کرنا، تو گویا نبوت سے پہلے کے نوادر نبوت کی عمارت کو مستحکم کرنے والے پتھر ہیں) اور جو نادر چیز نبوت ملنے کے بعد ظاہر ہو، اس کو "معجزہ" کہتے ہیں۔ لیکن اس کتاب میں اس فرق کو ختم کر دیا گیا ہے اور ہر خارق عادت کو چاہے وہ نبوت سے پہلے کے ہو یا بعد کی معجزہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کی سچائی کے لیے یہ دونوں ہی یکساں دلیل بنتی ہیں۔[2]

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، معجزات رسول، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، س۔ن، ص:197

2۔ ایضاً، ص:198

4) جنت کی کنجی

تعارف کتاب

مولانا احمد سعید دہلوی کی کتاب "جنت کی کنجی" ہے جس میں مولانا نے اہل جنت کو جنت کی بشارت اور اعمال حسنہ کی ترغیب میں احادیث کو یکجا کیا ہے۔ آسان اردو نثر میں اس کتاب کو مرتب کیا تاکہ ہر قاری بآسانی اس کتاب سے مستفید ہو سکے۔ اس کتاب کے مقدمے میں مولانا احمد سعید نے ایک حدیث جس نے کلمہ توحید کا دل سے اقرار کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا اس کی وضاحت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> "بعض روایتوں میں اس قسم کے الفاظ مذکور ہیں من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ عوام اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جنت میں جانے کے لیے فقط لا الہ الا اللہ کافی ہے اور دوسرے اعمال کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ یہ خیال غلط ہے اور حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں۔ اس حدیث کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ کلمہ توحید کا قائل جنت میں ضرور جائے گا۔ لیکن کب جائے گا اس کا کوئی ذکر حدیث میں نہیں ہے۔"[1]

یہ کتاب 396 صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتداء میں فہرست مضامین کے ساتھ مقدمہ بھی درج ہے اور یہ کتاب ایک ہزار کی تعداد میں مکتبہ رشیدیہ سے شائع ہوئی۔ کتاب کے آخر میں سحبان الہند مولانا احمد سعید کا ایک رسالہ جس کا عنوان "عرش الٰہی کا سایہ" درج ہے۔ جس میں قیامت کے ہولناک دن خدا کے مطیع و فرمانبردار مخصوص بندوں کا عرش الٰہی کے سایہ میں بیٹھنے والوں کا تفصیل سے بیان ہے۔

کتاب کا منہج و اسلوب

☆"جنت کی کنجی" سادہ اور آسان فہم انداز میں لکھی گئی ہے جس سے قاری آسانی سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔

☆اس کتاب میں احادیث کو یکجا کیا گیا ہے۔

☆اس کتاب میں صحاح ستہ، بزار، بیہقی، ابن حبان، طبرانی کو ماٰخذ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

☆اس کتاب میں ایمان، اخلاص اور نیت صالحہ، حسن الظن باللہ، اتباع سنت، تعلیم و تعلم، وضو اور اس کے متعلقات، اذان و اقامت، مساجد اور ان کے متعلقات، نماز، رکوع، سجود، اور جماعت وغیرہ کی پابندی، جماعت کی صفوف، سنن و نوافل وغیرہ کی بحثیں موجود ہیں۔

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، دہلوی، جنت کی کنجی، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، ص: 6-7

☆سوال سے اجتناب، قرض اور مقروض پر آسانی، روزہ، سحری، نفلی روزے، اعتکاف، عید، قربانی، ذی الحجہ کے دس دن حج اور عمرہ پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

☆اس کے بعد جہاد، کسب حلال، آنکھ کی حفاظت، میاں بیوی کے تعلقات، اہل و عیال کا نان و نفقہ، قرآن شریف کا پڑھنا، عدل و انصاف، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، موت کو یاد کرنا، وغیرہ پر مفصلاً بحث کی گئی ہے۔

5) عرشِ الٰہی کا سایہ:

تعارفِ کتاب

"جنت کی کنجی" میں مولانا کا ایک رسالہ عرش الٰہی کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جس میں مولانا نے ایسے اعمال کا تذکرہ کیا ہے جن کو دنیاوی زندگی میں انجام دینے کے بعد اخروی زندگی میں قیامت کے ہولناک دن میں عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا۔ اس رسالے میں اس مقدس گروہ کی تعداد 73 تک مذکور ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے 82 تک بھی ذکر کی ہیں۔[1]

6) موت کا جھٹکا

تعارف کتاب:

کتاب کا نام "موت کا جھٹکا" ہے۔ اس کے مصنف مولانا احمد سعید دہلوی اور ان کے بیٹے محمد سعید دہلوی کی کاوش ہے۔ مولانا احمد سعید دہلوی تفسیر کشف الرحمن کی مصروفیت کے باعث اس کتاب کو پایہ تکمیل نہ پہنچا سکے۔ لیکن مولانا نے مقدمہ اور کتاب کے چند ورق تحریر فرمائے تھے کہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ مولانا کے بیٹے محمد سعید کے اندر باپ کی اس تڑپ کو پورا کرنے کا جذبہ پیدا ہوا تو انہوں نے اسلاف کی کتابوں کا ماخذ بنا کر کام کا آغاز کیا اور آپ کے والد بھی حوالوں کی نشاندہی فرما گئے تھے۔[2]

مولانا احمد سعید اس کتاب کو لکھنے کا مقصد بیان کرتے ہیں کہ:

> "1947ء کے انقلاب نے دل اور دماغ پر بہت برا اثر کیا، مذہب سے بے پرواہی تو انگریزی حکومت کے دور ہی میں شروع ہو چکی تھی، اب اس میں اور زیادتی ہوگئی۔ پہلے دین کی باتیں سن کر اثر لیا کرتے تھے اب کھلم کھلا مخالفت کرتے ہیں۔

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، دہلوی، عرش الٰہی کا سایہ، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، ص: 385

2۔ سحبان الہند، احمد سعید، دہلوی، موت کا جھٹکا، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، ص: 9

بالخصوص عالم برزخ اور عالم معاد سے بالکل بے اعتنائی برتتے ہیں۔ ان حالات کو دیکھ کر خیال ہوا کہ عالم برزخ پر ایک مفصل کتاب لکھی جائے تاکہ اس کے پڑھنے سے لوگوں کی اصلاح کرسکیں اور اس نازک دور میں عوام کو پیدا شعور پیدا ہو۔"[1]

اس کتاب کے کل صفحات 376 ہیں اور ایک ہزار تعداد مکتبہ رشیدیہ سے شائع ہوئی۔

کتاب کا منہج واسلوب

☆ یہ کتاب پڑھنے کے بعد موت کا منظر نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔

☆ اس کتاب میں موت کے بارے میں مفصل بیان کیا گیا ہے۔

☆ اس کتاب کا آغاز "برزخ کا بیان" سے ہوتا ہے۔

☆ برزخ دو چیزوں کے درمیان روک کو کہتے ہیں۔ اور شرعی اصطلاح میں " ومن ورائهم برزخ الى يوم يبعثون" دنیا اور آخرت میں وہ عالم برزخ کہلاتا ہے۔ جس میں مرنے کے بعد سے قیامت تک آدمی رہتا ہے۔[2]

☆ اس موضوع پر اسلاف کی مختلف کتابیں موجود ہیں لیکن زبان وبیان کی دشواری اور مواد کا منتشر ہونا عوام کے استفادہ کی راہ میں حائل ہے۔ ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کتاب آسان اردو زبان میں تحریر کی ہے۔

☆ اس کتاب میں دلائل کی طوالت سے احتراز کیا گیا ہے۔

☆ عوام کی آسانی کے لئے اس کتاب کا نام "موت کا جھٹکا" رکھا گیا ہے۔ اور مضامین کی جامعیت کے لحاظ سے دوسرا نام "کشف حال الموتی والقبور" رکھا گیا۔

☆ یہ کتاب سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی صاحب نے شروع کی لیکن ان کا انتقال ہوگیا۔

☆ اس کتاب کو لکھنے کے لئے جن مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی کی "شرح الصدور بشرح حال الموت والقبور" اور حافظ ابن قیم کی "کتاب الروح" اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی "تذکرۃ الموتی والقبور" قابل ذکر ہیں۔

☆ اس کتاب میں احادیث کی کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن باب اور احادیث نمبر درج نہیں کیا گیا۔

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، دہلوی، موت کا جھٹکا، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، ص: 11

2۔ ایضاً، ص: 14

☆اس کتاب کے چند مباحث یہ ہیں۔ برزخ کا بیان، موت کا آغاز، موت کی تمنا کی ممانعت، درازی عمر کی فضیلت، موت سے اعمال کا منقطع ہو جانا، انبیاء کی روح قبض کرنے کا بیان، نزع کا عالم، شرابی اور کافر کی عبرتناک موت، موت کے بعد مردوں نے کلام کیا، قیامت کے دن چار اشخاص کی حجت، موت سے پہلے صدقہ، رحمت خداوندی کی وسعت وغیرہ کیا گیا ہے۔

7) تقریر سیرت کامل

تعارف کتاب

کتاب کا نام "تقریر سیرت" ہیں۔ اس کے مصنف سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی ہیں۔ یہ کتاب ۱۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ یہ کتاب "ادارہ بیان القرآن" سے شائع ہوئی ہے۔
ابتدا میں فہرست مضامین کے ساتھ صفحہ نمبر بھی درج ہے جو قاری کے لیے آسانی کا باعث ہے۔ مولانا کی زبان مہارت کے بارے میں مولانا منظور نعمانی مدظلہ العالی لکھتے ہیں کہ:

"اللہ تعالی نے مولانا کو تقریر و بیان کا بڑا کمال عطا فرمایا تھا۔ دلی کی ٹکسالی زبان بولتے تھے تقریر میں دریا کی سی روانی ہوتی تھی"[1]

کتاب کا منہج و اسلوب:

☆رسول کائنات فخر موجودات محمد عربی کو خالق ارض و سما رب العلیٰ نے نسل انسانی کے لئے نمونہ کاملہ اور اسوہ حسنہ بنایا ہے اور آپ کے طریقے کو فطری طریقہ قرار دیا ہے۔ محسن انسانیت کے معمولات زندگی میں ہی نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے شعار و معیار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت النبی کا ہر گوشہ تابناک اور ہر پہلو روشن ہے۔
☆زیر نظر کتاب میں سیرت النبی کے چند خاص گوشوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔
☆عام گفتگو میں مولانا کا انداز بیان نہایت ہی دلکش معصومانہ اور خندہ آور تھا۔ ان کے پاس بیٹھنے والے گھنٹوں ان کی باتیں سنتے اور اکتاہٹ کی بجائے دم بدم دلچسپی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا۔ یہی حالت خطابت و تقریر کی تھی۔
☆مولانا نہایت ٹھیٹھ دہلوی روزمرے میں جس میں کرخنداروں کے مخصوص محاورات کی چاشنی بھی ہوتی تھی۔
گھنٹوں تقریر فرماتے اور ہزارہا کا مجمع نقش بہ دیوار ہو کر ان کے ارشادات سنتا رہتا۔
☆زیر نظر کتاب "تقریر سیرت کامل" مولانا موصوف کی نبی کریم کی سیرت مبارکہ کے موضوع پر کی ہوئی دو تقریروں کا مجموعہ ہے۔

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، دہلوی، مقدمہ: تقریر سیرت کامل، لاہور: ادارہ بیان القرآن، 1992ء

☆یہ ایک ایسی عظیم کتاب ہے جس میں حضرت محمد کی حیات مبارکہ کے مختلف گوشوں پر انتہائی دل نشین انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆اس میں آیات کریمہ، احادیث مبارکہ، صحابہ کرام وبزرگان دین کے واقعات، نامور شعراء کے کلام اور ادباء کی تمثیلات سے بھرپور استدلال کیا گیا ہے۔

☆اس میں ملک وملت کے افراد کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ وہ نبی کریم کی سیرت مبارکہ کو اپنائیں اور غیر اقوام کے طرز عمل اور ان کے بودوباش سے مرعوب نہ ہوں۔

☆یہ کتاب نہایت سادہ اور آسان فہم انداز میں لکھی گئی ہے۔

"تقریر سیرت" کے حصہ اول کے چند مباحث یہ ہیں:

☆روحانی اور جسمانی تربیت، مسلمانوں کے تہوار، عالم سفلی کے مسخرات، ہجرت کا ایک واقعہ، مولانا حالی کا ایک شعر، نادر شاہ کا قتل عام، انبیاء اور حکماء کا فرق، حضرت یوسف کا جیل، ہندوستان کی حالت، قبروں سے اٹھنا، برتھ کنٹرول، اسلامی قانون، جادو اور معجزہ کا فرق، حضرت لوطؑ اور حضرت ابراہیمؑ، مومن اور منافق کی مثال وغیرہ۔

"تقریر سیرت" کے حصہ دوم کے چند مباحث یہ ہیں:

☆ہندوؤں کی شرکت، رسول کسے کہتے ہیں۔ حضرت حمزہ کا واقعہ، پردے کے احکامات، لعان کا قانون، زنا کا قانون، سوسائٹی کا قانون، حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ، عمار بن یاسر کی تقریر، مجنون کا ایک واقعہ، اصحاب کہف کا واقعہ، امام ابو حنیفہ کا تفقہ، ایک جاہل پیر کا واقعہ، کل نفس ذائقۃ الموت، عبادات اور معاملات، نبی کے آخری کلمات، نوجوانوں سے خطاب، ہندوؤں سے خطاب وغیرہ۔

☆اس کتاب میں جہاں جہاں قرآنی آیات آتی ہیں وہاں حاشیے میں آیت کا ترجمہ لکھ دیا گیا ہے۔

8۔ دوزخ کا کھٹکا

تعارف کتاب:

کتاب کا نام "دوزخ کا کھٹکا" ہے۔ اس کے مصنف سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی ہیں۔ یہ کتاب ایک ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی۔ مکتبہ رشیدیہ سے یہ شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مولانا نے ان احادیث کو جمع کر دیا ہے جن کو پڑھ کر انسان کے دل میں خوف خدا پیدا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو عذاب دوزخ سے بچانے کا راستہ معلوم کر سکتا ہے۔

اس کتاب کے ابتداء میں مولانا منظور حسن صاحب لکھتے ہیں کہ:

رہی "جنت کی کنجی" پاس اور "دوزخ کا ہو کھٹکا"

تو پھر دشوار کیا ہے جھیل لینا "موت کا جھٹکا"

مریض معصیت کے واسطے لکھے ہیں دو نسخے

مصنف کو نجات اخروی کا یاد ہے ٹکا

ہوئی جب فکر سال طبع ہاتف نے احسن

در جنت کی ہی کنجی لگا دوزخ کا جو کھٹکا

1

کتاب کا منہج واسلوب:

☆اس کتاب میں احادیث کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

☆پڑھنے والوں کے لئے آسانی اور سہولت پیدا کی گئی ہے۔

☆عنوان بھی قائم کر دیے گئے ہیں۔

☆اس کتاب میں ۱۹۰۰ احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔

☆اس کتاب میں ان احادیث کو جمع کیا گیا ہے جن میں رسول نے اپنی امت کو اعمال سیہ سے بچانے اور محفوظ کرنے کی غرض سے دوزخ کا ذکر کیا ہے۔

☆ان اعمال سے منع فرمایا ہے جن کا ارتکاب عذاب نار کا موجب ہے۔

☆اس کتاب میں ان احادیث کو بھی شامل کر لیا ہے جن میں جہنم اور عذاب نار کا تو ذکر نہیں ہے لیکن اور کسی قسم کی وعید فرمائی ہے۔ مثلاً کسی فعل کے متعلق فسق یا کفر کے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں یا بدترین امت یا لعنت فرمائی ہو۔ یا یوں فرمایا ہو کہ فلاں فعل شیطان کا فعل ہے۔ یا اس فعل سے اللہ کا ذمہ بری ہو گیا یا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یا فلاں فعل کا مرتکب مسلمان میں سے نہیں ہے یا کسی اور قسم کے ایسے الفاظ فرمائے ہیں جن سے اس فعل کی مذمت اور برائی ظاہر ہوتی ہو۔

☆اس کتاب کو سادہ اور آسان فہم زبان میں لکھا گیا ہے۔

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، دہلوی، مقدمہ: دوزخ کا کھٹکا، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، س۔ن، ص:3

☆اس کتاب میں ان تمام افعال سیہ کا احصاء کیا گیا ہے جن سے متعلق رسول اللہ نے ایسے الفاظ استعمال کئے جن سے ان افعال کی مذمت اور برائی ظاہر ہوتی ہے اور ان افعال کا مرتکب شرعی حیثیت سے مجرم اور گناہگار ہوتا ہے۔

☆اس کتاب کے آخری حصے میں توبہ کے چند فضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے چند مباحث یہ ہیں:

☆شرک، کینہ، حسد، بدعت، فحش اور لغو کلام کی کثرت، وضو غسل اور حیض، زکوۃ، صدقہ، نفقہ، سوال اور بخل وغیرہ، حج اور اس کے متعلقات، حقوق ہمسایہ، قطع رحمی، ماں باپ کی نافرمانی، شراب، فاسق اور فاجر کی تعریف، توبہ اور اس کے فضائل وغیرہ کا ذکر شامل ہے

9۔ خدا کی باتیں

کتاب کا نام "خدا کی باتیں" ہے۔ اس کے مصنف سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ ہیں۔ یہ کتاب ۱۰۰۰ تعداد میں شائع ہوئی۔ اس کے کل ۲۰۴ صفحات ہیں۔ مکتبہ رشیدیہ سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں احادیث قدسیہ کا اردو زبان میں معتبر ترجمہ لکھا گیا ہے۔

کتاب کا منہج واسلوب

☆اس کتاب میں احادیث قدسیہ کا ترجمہ آسان زبان میں کیا گیا ہے۔ جسے ہر قاری آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکتا ہے۔

☆اس کتاب کو لکھنے کے لئے مولانا صاحب نے جن جن کتابوں سے استفادہ حاصل کیا ہے ان میں نواب میر حسن علی خان صاحب کی "خطیرہ والتقدیس وذخیرۃ الانفیس"، علامہ محمد مدنی کی "احادیث قدسیہ"، الشیخ عبد الرؤف مناوی کی "الاتحاف السنیہ بالاحادیث القدسیہ" شامل ہیں۔[1]

☆حدیث قدسی اور قرآن میں کیا فرق ہے۔ حدیث قدسی کبھی خواب میں کبھی الہام کے ذریعے کبھی کسی فرشتے کے واسطے سے اور کبھی براہ راست نبی کریم کے قلب میں القاء کی جاتی تھی جبکہ قرآن کریم حضرت جبرائیلؑ کے واسطے سے نازل ہوا ہے۔

☆قرآن شریف کے الفاظ بھی منزل من اللہ ہیں اور حدیث قدسی کے الفاظ منزل من اللہ نہیں ہیں۔

☆قرآن مجید معجزہ ہے اور حدیث قدسی معجزہ نہیں ہے۔

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، دہلوی، خدا کی باتیں، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، ص: 5

☆ قرآن شریف کی نقل متواتر ہے اور احادیث قدسی کی نقل کو تواتر میسر نہیں ہے۔

☆ ایک بات یہ بھی ہے جس طرح حدیث قدسی اور قرآن میں فرق ہے اس طرح حدیث قدسی اور دوسری احادیث میں بھی فرق ہے۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ احدیث قدسیہ وہ ہیں جو حضرت حق جل مجدہ کی جانب منسوب کی جائیں۔ باقی تمام احادیث کو نہ اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ سے ان کو روایت کیا جاتا ہے۔

اس کتاب کے چند مباحث یہ ہیں:

☆ توحید، شرک، تقدیر اور اس کے متعلقات، ذکر الٰہی، زکوٰۃ و صدقات کے فضائل، معاملات اور اس کے متعلقات رسول اللہ کے اصحاب کی فضیلت، علامات قیامت، موت قبر اور اس کے متعلقات، عبرت و موعظت وغیرہ۔

باب دوم

کشف الرحمن کا تعارف و جائزہ

فصل اول

برصغیر میں قرآن فہمی کے رجحانات اور کشف الرحمن

قرآن مجید اللہ کی مقدس کتاب ہے جس میں لاریب فیہ کی گنجائش نہیں جو انسان کی ہدایت اور اُخروی نجات کا ذریعہ ہے۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ قرآن مجید سے وابستگی اور اطاعت شعاری نے مسلمانوں کے اذہان کو وسعت کے ساتھ ہمیشہ روشن رکھا۔ نزول قرآن کی ابتداء ہی سے حضور کے زیر سایہ اس کی وسعتوں کی تلاش جاری ہوئی۔ جہاں کہیں ناطق قرآن کو مشکل پیش آتی اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اس کی وضاحت فرما دیتے اور اگر کبھی شک اور بے یقینی سی کیفیت محسوس ہوئی تو حضور سے یقین کی دولت نصیب ہو جاتی اور لفظاً و معنیً کا رشتہ مضبوط و مستحکم ہوتا رہا۔

اس دور میں مسلمانوں کو جو بھی مشکلات پیش آئیں تو حضور کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس لئے ارشاد خداوندی ہے۔

"وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ"[1]

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا۔ ایسی زبان جو فصیح و بلیغ ہے۔ اس دور کے پیش آمدہ مسائل سے صرف حضور آگاہی فراہم کرسکتے تھے کیونکہ آپ افصح اللسان تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی "الاتقان" میں لکھتے ہیں:

> "قرآن کریم افصح العرب حضرت محمد پر عربی زبان میں نازل ہوا۔ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس میں بیان کردہ مسائل و احکام سے آگاہ تھے۔ البتہ اس کے باطنی دقائق و حقائق بحث و نظر حضور سے دریافت کرنے پر ہی معلوم ہو سکتے تھے۔"[2]

نبی کریم کی خوبیوں میں سے ایک خوبی آپ کو پوری انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ اس لیے قرآن فہمی اسی دور سے شروع ہوا تھا۔ جب دوسرے ملکوں میں تبلیغ کے لیے جو وفود بھیجے جاتے تھے۔ وہ اسی زبان میں ان سے گفتگو کرتے جس زبان کو وہ سمجھنے والے ہوتے تھے۔ اس لیے عربی نہ جاننے والوں تک قرآن مجید کا پیغام قرآن کے ترجموں کے ذریعے پہنچے گا۔ جس کا آغاز عہد صحابہ سے ہو گیا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کا مفاہیم کو سمجھنا اور ان کا فرق مفسرین کے پیش نظر رہا۔ علامہ سرخسی حنفیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت سلمان فارسی

1۔ النحل: 44

2۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، لاہور: مکتبہ العلم، 1/22

نے قرآن مجید یا اس کے بعض اجزء کا ترجمہ فارسی میں فرمایا۔ [1] المبسوط۔ کتاب الصلوۃ، باب کیفیۃ الدخول فی الصلوۃ:
(35/1

خلفائے راشدین کا اثر تابعین اور تبع و تابعین پر بھی پڑا۔ تابعین نے ان نسخوں کو کتابی شکل میں مدون کیا اور انہی کی بنیاد پر آگے چل کر بڑی بڑی تفاسیر مرتب ہوئیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں خطہ عرب قرآن مجید کی تعلیمات سے روشن ہوگیا۔ یہ روشنی جب عرب کے دیگر ممالک اور اقوام تک پہنچی تو وہاں کے لوگ عربی زبان سے ناواقف تھے۔ قرآن کی تلاوت تو ہوتی تھی لیکن اس کے مفاہیم کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ کیونکہ قرآن کا مقصد محض تلاوت ہی نہیں بلکہ اس کے احکام پر عمل آوری ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

"كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ" [2]

اس آیت کی روشنی میں صرف عرب کی قوم ہی نہیں بلکہ تمام عالم کے انسان اس حکم میں داخل ہیں کیونکہ ہر شخص عربی زبان کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔

جمیل نقوی اپنی کتاب "قرآن مجید کے اردو تراجم" میں اولین تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"عبد الملک بن مروان نے سعید بن جبیر (وفات 95ھ) کو قرآن ہو کی تفسیر لکھنے پر مامور کیا تھا۔" [3]

علماء کا بیان ہے کہ ابن الانباری کو 120 کتب تفاسیر کے نام یاد تھے۔ [4]

ہندوستان اور پاکستان میں تفسیر کا آغاز وارتقاء کب ہوا؟ اور سب سے پہلے کس نے تفسیر لکھی؟ اس کا تعین کرنا دقیق کام ہے۔ کیونکہ اب تک کوئی ایسی مستند تصنیف موجود نہیں جو اس سوال کا جواب متعین کر سکے۔ لیکن اس فن کا آغاز عربی تفاسیر سے ہوا۔ عربی میں سب سے پہلے کس نے تفسیر لکھی۔ کوئی پختہ رائے موجود نہیں۔ جمیل نقوی لکھتے ہیں کہ پاک وہند میں سب سے پہلے عربی تفسیر ابو بکر اسحاق بن تاج الدین ابو الحسن (متوفی 736ھ) نے لکھی۔ دوسری تفسیر

1۔ رحمانی، خالد سیف اللہ، آسان تفسیر، کراچی: زم زم پبلشرز، 2016ء، 148/2

2۔ ابراہیم: 2

3۔ جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ص: 13

4۔ ایضاً: 14

مولانا نظام الدین الحسن بن الحسین نے لکھی۔ اس طرح عربی تفاسیر لکھنے کا آغاز ہوا۔[1] برصغیر پاک و ہند کی عربی تفاسیر مکمل اور نامکمل کی فہرست ڈاکٹر سالم قدوائی "ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفاسیر" میں موجود ہے۔[2]

جیسے جیسے اسلام پروان چڑھتا گیا قرآن مجید کی تفاسیر دوسری زبانوں میں لکھی جانے لگی۔ کیونکہ یہ ہر زمانے کی ضرورت اور وقت کا تقاضا ہوتا ہے تاکہ اس دور کے لوگوں کو پیغام الٰہی سمجھنے میں دقت محسوس نہ ہو۔ برصغیر کے سیاسی حالات کی وجہ سے اس خطے پر فارسی زبان کا اثر و نفوذ طویل عرصے تک رہا۔ برصغیر کے فارسی تراجم و تفاسیر قرآن کی تعداد دو سو پچاس سے زائد ہے۔ 730ھ میں حسن بن علقمی المعروف بہ نظام نیشاپوری دولت آبادی کا عربی تفسیر "غرایب القرآن" کے ساتھ کیا ہوا ترجمہ برصغیر میں پہلا فارسی ترجمہ کہلاتا ہے۔[3] جبکہ جمیل نقوی اپنی کتاب "قرآن مجید کے اردو تراجم" میں فارسی کی مشہور تفسیر فتح اللہ شیرازی نے "منہج الصادقین" کے نام سے لکھی۔ جو شیعہ مسلک کے پیروکار تھے۔ اس کے علاوہ فخر الدین رازی متوفی 606ھ کی تفسیر "مفاتیح الغیب" المعروف تفسیر کبیر کا فارسی میں ترجمہ ہوا۔[4] لیکن مولوی عبد الحق "قدیم اردو" میں شاہ ولی اللہ (1150ھ) کے ترجمے کو فارسی کا پہلا ترجمہ قرار دیا۔[5] شاہ ولی اللہ نے قرآن مجید کے ترجمے کے ساتھ ساتھ مترجمین کی رہنمائی کے لیے "مقدمہ در قوانین ترجمہ" بھی فارسی زبان میں لکھا۔[6]

شاہ صاحب کا مقدمہ بہت اہم ہے۔ اس میں آیات کی ضروری تشریح اور مشکل مقامات کی وضاحت کے ساتھ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ پھر بھی شان نزول، ربط آیات، ناسخ و منسوخ، فقہی احکام اور تمثیلات کے اہم نکات پر گفتگو ہے۔[7] ایک اور تصنیف "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" بھی فارسی زبان میں مرتب کی۔ اس کتاب میں تفسیر کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ ان اصولوں کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ علوم پنجگانہ، نظم قرآن، لطائف نظم قرآن، فنون تفسیر

1۔ ایضاً: 16

2۔ ڈاکٹر، سالم قدوائی، ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، لاہور: ادارہ معارف اسلامی، 1993ء، ص: 391

3۔ اعجاز فاروق اکرم، ڈاکٹر، برصغیر میں مطالعہ قرآن تراجم و تفاسیر، مشمولہ: فکر و نظر، (مدیر: ڈاکٹر ضیاء الحق)، شمارہ 4،3: ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی، 1999ء، ص: 80

4۔ جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ص: 18

5۔ ڈاکٹر، عبد الحق، قدیم اردو، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، 1961ء، ص: 120

6۔ قاسمی، مفتی عطاء الرحمن، مجموعہ رسائل شاہ ولی اللہ، دہلی: شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، 2014ء، ص: 487

7۔ مظہر صدیقی، محمد یٰسین، شاہ ولی اللہ کی قرآنی خدمات، لاہور: مکتبہ قاسم العلوم، 2015ء، ص: 230

کی تشریح اور غرائب القرآن وغیرہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ [1]شاہ ولی اللہ کے بڑے بیٹے شاہ عبد العزیز دہلوی نے "فتح العزیز" کے نام سے تفسیر لکھی جو تفسیر عزیزی کے نام سے مشہور ہے۔[2]

عربی زبان میں نازل کیے گئے قرآن کے مخاطب تمام بنی نوع انسان ہیں اس کا پیغام آفاقی اور اس کی ہدایت بے مثل ہے۔ قرآن کی اسی خصوصیات کی بنا پر اس کے مقامی زبانوں میں تراجم کیے گئے۔ کیونکہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد مختلف خطوں میں آباد تھی۔ ان کی تاریخ، تہذیب اور زبان مختلف تھی۔ علمائے وقت نے اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے قرآن مجید کو مختلف زبانوں میں منتقل کیا تاکہ اس دور کے مکین اس ابدی نور سے مستفید ہوں۔

برصغیر میں اسلام جن راستوں سے ہوتا ہوا داخل ہوا ان میں سرزمین سندھ جو کہ باب الاسلام کے نام سے مشہور ہے نہایت اہم ہے۔ سندھ میں قرآنی خدمت کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔

جہاں تک قرآن مجید کی روایت کا تعلق ہے تو اس کی ابتداء سب سے پہلے سندھی زبان میں ہوئی اور یہ ترجمہ تیسری صدی ہجری میں ہوا جو کہ ایک عراقی عالم نے کیا تھا [3]ہندی زبان میں پہلا ترجمہ بزرگ بن شہریار کی روایت کے مطابق (270ھ) میں الور (روڑ) کے ہندو راجہ مہروک بن رائک نے منصورہ (سندھ) کے حکمران عبد اللہ عمر الہاہری کو لکھا کہ:

ان یفسر لہ شریعۃ الاسلام بالھندیہ

شریعت اسلام کا ہندی میں حال لکھیے

ان یفسر لہ القرآن لھند

قرآن کا ہندی میں مطلب بیان کرے [4]

برصغیر کو یہ شرف حاصل ہے کہ قرآن مجید اور اسلامی تعلیمات وعقائد کو سب سے پہلے عربی سے اس خطہ ارض کی ایک زبان میں منتقل کیا گیا۔[5]

برصغیر کی مقامی زبان سرائیکی میں قدیم ترین ترجمہ مولوی احمد بخش کا ہے جو عیسوی سن کے اعتبار سے 1890ء اور ہجری تاریخ کے مطابق 1313ھ میں شائع ہوا۔ [6]دکن میں فاتحوں کے لشکروں کے ساتھ عوامی زبان بھی داخل ہوئی ہوئی جو دلی میں مختلف زبانوں کے امتزاج سے پروان چڑھ رہی تھی۔

1۔ ایضاً: 231

2۔ علامہ، عبد الحیی، نزھۃ الخواطر، الھند: دائرۃ المعارف، 7/ 273

3۔ محمد خان محمد السندی، قرآن پاک کے سندھی تراجم، مشمولہ: الواقعۃ، (مدیر: محمد تنزیل الصدیقی الحسینی) سلسلہ نمبر 20۔ 21، کراچی: مکتبہ دار الاحسن، نومبر، دسمبر 2013ء، ص: 285

4۔ علامہ، سلیمان ندوی، نقوش سلیمان، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ص: 59

5۔ بھٹی، محمد اسحاق، برصغیر میں علم فقہ، لاہور: بیت الحکمت، 2009ء، ص: 48

محمد تغلق کے عہد میں جب دلی کی ساری آبادی دولت آبادی کو منتقل ہوئی تو اس کے ساتھ بڑے بڑے اولیا کرام بھی کثیر تعداد میں آئے جنہوں نے اسلام کی اشاعت کو عوام و خواص میں پھیلایا۔ ان اولیاء کرام میں سے ایک بزرگ حضرت سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز (متوفی 825) اور اس سلسلے کے بزرگوں نے دین کی جو گراں قدر خدمات انجام دیں تاریخ انہیں فراموش نہیں کر سکتی۔[2]

تصوف کے میدان میں دکنی زبان میں وافر ذخیرہ موجود ہے۔ اہل قلم ڈیڑھ دو صدی تک اس زبان میں تصنیف و تالیف کا کام کرتے رہے۔ تصوف کے مقابلے میں تفسیر، حدیث اور فقہ پر کام کم ہوا۔ اس کی وجہ صوفیا نے تصوف کو اپنا موضوع مقدم بنایا۔[3]

اردو زبان میں قرآن کریم کی تعلیمات کو عام کرنے، عوام تک پہنچانے اور احکامات الٰہی کو خاص و عام تک آگاہ کرنے میں اس زبان کے جاننے والوں کا ایک خاص حصہ ہے جو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اردو میں قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر کا سلسلہ دسویں صدی ہجری سے شروع ہوا۔ لیکن یہ سلسلہ چند سپاروں اور سورتوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ دسویں اور گیارھویں صدی ہجری میں تراجم قرآن کے ساتھ تفسیری حاشیوں کا اضافہ کر کے انہیں تفسیروں کا نام دیا گیا تھا۔ یہ نام نہاد تفاسیر تراجم قرآن کے ساتھ تفسیری مخطوطوں کی صورت میں مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔[4]

حمید شطاری کے نزدیک عم یتساءلون کا ترجمہ اردو کے قدیم ترین تراجم میں سے ہے۔[5] سورۃ یوسف کا ترجمہ گیارھویں صدی ہجری کے نصف آخر کی تالیف قرار دیا جاتا ہے۔[6]

تفسیر قرآن مجید از سورۃ مریم تا آخر عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفسیر سورۃ مریم سے لے کر سورۃ الناس تک ہے۔ لیکن مخطوطے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ چند سورتوں کا ترجمہ و تفسیر ہے۔ مثلاً سورۃ مریم، سورۃ طٰہٰ، سورۃ یٰسین، سورۃ صافات، سورۃ ص، سورۃ زمر اور پارہ عم کی تفسیر ہے۔[7]

۱۱۷۵ھ تا ۱۴۰۳ھ قرآن کے اردو تراجم کے لحاظ سے بہت ممتاز دور تھا۔

1۔ ترجمہ حکیم محمد شریف خاں دہلوی (متوفی 1222ھ) جو مکمل تھا مگر طبع نہ ہو سکا۔

1۔ علامہ، حمید اللہ خان عزیز، قرآن مجید کے سرائیکی تراجم پر ایک نظر، مشمولہ: الواقعہ، ص:303

2۔ شطاری، سید حمید، قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر، حیدر آباد دکن: دی نظامس اردو ٹرسٹ، 1982ء، ص:29

3۔ ایضاً: 41

4۔ جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ص:22

5۔ شطاری، سید حمید، قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر، ص: 66

6۔ ایضاً: 55

7۔ شطاری، سید حمید، قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر، حیدر آباد دکن: دی نظامس اردو ٹرسٹ، 1982ء، ص:66

2۔ تفسیر حقانی از سید شاہ حقانی 12061ھ مؤلفہ مولوی احسن مارہروی کے حوالے سے اس کا تذکرہ کیا گیا۔ لیکن اس ترجمہ کو بھی طبع ہونے کا موقع نہ ملا۔

3۔ ایک ترجمہ شاہ عالم کے عہد میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی سرپرستی میں کیا گیا لیکن طبع نہ ہو سکا۔[1]

شاہ عبد العزیزؒ کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدین کے متعلق یہ مشہور ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کا اردو زبان میں لفظی ترجمہ کیا۔ لیکن شاہ رفیع الدین کی طرف اس ترجمہ کی نسبت مشکوک ہے۔ ابھی تک صراحتاً ایسی کوئی ٹھوس دلیل نہیں ملی کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ شاہ صاحب نے بذات خود ترجمہ تصنیف کیا۔[2]

لیکن شاہ صاحب نے "تفسیر آیت" نور کے نام سے تفسیر لکھی جو فارسی میں ہے اور صحیح سند سے ثابت ہے۔[3]

شاہ ولی اللہ دہلوی کے سب سے چھوٹے بیٹے شاہ عبد القادر نے قرآن پاک کا اردو میں بامحاورہ ترجمہ ور فوائد کے نام سے تفسیری حواشی تحریر فرمایا۔ جو سب سے پہلا مستقل، مکمل اور مطبوعہ ترجمہ ہے۔[4]

شاہ عبد القادر کا پورا نام معین الدین عبد القادر بن شاہ ولی اللہ ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد شاہ ولی اللہ سے حاصل کی۔ آپ کی عمر نو برس تھی کہ 1176ھ کو والد صاحب خالق حقیقی سے جا ملے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد شاہ محمد عاشقؒ اور شاہ عبد العزیزؒ سے علوم ظاہریہ کی تکمیل فرمائی۔[5]

شاہ عبد القادر اپنے بڑے بھائی شاہ عبد العزیز صاحب کی کفالت اور تربیت میں پروان چڑھے اور آخری دم تک ان کی سرپرستی میں رہے۔[6]

مولانا شاہ ابو الحسن فاروقی لکھتے ہیں کہ:

"آپ شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبد القادر کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ کبھی زیارت کے لیے اور کبھی برائے استفادہ۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ

1۔ ڈاکٹر، عبد الحق، قدیم اردو، کراچی: انجمن ترقی اردو، 1961ء، ص:175

2۔ کاندھلوی، نور الحسن راشد، ترجمہ قران کا شاہ رفیع الدین سے انتساب (ایک تحقیقی جائزہ) بقیہ ص:37

3۔ دہلوی، شاہ رفیع الدین، تفسیر آیت النور، (مترجم عبد الحمید خان سواتی)، گوجرانوالہ: مدرسہ نصرۃ العلوم، 1414ھ، ص:1

4۔ قاسمی، اخلاق حسین، محاسن موضح قرآن، سرگودھا: ذوالنورین اکیڈمی، 1983ء،

5۔ چشتی، عبد الحلیم، فوائد جامعہ، کراچی: مکتبہ الکوثر، 2012ء، ص:35

6۔ قاسمی، اخلاق حسین، محاسن موضح قرآن، سرگودھا: ذوالنورین اکیڈمی، 1983ء، ص:64

تینوں بھائی علم کے سمندر رہتے اور تفسیر کلام الٰہی میں شاہ عبد العزیز اللہ کی آیات میں سے ایک آیت تھے۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے آپؒ پر بے شمار احسانات و انعامات کی بارش فرمائی۔ ان میں سے ایک قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر کرنے کا موقع دیا۔

"تمام علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ یہ ترجمہ کرنا بھی نبی کریم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔"[2]

میرے والد محترم نے "مہر جہانتاب" میں فرمایا ہے کہ شیخ عبد القادر نے ایک رات خواب میں یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات کی توفیق بخشی ہے کہ ان پر نزول قرآن ہو۔ اس خواب اک تذکرہ انہوں نے اپنے بھائی شاہ عبد العزیز سے بیان کیا۔ تو بھائی نے تعبیر کے بارے میں کہا "یہ خواب برحق ہے لیکن وحی کا نزول رسول اللہ کے زمانہ سے ہی بند ہے۔ اس لیے اس کی تعبیر یہ ہو گی کہ اللہ آپ سے خدمت قرآن کی ایسی توفیق دیں گے جو پہلے کسی کو نہیں دی۔ چنانچہ وہ بشارت والی تفسیر "موضح قرآن" سے پوری ہو گی۔"[3]

شاہ عبد القادر علم و فضل میں اپنے وقت کے آفتاب کی مانند تھے۔ سر سید احمد خان "آثار الصنادید" میں لکھتے ہیں کہ:

"شاہ عبد القادر کے علم و فضل کو بیان کرنا ایسا ہے کہ کوئی آفتاب کی تعریف فروغ اور فلک کی مدح بلندی کے ساتھ کرے۔ زبان کو کیا طاقت کہ ایک حرف حضرت کی صفات سے لکھ سکے اور قلم کی کیا مجال کہ آپ کی مدح سے ایک ذرہ لکھ سکے۔"[4]

شاہ عبد القادر دہلوی نے سب سے پہلے قرآن مجید کا بامحاورہ ترجمہ ہندی (اردو) زبان میں کیا۔[5] یہ ترجمہ علمی و ادبی اور قبول عام کے لحاظ سے اردو ترجموں میں کیا درجہ رکھتا ہے؟ اس کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اہل علم اور ارباب طریقت دونوں اس ترجمہ کو "الہامی" ترجمہ قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ شاہ عبد القادر نے جس دور (عہد شاہ عالم ثانی) میں یہ ترجمہ تحریر فرمایا۔ اس وقت موصوف کے سامنے عجمی زبان کے ترجموں میں فارسی ترجموں کے سوا کوئی مکمل اردو سیدی

1۔ ایضاً
2۔ قاسمی، ضیاء الحق، تیرھویں صدی کے علمائے برصغیر، کراچی: دار الاشاعت، 2006ء، ص:446
3۔ علامہ، عبد الحیی، نزھۃ الخواطر، (مترجم: ضیاء الحق قاسمی)، کراچی: دار الاشاعت، 2006ء، ص:446
4۔ سر، سید احمد، آثار الصنادید، دہلی: اردو اکادمی، 2000ء، ص:546
5۔ قاسمی، اخلاق حسین، محاسن موضح قرآن، ص:62

ترجمہ موجود نہیں تھا۔ جس کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ شاہ عبد القادر نے اس سے استفادہ حاصل کر کے اپنا ترجمہ مکمل فرمایا۔ لہٰذا ترجمہ کے اندر استعمال کی گئی زبان کی نوک پلک کی درستگی کا پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب خدا تعالیٰ کے کلام مبین کو اردوئے مبین کے قالب میں ڈھال رہے تھے اور آپ یہ ضروری سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے بلیغ کلام کا ترجمہ بھی اردو کے بلیغ اسلوب میں کیا جائے۔[2]

علمی حلقوں میں موضح قرآن کو جو اہمیت حاصل رہی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اساتذہ باقاعدہ اپنے تلامذہ کو اس کی روایت کی اجازت دیا کرتے ہیں۔ ابو الحسن ندوی "حیات الحیی" میں لکھتے ہیں کہ:

"نانی صاحبہ جن کا نام سیدہ حمیرا تھا اور سید علم الہدیٰ حسنی نصیر آبادی کی صاحبزادی تھیں، یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ ان کو حضرت شاہ عبد القادر دہلویؒ کی صاحبزادی سے (جن سے غالباً سفر حج میں ملاقات ہوئی تھی) شاہ صاحب کی مقبول عام تفسیر موضح قرآن کی روایت واجازت تھی۔"[3]

اس ترجمہ کے الہامی ہونے کے بارے میں مولانا محمد قاسم کا قول ہے کہ:

"اگر اردو میں قرآن نازل ہوتا تو شاید اس کی تعبیرات وہی یا اس کے قریب قریب ہوتیں جو اس ترجمہ کی ہیں۔"[4]

ڈپٹی نذیر احمد "او عبد القادر کے ترجمہ" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن اردو میں نازل ہوتا تو مولوی شاہ عبد القادر کا موضح قرآن ہوتا۔"[5]

مزید ڈپٹی نذیر احمد لکھتے ہیں:

شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے شاہ عبد القادر کے "موضح قرآن" کی علمی اور ادبی جلالت شان، حکمت قرآن کے پوشیدہ اشارات اور تفسیری لطائف پر اصول تفسیر کی روشنی میں تبصرہ فرمایا۔[6]

شیخ الہند نے "مقدمہ القرآن" میں شاہ صاحب کے اسلوب کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

1۔ قاسمی، اخلاق حسین، محاسن موضح قرآن، سرگودھا: ذوالنورین اکیڈمی، 1983ء، ص:70۔71
2۔ ایضاً، ص:67
3۔ ندوی، ابوالحسن علی، حیات عبد الحیؒ، لکھنؤ: پاریکھ آفسٹ پرنٹنگ پریس نگو مارگ، 2004ء، ص:32۔33
4۔ قاسمی، اخلاق حسین، محاسن موضح قرآن، ص:17
5۔ لیکچر ڈپٹی نذیر احمد، آگرہ: مفید عام اسٹیم پریس، 1918ء، 2/38
6۔ ایضاً: 26

1۔ "شاہ صاحب قرآنی ترتیب کا کس حد تک لحاظ رکھتے ہیں اور بامحاورہ اردو میں ترجمہ کرنے کے باوجود قرآن کریم کی اصلی ترتیب کو کس کمال کے ساتھ باقی رکھتے ہیں۔

2۔ فعل، فاعل، مفعول، متعلقات فعل، صفت، موصوف، حال و تمیز، مفعول مطلق تاکیدات وغیرہ کے تراجم میں جگہ جگہ شاہ صاحب کیسی ندرت اور تنوع کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

3۔ حروف جار اور حروف ربط کے ترجمہ میں موقعہ و محل کی رعایت سے ترجمہ کو اردو کے قالب میں کس حسن لطافت کے ساتھ ڈھالتے ہیں۔ اس سے شاہ صاحب کے علم و ادب کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔

4۔ شاہ صاحب ایجاز و اختصار کا کس قدر لحاظ رکھتے ہیں۔ متن کے الفاظ سے ترجمہ کو زیادہ بڑھنے نہیں دیتے۔ کہیں لغوی ترجمہ کرتے ہیں کہیں اسی لفظ کے مرادی معنی ظاہر کرتے ہیں۔

5۔ شاہ صاحب بڑے بڑے تفسیری مسائل کو ترجمہ کے الفاظ میں سمو لیتے ہیں۔ ایک ہی لفظ کے اندر بڑی بڑی تشریحات نظر آتی ہیں۔"[1]

مولانا ابوالحسن ندوی "دعوت و عزیمت" میں لکھتے ہیں کہ:

"شاہ صاحب کے فارسی ترجمہ کے بعد بہت جلد اردو میں ترجمہ قرآن کی ضرورت محسوس ہوئی کہ بارہویں صدی کے آخری ہی حصہ میں اردو نے فارسی کی جگہ لینی شروع کر دی تھی اور اردو میں تحریر و تصنیف کا کام شروع ہو گیا تھا۔ اس ضرورت اور انقلاب حال کو سب سے پہلے خود شاہ صاحب کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی (م 1230ھ) نے محسوس کیا اور 1204۔5ھ میں گویا شاہ صاحب کے ترجمہ کے پچاس برس بعد انہوں نے بامحاورہ اردو میں اس کا ایسا ترجمہ کیا جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا کسی غیر عربی زبان میں ایسا کامیاب اور شگفتہ ترجمہ جس میں زیادہ سے زیادہ قرآنی الفاظ کی روح آ گئی ہو ابھی تک علم میں نہیں۔"[2]

سید ابوالحسن ندوی "شاہ عبدالقادر" کے ترجمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"شاہ صاحب ترجمہ میں اصل مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جتنی کامیابی اس میں ان کو ہوئی کسی اور کو نہیں ہوئی۔ مثلاً انہوں نے "ان ھولاء

1۔ قاسمی، اخلاق حسین، محاسن موضح قرآن، سرگودھا: ذوالنورین اکیڈمی، 1983ء، ص: 96۔97

2۔ ندوی، ابوالحسن علی، دعوت و عزیمت، لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، 2010ء، 5/148

متبر ماھم فیہ " کا ترجمہ کیا ہے " ارے یہ تو تجھاڑو پھر جانے والی قوم ہے " " قالو
بعزۃ فرعون " کا ترجمہ کیا ہے " فرعون کے اقبال سے ہمیں غالب آئیں گے " سنا
ہے کہ شاہ صاحب ترجمہ کرتے وقت بازار جا کر دیکھتے کہ دلی والے کیا بولتے ہیں
" یمشون فی الارض ہونا " ہونا کا ترجمہ " دبے پاؤں " کیا ہے۔ "[1]

شاہ ولی اللہ کی " رجوع الی القرآن " تحریک کے سپاہی اور داعی مولانا احمد سعید دہلویؒ ہیں۔ جنہوں نے خانوادہ شاہ ولی اللہ کی علمی وراثت کو جاری رکھا۔ مولانا احمد سعید دہلوی شاہ صاحبؒ کے ترجمہ سے والہانہ عشق رکھتے تھے۔ مولانا کا صباحی ترجمہ شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کے ایک ایک لفظ کی تشریح، شاہ صاحبؒ کے منفردات کی تلاش و تحقیق تابعین کے اقوال اور تفسیری باتیں تشریحات کی روشنی میں ان کی راجحیت اور برتری پر فاضلانہ بحث یہ تمام باتیں مولانا احمد سعیدؒ کے ہاں ملتی تھیں اور پھر مولانا کے عوامی وعظ بھی ان لطائف سے معمور ہوتے تھے۔[2]

مولانا احمد سعیدؒ کو واقعی شاہ صاحبؒ کے لطائف قرآن پر بڑا عبور حاصل تھا اور اس میں مولانا منفرد تھے۔[3]

مولانا دراصل شاہ صاحبؒ کے تفسیری حقائق کی تشریح کرنا چاہتے تھے۔ اور شاہ صاحبؒ کی زبان کو باقی رکھتے ہوئے اس کو آج کی اردو میں سمجھانا چاہتے تھے۔[4]

شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کی ادبی اور علمی خوبیاں اہل زبان ہونے کی وجہ سے مزے لے لے کر واضح کرتے تھے۔ اس کا عکس تفسیر کشف الرحمن میں بھی نظر آتا ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 57 کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ:

" حضرت شاہ صاحب اجر کا ترجمہ " نیگ " کیا کرتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق الخدمت کے معنی نیگ کرنا بہترین ترجمہ ہے۔ نیگ دہلی میں عام طور سے استعمال ہوتا ہے اور یہ ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جہاں محنت اور خدمت برائے نام ہو اور مزدوری پوری دی جائے۔ "[5]

1۔ ندوی، محمد اکرم، ارمغان فرنگ، لندن: علامہ ابوالحسن علی ندوی اکیڈمی، 2004ء، ص:127۔148
2۔ قاسمی، اخلاق حسین، محاسن موضح قرآن، سرگودھا: ذوالنورین اکیڈمی، 1983ء، ص:99
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً:51
5۔ دہلوی، احمد سعید، کشف الرحمن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2015ء، ص:457

ایک اور مثال جس میں مولانا احمد سعید شاہ صاحب کے ترجمہ کا حوالہ دیتے ہوئے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 140 کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ:

> "حضرت شاہ صاحبؒ نے کس قدر مختصر اور جامع خلاصہ بیان کیا ہے جو حضرت شاہ صاحب ہی کا حصہ ہے اور یعلم کا ترجمہ "پرکھنا" اور تمحیص کا ترجمہ "سدھارنا" بھلا اس اردو کا جواب کیا ہو سکتا ہے۔"[1]

مولانا کا ارادہ تھا کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ کے ترجمہ اور حاشیہ کے تفسیری اور علمی نکات پر ایک جامع حاشیہ تیار ہو جائے۔ شکل اس کی مولانا کے ذہن میں یہ تھی کہ ترجمہ تو حضرت صاحب کا رہے اور اس کے حاشیہ پر یہ تبصرہ شائع ہو۔ چنانچہ اسی طرز پر مولانا نے کام کا آغاز کیا۔ کام کے آغاز میں راقم ہی مولانا کی خدمت میں تھا۔ تقریباً چھ مہینے اس کام میں مولانا کی رفاقت کا راقم کو شرف حاصل رہا۔

مولانا کے ارادے کے مطابق اگر وہ حاشیہ تیار ہو جاتا تو وہ ولی اللّٰہی خاندان کے دینی اجتہاد و بصیرت کا ایک عظیم شاہکار ہوتا۔ مگر یہ کام بڑا پھیلاؤ رکھتا تھا۔ اس کے لیے مولانا جیسے مصروف انسان کے پاس نہ تو اتنا وقت تھا اور نہ آخر میں صحت کی رفاقت رہی تھی۔ اس لیے مولانا نے ترجمہ کا ڈھنگ بدل دیا اور اسے مستقل شکل دے دی۔[2]

اہل علم بدستور عوام الناس کی رہنمائی اور زبان کی بدلتی جدتوں کے پیش نظر قرآن کے معنی و مفاہیم اردو کے قالب میں ڈھال رہے ہیں۔ جن میں سے پندرھویں صدی کے چند جدید تراجم خوگر مطالب و شائقین کے لیے پیش کئے جاتے ہیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے:

1۔ مولانا عبدالکریم پاریکھ تشریح القرآن فرید بک ڈپو دہلی		1996ء
2۔ مولانا عبدالحمید سواتی قرآن مجید دروس القرآن گوجرانوالہ		1996ء
3۔ مفتی سعید احمد پالن پوری تفسیر ہدایت القرآن مکتبہ حجاز دیوبند 2001ء		
4۔ ڈاکٹر محمود الحسن عارف ترجمۃ القرآن ادارہ علم القرآن لاہور		2002ء
5۔ مولانا اسحاق خان	زبدۃ القرآن (تفسیر مدنی صغیر) دارالعلوم اسلامیہ پلندری کشمیر	2003ء
6۔ مولانا اسلم شیخوپوری تسہیل القرآن	دار اسلام لاہور	2003ء

1۔ ایضاً، ص: 553

2۔ اخلاق حسین، قاسمی، مولانا احمد سعید مفسر قرآن کی حیثیت سے، مشمولہ: دارالعلوم (مدیر: سید محمد ازہر شاہ قیصر)، ہندوستان: دارالعلوم دیوبند، مارچ 1961ء، ص: 21

7۔ مولانا یوسف صلاح الدین سلفی معانی القرآن دار اسلام لاہور	2005ء
8۔ مفتی عزیز الرحمن روح القرآن ترجمہ جلالین مع ترجمۃ القرآن فیصل پبلیکیشنز	2006ء
9۔ مولانا عتیق الرحمن سنبھلی محفل قرآن الفرقان بکڈپو لکھنؤ	2007ء
10۔ ڈاکٹر محمد فاروق خان آسان ترین ترجمہ مردان	2008ء
11۔ مفتی تقی عثمانی آسان ترجمہ قرآن مع توضیح القرآن مکتبہ معارف	2009ء
12۔ مفتی نعیم تفسیر روح القرآن الجامعہ بنوری الرآن کراچی	2010ء
13۔ مولانا محمد یوسف متالا اصوہ البیان فی ترجمۃ القرآن ازھر پبلیکیشن لندن	2011ء
14۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی آسان تفسیر زم زم کراچی	2012ء
15۔ مولانا عبد الحیی بلال چشتی ندوی آسان معانی قرآن تکیہ رائے بریلی	2013ء
16۔ مولانا سید سلمان حسین ندوی وحی آخری ندوۃ العلماء لکھنؤ	2014ء
17۔ مولانا اکرم اعوان اکرام تراجم قدرت اللہ کمپنی لاہور	2015ء
18۔ مولانا سلیم اللہ خان تفسیر کشف البیان مکتبہ فاروقیہ	2016ء
19۔ مفتی اصغر علی ربانی آسان تفسیر مکتبہ ربانی کراچی	2018ء

تفسیری رجحانات

جب فتوحات کی کثرت نے اسلامی سلطنت کو فروغ دیا تو نئے ذہنی انقلاب کے ساتھ علوم وفنون کا دور شروع ہوا۔ ان جدید مسائل کو حل کرنے کے لیے قرآن مجید میں مزید غور وخوض کیا گیا۔ سلف کی روایات کے ساتھ ساتھ عقل واستدلال سے کام لیا گیا۔ متکلمین نے اپنے انداز میں عقل کی تشفی کی کوشش کی اور صوفیاء نے ان حقائق کو اپنے انداز میں سمجھانے کی سعی کی۔ بعض نے قرآنی الفاظ کی وسعت وگہرائی کا جائزہ لیا الغرض مختلف نقطہ نظر سے قرآن مجید کی تشریح وتفسیر کی گئیں اور یہ سلسلہ آج تک بھی اجری وساری ہے۔

برصغیر میں بھی مفسرین نے اپنے اپنے ذہنی وقلبی رجحان سے تفاسیر کو مرتب کیا۔ کسی نے احکام کے استنباط کا خیال رکھا اور کسی نے ادبی پہلوؤں پر زور دیا۔ کسی نے تصوف کے نکات کو واضح کیا اور کسی نے روایات سلف کو جمع کرنے کی سعی کی۔ کسی نے لغوی تحقیق کے ساتھ ساتھ صرفی ونحوی تراکیب کو موضوع بنایا۔ الغرض ہر مفسر نے اپنے اپنے انداز سے تفسیر کو مختلف پہلوؤں سے جانچا اور قرآنی علوم کے بحر زخار سے علمی درنایاب کو چن کر اس کتاب عظیم کی خدمت کی ہے۔ ذیل میں چند مختصراً تفسیری رجحانات کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

1۔ تفسیر بالماثور	2۔ لغوی وادبی رجحان
3۔ تفسیر بالرائے	4۔ تفسیر کا فقہی رجحان
5۔ کلامی رجحان	6۔ صوفیانہ رجحان
7۔ سائنسی تفسیر کا رجحان	8۔ فقہی محدثانہ رجحان

1۔ فقہی رجحان:

قرآن مجید احسن الکلام ہے جس میں باوجود اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ انسانی زندگی کے ہر پہلو کی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ قرآن مجید اصول وکلیات پر مشتمل ہونے کے ساتھ گذشتہ اقوام کے عروج وزوال کے قصص، عقائد اور دیگر امور وغیرہ کو بیان کرتا ہے۔ قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ اعتقادات، عبادات ومعاملات کے احکام پر مشتمل ہے اور ان آیات احکام کو مفسرین نے بڑے مفصل انداز میں بیان کیا۔ کیونکہ قرآن کا ضابطہ قانون پوری وضاحت کے ساتھ نمایاں ہو۔ اس کو فقہی رجحان کہا جائے گا۔

ڈاکٹر محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں:

"واذانحن تتبعنا التفسیر الفقهی فی جمیع مراحله، وجدناه یسیر بعیداً عن الاهواء والاغراض من مبداء نزول القرآن الی وقت قیام المذاهب المختلفة ثم بعد ذلک یسیر تبعاً للمذاهب، ویتنوع بتنوعها، فلاهل السنة تفسیر فقهی متنوع بذانظیفا من التعصب، ثم لم یلبث ان تلوث به کما اسلفنا وللظاهریة تفسیر فقهی یقوم علی الوقوف عند ظواهر القرآن دون ان یحید عنها وللخوارج تفسیر فقهی یخصهم، وللشیعة تفسیر فقهی یخالفون به من عداهم۔ وکل فریق من هولاء یجتهد فی تاویل النصوص القرآنیه حتی تشهدله اولا تعارضه علی الاقل۔ مما ادی ببعضهم الی التعسف فی التاویل والخروج بالالفاظ القرآنیة عن معانیها ومدلولتها"[1]

فقہی تفسیر کے تاریخی مراحل کا جائزہ لینے سے واضح ہو جاتا ہے کہ نزول قرآن کی ابتداء سے لے کر فقہی مذاہب کے قیام تک یہ تفسیر ذاتی اغراض وخواہشات سے بعید رہی۔ پھر اس کے بعد فقہی مذاہب نے زیر اثر اس میں تنوع پیدا ہو گیا اور یہ مختلف انواع میں منقسم ہو گئی۔ چنانچہ اہل سنت کی متنوع تفسیر ابتداء تعصب سے پاک تھی بعد میں وہ بھی اس تعصب میں ملوث ہوتی چلی گئی۔ اس طرح ظاہر کی فقہی تفسیر صرف اس بات پر قائم ہے کہ قرآن مجید کے ظاہرہ

1۔ التفسیر والمفسرون، ج:2، ص:321

مفہوم پر اکتفا کیا جائے اور کسی بھی صوت میں عدول نہ کیا جائے، خوارج شیعہ کی فقہی تفسیر خاص نوعیت کی ہیں۔ ان مذاہب وفرق میں سے ہر ایک اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ قرآنی آیات کی تاویل اس انداز میں کی جائے کہ وہ ان مخصوص نظریات کی موید نظر آئے یا کم از کم ان کے نظریات کے خلاف نہ ہوں۔۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض لوگ آیات کی تاویل اس طرح کھینچا تانی سے کام لینے لگے جس سے قرآنی الفاظ اپنے معنی ومدلول سے دور نکل گئے۔

اس فقہی رجحان میں درج ذیل تفاسیر شامل ہیں۔

1۔ التفسیر الاحمدیہ فی بیان الایت الشرعیہ مع تعریفات المسائل الفقھیہ از ملا جیون م 1130ھ

2۔ نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام از نواب صدیق حسن خان م 1890ھ

3۔ احکام القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی

2۔ محد ثانہ رجحان:

قرآن کا جو مفہوم آپ سے منقول ہے اس کو بیان کرنا یا دوسرے لفظوں میں قرآن پاک کی تفسیر احادیث مبارکہ کے ذریعے کرنا عرف عام میں محد ثانہ رجحان کے نام سے مشہور ہے۔ ابتداء ہی سے مسلمانوں کو اس تفسیری رجحان کا خاص شغف رہا۔ کیونکہ رسول اللہ نے اخلاقیات، تہذیب وتمدن اور اس زمانہ میں جو انقلاب برپا کیے اس کی نظیر تاریخ میں ناممکن ہے۔ درحقیقت آپ کی حیات مبارکہ علوم وفنون کا سرچشمہ ہے۔

حکیم عبد الرووف لکھتے ہیں:

"اصحاب حدیث دراصل تین امور کو جمع کرتے ہیں (1) رسول نے کیا فرمایا؟ (2) رسول نے کیا کام کیا؟ (3) رسول کے سامنے یا رسول اللہ کے وقت میں کیا کیا گیا؟ اصحاب سیرت بھی انہی تین امور کو جمع کرتے ہیں۔ اس لیے اصل کام دونوں کا ایک ہی ہے۔ مگر باوجود اس کے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اصحاب حدیث کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے اور رسول اللہ کی ذات سے ان کی بحث ضمناً ہوتی ہے اور اصحاب السیر کا مقصود بالذات رسول کو جاننا ہے۔ احکام پر ان کے ہاں بحث ضمناً ہوتی ہے۔ اس لیے محدثین کا مدار بحث یہ ہوتا ہے کہ یہ فعل یا قول رسول اللہ کا ہے یا نہیں؟ ان کی تمام تر قوت اس تحقیق پر صرف ہوتی ہے کہ اس قول یا فعل کا انتساب رسول کی طرف صحیح ہے یا نہیں۔ لیکن اصحاب سیرت کو یہ بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کے سوا دو باتیں اور معلوم کرنی پڑتی ہیں۔ ایک یہ کہ

حضور نے کب ایسا کہا یا کیا؟ دوئم یہ کہ ایسا کہنے یا کرنے کی وجہ کیا ہوئی؟ اصحاب سیرۃ حضور کے اقوال وافعال کو مسلسل اور مربوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے اسباب وعلل کو بھی جاننا چاہتے ہیں۔ اصحاب حدیث کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں، جب صحت کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فعل رسول کا ہے تو ہو رسول اللہ کی سنت اور آپ کا طریقہ ہو گیا۔ گو یہ نہ معلوم ہو کہ رسول نے کب، کس دن، کس تاریخ ایسا کہا یا ایسا کیا؟"[1]

محدثانہ رجحان میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

1۔ ترجمان القرآن بلطائف البیان از نواب صدیق حسن خانؒ

2۔ فتح البیان از نواب صدیق حسن خان

3۔ مواہب الرحمن از سید امیر علی ملیح آبادی

3۔ صوفیانہ رجحان:

فہم قرآن میں ہر کسی کا رجحان ایک جیسا نہیں ہوتا۔ اہل ذوق نے اپنے اپنے رجحان کے مطابق تفاسیر کو مرتب کیا۔ انہی رجحان میں سے ایک رجحان صوفیہ کا بھی ہے۔ جس میں ایک صوفی کلام الٰہی کی ظاہری تفسیر جس پر شریعت اسلامیہ کی بنیاد ہے۔ اس کو محور مرکز بناتے ہوئے ایسے علوم و معارف بیان کرتا ہے جو مطالعہ کے دوران اس کے قلب پر ظاہر ہوتے ہوئے حقیقی مفہوم تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی طرح قرآن الفاظ پر غور کرنے سے جس اچھی بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اور ذہن وہاں منتقل ہوتا ہے۔ اس کو اصطلاح میں تفسیر اشاری بھی کہتے ہیں۔

حنیف ندوی صوفیہ کی تفسیر کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"ہمارے نزدیک صوفیہ کا وہ گروہ بہر حال قابل قدر ہے جس نے اس روح اور باطن تک رسائی حاصل کر کے ان معارف کی نشاندہی کی۔ جس پر ایک عام عالم کی نظریں نہیں پڑ تیں، اور ان معارف کو اپنے عمل و کردار میں سمو کر مکارم اخلاق کی بلند ترچوٹیوں کو سر کیا۔ لیکن یہ اسی وقت ہو سکا جب ان کو معارف کتاب و سنت کی کسوٹی پر جانچا گیا اور دیکھا گیا کہ ظاہر و باطن میں فرق صرف اصطلاح کا

1۔ داناپوری، حکیم عبدالرؤف، مقدمہ، اصح السیر، کراچی: تجارت کتب خانہ، 1351ھ، ص:8

ہے ورنہ یہ دونوں باہم ایک دوسرے سے وابستہ اور ایک دوسرے کے موید اور شارح ہیں۔"[3]

صوفیانہ رجحان میں درج ذیل تفاسیر شامل ہیں:

1۔ تفسیر قادری از مولانا فخر الدین قادری

2۔ تفسیر مہائمی از مخدوم علی مہائمی

4۔ کلامی رجحان:

برصغیر میں تفسیری ادب کے اندر پایا جانے والا رجحان کلامی تفاسیر بھی ہے۔ اس رجحان میں مختلف سیاسی وملی اور تہذیبی و نظریاتی مسائل کا حل یا پھر ان کے بارے میں اپنا موقف ونقطہ نظر متعین کرنا ہر مسلک کا زور قلم رہا۔ مسلمان کو درپیش مسائل و تحدیات کے تناظر میں قرآن کریم میں تدبر و تفکر کے ذریعہ مکتبہ فکر نے کلامی رجحان سے استفادہ حاصل کیا۔

کلامی رجحان میں درج ذیل تفاسیر شامل ہیں:

1۔ معارف القرآن از مولانا ادریس کاندھلوی

2۔ تفسیر فتح المنان المشہور بہ تفسیر حقانی از ابو محمد عبد الحق حقانی

لغوی اور ادبی رجحان:

روئے زمین پر زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں سے عربی فصیح و بلیغ زبان ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اس میں پایا جانے والا مادہ اشتقاق ہے۔ عربی زبان کے ایک کلمہ سے کئی نئے کلمات بنائے جاتے ہیں اور ہر نیا کلمہ مختلف اور متعدد معانی کا حامل ہوتا ہے۔ اس لیے عربی زبان و ادب میں جامعیت اور وسعت لامحدود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی بھی اس کے مثل ایک آیت بھی نہیں بنا سکا۔

اس رجحان میں درج ذیل تفاسیر شامل ہیں:

1۔ تدبر قرآن از امین احسن اصلاحی

2۔ تفسیر ماجدی از عبد الماجد دریا آبادی

3۔ تدریس لغۃ القرآن از مسعود حسن علوی

تفسیر بالماثور کا رجحان:

1۔ ندوی، فیصل احمد، تفسیر اور اصول تفسیر، لاہور: مکتبہ قاسم العلوم، 2016ء، ص: 97

وہ تفسیری رجحان جس میں قرآن مجید کی تفسیر قرآن کی کسی دوسری آیت سے کی جاتی ہے۔ جیسے مجمل کی تفسیر مفصل آیت سے، مفرد الفاظ کی تفسیر چند دوسری آیات سے، مطلق کی مقید سے اور عام کی خاص وغیرہ سے تفسیر کی جاتی ہے۔ تفسیر بالماثور کا دوسرا اصول احادیث نبویہ سے قرآن کی تفسیر کرنا ہے۔ چاہے وہ حدیث قولی، فعلی، عملی اور تقریری ہو۔ تیسرا اصول وہ معزز حضرات جنہوں نے بلاواسطہ نبی سے قرآن پڑھا اور سمجھا یعنی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، چوتھا اور آخری اصول وہ معزز حضرات جنہوں نے بلاواسطہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے علم حاصل کیا یعنی تابعین۔ اسے تفسیر بالماثور رجحان کہا جائے گا۔

ڈاکٹر محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں:

"تدرج التفسير المأثور فى دورية ۔ دور الرواية دور التدوين۔ اما فى دور الرواية، فان رسول الله بين لاصحابه ماأشكل عليهم من معانى القرآن، فكان هذا القدر من التفسير يتنا وله الصحابة بالرواية بعضهم لبعض، ولمن جاء بعدهم من التابعين"[1]

تفسیر بالماثور کا تدریجی دور۔۔ دور روایت اور دور تدوین۔۔ جہاں تک دور روایت کا تعلق ہے اس میں نبی کریم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مشکلات قرآن کی وضاحت فرمادیا کرتے تھے اور بعد میں تابعین تک پہنچاتے۔

تفسیر بالماثور کے رجحان میں جو کتب لکھی گئیں وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ فتح القدیر از محمد بن علی شوکانی 1250ھ

2۔ انوار البیان از مولانا عاشق الہی بلند شہری

3۔ تفسیر ثنائی از مولانا ثناء اللہ امر تسری

تفسیر بالرائے:

تفسیر بالرائے سے مراد اپنے ذاتی اجتہاد سے قرآن پاک کی تفسیر کرنا ہے۔ تفسیر بالرائے کی دو اقسام ہیں:

1۔ تفسیر بالرائے مذموم:

ایسی تفسیر جس کی مذمت کی گئی ہو اس سے مراد وہ تفسیر جس کے مفسر کے اندر تمام شرائط نہ پائی جاتی ہوں۔ یعنی تفسیری اصولوں سے رجوع نہ کرے بلکہ اپنی رائے سے تفسیر کرے۔

2۔ تفسیر بالرائے محمود:

1۔ ذہبی، محمد حسین، التفسیر والمفسرون، قاہرہ: مکتبہ وھبہ، 2/ 321

ایسی تفسیر بالرائے جس کی تعریف کی گئی ہو اس سے مراد وہ تفسیر جس کے مفسر کے اندر تمام شروط پائی جاتی ہوں۔ مفسر اپنی رائے سے پہلے تفسیر بالماثور کی طرف رجوع کرے۔

ڈاکٹر محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں:

"یطلق الرای علی الاعتقاد، وعلی لاجتھاد، و علی القیاس، ومنہ: اصحاب الرای، ای اصحاب القیاس والمراد بالرای ھنا (الاجتھاد) وعلیہ فالتفسیر بالرای، عبارۃ عن تفسیر القرآن بالاجتھاد بعد معرفۃ المفسر لکلام العرب ومناحیھم فی القول، ومعرفتہ للالفاظ العربیۃ ووجوہ دلالاتھا، واستوانتہ فی ذلک بالشعر الجاھلی ووقوفہ علی اسباب النزول،و معرفتہ بالناسخ والمنسوخ من آیات القرآن، و غیر ذلک من الادوات التی یحتاج الیھا المفسر"[1]

رائے کے لفظ کا اطلاق اعتقاد پر، اجتہاد پر اور قیاس پر کیا جاتا ہے۔ اور اس میں سے اصحاب رائے یا اصحاب قیاس ہیں اور یہاں "الرائی" سے مراد اجتہاد ہے اور اسی پر تفسیر بالرائی ہے۔ تفسیر قرآن کی عبارت پر اجتہاد کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مفسر کلام عرب اور گفتگو میں ان کے معانی و مطالب کو جانتا ہو اور ساتھ عربی الفاظ کی معرفت رکھتا ہو جو اس پر دلالت کرتے ہوں اور اسی طرح جاھلی شعراء سے مدد لے سکتا ہو اور اسباب نزول سے واقفیت رکھتا ہو اور قرآن کی آیات میں سے ناسخ و منسوخ کو جانتا ہو اور ان علامات کو جانتا ہو جس کی ایک مفسر کو ضرورت ہوتی ہے۔

1۔ نظام القرآن از حمید الدین فراہی

2۔ مفہوم القرآن از غلام احمد پرویز

سائنسی رجحان:

بیسویں صدی سائنسی، ترقی کا دور تھا۔ جس میں قرآن پاک کا مطالعہ سائنس کی روشنی میں کیا گیا۔ جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں آیات قرآن کی تشریحات و تفسیرات اور اس حوال سے اعجاز القرآن کا اثبات ایک اہم اور نمایاں رجحان ہے۔ جس کا مقصد کائنات کے اسرار و رموز سے لوگوں کو روشناس کروا کر علوم جدیدہ سے آگاہی فراہم کرنا ہے۔ اس موضوع پر بہت سی زیادہ کتب لکھی گئیں۔ مستقل کوئی تفسیر موجود نہیں۔

اس رجحان میں درج ذیل تفاسیر لکھی گئیں:

1۔ تفسیر القرآن از سر سید احمد خان

1۔ ذھبی، محمد حسین، التفسیر والمفسرون، قاہرہ: مکتبہ وھب، 1/ 112

2۔ سائنس میں تذکرہ از عنایت اللہ مشرقی

فصل دوم:

تفسیر کشف الرحمٰن کا منہج و اسلوب

منہج کا معنی و مفہوم:

لغوی معنی:

منھاجا: اسم آلہ مفرد، کھلا ہوا راستہ۔ نہج، منہج، منہاج تینوں ہم معنی ہیں۔ روشن کشادہ راستہ، نہج: مصدر باب، فتح، راستہ کا کشادہ اور صاف ہونا اور اس پر چلنا۔[1]

"لسان العرب" میں ابن منظور "منہج" کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

(1) نہج: طریق نہج بین واضح وهو النهج [2]

نہج: راستہ، واضح اور روشن راستہ نہج ہے۔

"کتاب العین" میں خلیل احمد الفراہیدی لکھتے ہیں:

(2) نہج: طریق نہج واسع واضح و طرق نہجة ونہج الامر وانتہج لغتان ای وضح ومنہج الطریق ووضحه والمنہاج الطریق الواضح [3]

نہج: راستہ، واضح اور وسیع راستہ نہج کہلاتا ہے۔ راستوں (جمع) نہجہ ہے کسی کام کا اسلوب بھی نہج کہلاتا ہے اور انتہاج کی دو لغتیں ہیں وضاحت اور طریق کا اسلوب یا راستہ منہج بھی واضح راستہ ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ المائدہ میں منہج کا لفظ ان الفاظ میں استعمال ہوا ہے:

"لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا"[4]

حدیث میں بھی منہج کا لفظ وارد ہوا ہے:

(3) فقال حذیفة قال رسول الله : ثم تكون خلافة على منہاج النبوة [5]

1۔ نعمانی، مولانا عبد الرشید، لغات القرآن، کراچی: دار الاشاعت، 1994ء، 5/464

2۔ ابن منظور، الافریقی جمال الدین، لسان العرب، قاہرہ: دار المعارف، 2/383

3۔ الفراہیدی، خلیل احمد، کتاب العین، تاریخ النشر، الطبعۃ الاولی، 1414ھ، ج:3، ص:1845

4۔ المائدہ5: 48

5۔ امام احمد ابن حنبل، مسند احمد، باب مسند الکوفیین، بیروت: 1999ء، رقم الحدیث: 18406

حدیث: حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ نے فرمایا: پھر خلافت نبوت کے طریقے پر ہوگی۔

"حجتہ البالغہ" میں شاہ صاحب دین اور منہج کی تشریح ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"یاد رکھو اصل دین ایک ہے۔ سب انبیاء علیہم السلام نے اسی کی تبلیغ کی ہے اور تمام بنی نوع انسان کے لیے وہی دین واجب الاتباع ہے۔ اختلاف اگر ہے تو فقط شرائع اور منہاج میں ہے۔ شرائع سے مراد احکام شرعیہ ہیں اور منہاج کے معنی ادائے فرض کے مختلف طریقے ہیں"[1]

حجتہ اللہ البالغہ کے تیسرے باب کا عنوان میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ دین کا اصول ایک ہے۔ اس کے مناہج مختلف ہیں:

"دینی فرائض ادا کرنے کے مختلف طریقے ہیں جو اس عصر کے لحاظ سے مختلف ہوتے رہتے ہیں جس میں کوئی نبی اللہ تعالیٰ کی طرف بھیجا جاتا اور شریعت لے کر آتا ہے۔"[2]

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے۔ کلام الملوک ملوک الکلام (یعنی بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے)۔ بے نظیر اور ہمہ پہلو کتاب ہے۔ اس لیے اس کی تفسیر کے لیے صاحب علم و فضل نے اپنی فہم و فراست کے لیے مختلف انداز اپنائے۔ بعض نے صرف اور نحو کے لحاظ سے اس کی تحقیق کی۔ بعض نے قرات پر اور بعض نے الفاظ کے معانی پر زور قلم صرف کیا۔ چند ایک نے صرف آیات قرآنی، حدیث نبوی، اقوال صحابہؓ اور فرمودات تابعین کی روشنی میں دینی خدامت کو انجام دیا۔ کچھ نے ان کے ساتھ اسرائیلی روایات کو شامل کیا۔ بعد ازاں لوگوں نے ان روایات کی جانچ پڑتال کی۔ بعض نے ناسخ و منسوخ، اعجاز القرآن اور احکام شرعیہ کی آیات پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔ بعض مفسرین نے فلسفہ اور علم الکلام کو بحث کا موضوع بنایا۔ غرض اپنے اپنے ذوق کے مطابق مفسرین نے اس صحیفہ ہدایت کی خدمت کو سر انجام دیا۔

انہی مفسرین میں سے ایک مفسر مولانا احمد سعید دہلویؒ ہیں۔ جن کی تفسیر کشف الرحمن مع تیسیر القرآن و تسہیل القرآن ہے۔

مولانا کا طریقہ تفسیر یوں ہے کہ چند سورتوں کے آغاز سے پہلے مختصر سی تمہید بیان کرتے ہیں۔ جس میں اس سورۃ کے اندر جو احکامات نازل ہوئے ان کا ذکر کرتے ہیں اور اس سورۃ کا پچھلی سورۃ سے ربط بیان کرنے کے ساتھ ساتھ

1۔ شاہ ولی اللہ، حجتہ اللہ البالغہ، (شارح: مولانا احمد سعید پالن پوری)، کراچی: زمزم پبلشرز، 2005ء، ص: 1/ 458

2۔ ایضاً: 1/ 457

سورۃ کا ترتیب کے اعتبار سے نمبر بھی تحریر کرتے ہیں۔ رکوعات اور آیات کی تعداد کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ سورۃ کا تعارف پیش کرنے کے بعد تفسیر کا آغاز کرتے ہیں۔ اگر سورۃ کسی خاص موقعہ پر نازل ہوئی ہو تو اس کا سبب نزول کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ چند آیات بیان کرنے کے بعد انہی آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ قرآنی آیات کی وضاحت کے لیے آثار اور اپنی رائے دونوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے واللہ اعلم بالصواب لکھتے ہیں۔ مشکل الفاظ کی وضاحت لغت اور گرامر کے ذریعے کرتے ہیں۔ قرآنی الفاظ میں جہاں قرات کا اختلاف پایا جاتا ہے اس کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ گویا آپ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے قرآن، الہامی کتب، حدیث، معاصر، تفاسیر، سورتوں اور آیات کے سبب نزول، تصوف کے اسرار، لغت وغیرہ کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ تفسیر کشف الرحمن کے منہج کے اہم نکات یہ ہیں۔

1۔ قرآن سے استدلال:

قرآن اپنی تفسیر خود کرتا ہے۔ "القرآن یفسر بعضہ بعضا" یعنی قرآن کا ایک حصہ دوسرے کی تفسیر کرتا ہے۔ یہ طریقہ سب سے بہتر ہے کیونکہ اس سے قرآن کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

مولانا دہلوی تفسیر کشف الرحمن میں قرآنی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے بعض مقامات میں قرآن ہی سے استدلال کرتے ہیں۔

1۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین"[1]

اس آیت کی تفسیر میں مغضوب علیہم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آیت میں مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔
جیسا کہ چھٹے پارے میں من لعنہ اللہ وغضب علیہ اور پہلے پارے میں فرمایا وباءوا
بغضب من اللہ اور نصاریٰ کے متعلق چھٹے پارے میں ارشاد ہے۔ قد ضلوا من قبل
واضلوا کثیرا"[2]

2۔ حوالہ احادیث:

نبی کریم کو دنیا میں مبعوث فرمانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آپ قرآن کی تشریح و تفسیر بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

1۔ الفاتحہ: 7

2۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2015ء، 1/4

"وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ"[1]

مولانا دہلوی قرآنی الفاظ و مطالب کی وضاحت کرنے کے لیے حدیث سے بھی مدد لیتے ہیں۔ بعض مقامات پر حدیث کے الفاظ من و عن بیان کرتے ہیں تو کہیں ترجمے کے ساتھ حوالہ دیتے ہیں۔ کہیں صرف حدیث بیان کر دیتے ہیں اور کہیں اس کتاب کا حوالہ بھی دیتے ہیں جہاں سے وہ حدیث لی گئی ہے۔ بعض مقامات پر مولانا آیت کی وضاحت کے بعد اس کا خلاصہ بھی بیان کرتے ہیں۔

1۔ حدیث میں ہے اذاسر تک حسنتک وسائتک بنتک فانت مومن یعنی جب تجھ کو تیری نیکی خوش کرے اور تیرا گناہ تجھ کو ملول کرے تو بس تو مومن ہے۔[2]

اس مثال میں عربی میں حدیث بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قاری کی آسانی کے لیے اس کا اردو ترجمہ بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن اس حدیث کے ماخذ اور صحت کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

2۔ اس مثال میں حدیث کے ماخذ کا ذکر کیا گیا ہے:

صحیح مسلم میں نبی کریم سے مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے:

"میں اب تک اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے قبل مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔"[3]

3۔ امام احمد کی مسند میں ہے کہ جس شخص سے کسی گناہ کا صدور ہو جائے اور وہ وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھے اور اللہ سے بخشش طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے۔[4]

اس مثال سے حدیث کے ماخذ کے ساتھ اس کی صحت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

4۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ[5]

صاحب تفسیر اس آیت کو واضح کرتے ہوئے حدیث قدسی نقل کرتے ہیں۔

مزید مفسر اس آیت کی تفسیر میں قرآن کی دلیل کے ساتھ ساتھ امام غزالیؒ کے قول کو بھی نقل کرتے ہیں۔ علماء مفسرین کے ذکر کی تفصیل کے ساتھ مزید احادیث کا بھی ذکر کیا ہے۔

"حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایات میں مرفوعاً آیا ہے ذاکر کی مثال ایسی ہے جیسا زندہ شخص اور جو ذکر نہیں کرتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے میت۔"[6]

1۔ النحل: 44

2۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2015ء، 1/ 11

3۔ ایضاً، 1/ 65

4۔ ایضاً، 1/ 548

5۔ البقرۃ: 152

ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا دہلوی قرآن کی آیات کی تشریح میں کتب احادیث سے استدلال کر کے مفہوم کی وضاحت کو آسان بناتے ہیں تاکہ ہر قاری آسانی سے اس فہم کو سمجھ سکے۔

3۔ کتب سابقہ سے استدلال:

مولانا احمد سعید دہلوی کتب سابقہ سے بھی استدلال کرتے ہیں اور الہامی کتابوں میں موجود روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآنی الفاظ کی وضاحت کرتے ہیں۔

1۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے:

ثُمَّ أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا ... بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ [2]

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے توریت کا حوالہ دیتے ہیں:

"توریت میں ان کو تین حکم دیئے گئے تھے، ایک تو یہ کہ آپس میں کشت وخون نہ کرنا، دوم یہ کہ آپس میں ایک دوسرے کو جلاوطن نہ کرنا، سوم یہ کہ اگر کوئی اپنا بھائی کبھی گرفتار ہو جائے اور قیدی بنالیا جائے تو اس کا فدیہ ادا کر کے اس کو چھڑا لینا۔ اب یہ لوگ توریت کے پہلے اور دوسرے حکم کی کھلم کھلا مخالفت کرتے تھے اور تیسرے حکم کو بڑے اہتمام کے ساتھ پورا کرتے تھے۔ اسی کو فرمایا کہ توریت کا کچھ حصہ مانتے ہو اور کچھ کے منکر ہوتے ہو"[3]

2۔ اسی طرح سورۃ الصف میں ارشاد ربانی ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ [4]

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے توریت، زبور، انجیل کا حوالہ دیتے ہیں۔

"نبی کریم کی کتب سابقہ میں پیشین گوئیاں موجود ہیں اور آپ کا مختلف ناموں سے تعارف کرایا گیا ہے۔ مثلاً توریت میں آپ کا نام احید ہے۔ زبور میں آپ کو ماحی کہا گیا ہے۔ انجیل میں آپ کا نام احمد بتایا ہے۔"[5]

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 1/ 144

2۔ البقرۃ: 152

3۔ ص: 75

4۔ الصف: 6

5۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 4/ 2790

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تفسیر کرتے ہوئے تمام آثار سے استدلال کرتے ہوئے الہامی کتب کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔

4۔ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے استدلال:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ معزز ہستیاں ہیں جنہوں نے بلاواسطہ نبی کریم سے اللہ سے قرآن پڑھا اور سمجھا۔ امام عبدالرحمن سلمی فرماتے ہیں صحابہ میں سے جو حضرات قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مثلاً حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہؓ وغیرہ۔ انہوں نے ہمیں حدیث کے ذریعے بتایا کہ جب وہ آپ سے دس آیات سیکھتے تو ان سے اس وقت تک آگے نہ بڑھتے جب تک کہ ان آیات کی تمام علمی و عملی باتوں کا علم حاصل نہ کر لیتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو مشہور مفسر صحابی ہیں فرماتے ہیں: "اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ کتاب اللہ کی کوئی آیات ایسی نازل نہیں ہوئی جس کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کس بارے میں اور کہاں نازل ہوئی۔"[1]

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۔۔ بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۔۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ[2]

اس آیت کی تفسیر میں قول صحابہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "حضرت ابن عباسؓ، حضرت مجاہدؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت عکرمہؒ اور حضرت حسنؒ اور حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عطاءؒ وغیرہم کا قول ہے تو پھر مطلب صاف ہے کہ جس شخص نے شرک کا یا کفر کا ارتکاب کیا اور مشرک و کفر نے اس کو اور اس کے دل کو ہر طرف سے گھیر لیا تو بس ایسے لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے"[3]

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ[4]

1۔ ابن کثیر، عماد الدین، مقدمہ: تفسیر ابن کثیر، قاہرہ، دارالحدیث: 1/6

2۔ البقرہ: ۸۰تا۸۲

3۔ ص:71

4۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 1/617

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ:

"وہ فرمایا کرتے تھے اگر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد نہ لیا ہوتا کہ مضامین کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور چھپانا نہیں تو میں تمہارے سامنے کبھی حدیث نہ بیان کرتا یہ کہہ کر قرآن کی زیر بحث آیت پڑھا کرتے تھے۔"

ان آیات کی روشنی سے معلوم ہوا کہ مفسر قرآنی الفاظ کی وضاحت میں اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے استفادہ کرتے ہوئے تشریح کو آسان کر دیا۔

5۔ تفاسیر سے استدلال:

مولانا احمد سعید اپنی تفسیر کے اندر دوسری تفاسیر سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

1۔ سورۃ آل عمران میں تفسیر مظہری کا حوالہ دیتے ہیں:

الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ [1]

صاحب تفسیر مظہری حضرت قاضی ثناء اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"صابرون سے مراد صوفیہ، غازی اور شہداء ہیں۔ صادقون سے مراد علماء ہیں۔ قانتون سے مراد وہ زاہد ہیں جو نمازوں میں طویل قیام کرتے ہیں۔ منفقوں سے مراد وہ نیک دولت مند ہیں جو حلال سے روپیہ کماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کرتے ہیں اور مستغفرون بالاسحار سے وہ توبہ کرنے والے مراد ہیں جو نادانی سے کوئی غلطی کر بیٹھتے ہیں اور گناہ کے متصل ہی توبہ کرتے اور معافی چاہتے ہیں۔" [2]

2۔ سورۃ النساء کی آیت 142 میں لفظ "یراءون" کی وضاحت کرتے ہوئے تفسیر کشاف کا حوالہ دیتے ہیں۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا [3]

"صاحب کشاف نے کہا ہے مذبذب اس کو کہتے ہیں جو دونوں جانب دفع کیا جائے گل بازی کے کھیل کی طرح جس طرف جائے وہی پھینکے اور اپنی طرف سے

1۔ آل عمران: 17

2۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 1/ 407

3۔ النساء: 142

دوسری طرف دفع کرے چونکہ دل سے کافر ہیں اس لیے مسلمانوں میں مشتبہ اور
نامقبول اور چونکہ ظاہر میں مسلمان ہیں۔ اس لیے کافروں میں مشتبہ اور
نامقبول۔"[1]

6۔ اسرائیلی روایات پر نقد:

مولانا تفسیر کرتے ہوئے اسرائیلی روایات لینے سے گریز کرتے ہیں اگر کہیں اسرائیلی روایات کو لیا ہے تو ان پر نقد کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ
إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ[2]

اس آیت میں حضرت داؤدؑ کی طرف اشارہ ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت میں ایسی روایات کا ذکر کیا کہ انسان پڑھ کر اُسے ششدر رہ جاتا ہے۔ ایسے الفاظ اور باتیں منسوب کی جاتی ہیں انبیاء علیہم السلام کی طرف جو ان کی شایانِ شان نہیں۔ مولانا صاحب لکھتے ہیں:

"علمائے متقدمین نے ان کی سخت تنقیص کی ہے اور ان روایات پر سخت نکتہ چینی کی ہے اور ان کو اسرائیلیات سے ماخوذ بنایا ہے۔ ایسا نہ تو حضرت داؤدؑ نے کیا اور نہ ایسا خدا کے ایک پیغمبر صاحب زبور سے ممکن تھا۔ نعوذ باللہ من ھذا الخرافات کسی شخص کی بیوی حاصل کرنے کے لیے اس شخص کو فوج میں رکھ کر قتل کرانا معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام کی شان اس سے بہت ارفع اور بلند ہے"[3]

7۔ فقہی مسائل میں اقوال ائمہ سے استدلال:

مولانا احمد سعید اپنی تفسیر میں فقہی آیت کے اندر فقہی مسائل سے بھی آگاہ کرتے ہیں۔ ان فقہی مسائل میں ائمہ کے مختلف اقوال کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 2/580

2۔ ص: 24

3۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 3/2329

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ[1]

اس آیت میں ثلثۃ قروء کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مرد جب عورت کو طلاق دے تو اس مطلقہ عورت کو طلاق کے بعد تین حیض آنے تک انتظار کرنا چاہیے تاکہ رحم کی حالت معلوم ہو جائے اور آئندہ اولاد میں کوئی مغالطہ واقع نہ ہو جب تک تین حیض پورے نہ ہو جائیں اس وقت تک کسی مرد سے نکاح نہ کرے ورنہ نکاح معتبر نہ ہو گا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بجائے حیض کے لفظ قروء سے طہر مراد ہے۔ یعنی تین حیض کی بجائے حیض کے لفظ قروء سے طہر مراد ہے۔ یعنی تین حیض کی بجائے تین طہر پورے کرتے ہوں گے "[2]

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا --------مَالَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ[3]

اس آیت میں خوف کی صورت میں نماز پڑھنے سے آگاہی کے ساتھ ساتھ آئمہ کے اقوال کو بطور دلیل پیش کیا ہے:

"مطلب یہ ہے کہ نماز کی محافظت اور مداومت کی صورت وہی ہے کہ جملہ آداب وواجبات کی رعایت سے مؤدبانہ اور نیاز مندانہ نماز کو ادا کیا جائے۔ لیکن اگر جنگ وغیرہ کی وجہ سے اس کا موقعہ نہ ملے تو پھر جس طرح ممکن ہو کھڑے کھڑے ادا کر دلو۔ رکوع سجدے کا موقعہ نہ ہو تو اشارے ہی سے ادا کر لو۔ رکوع کے لیے کم اور سجدے کے لیے تھوڑا سا زیادہ جھک جاؤ۔ قبلہ کی جہت نہ ہو تو بھی مضائقہ نہیں۔ یہی حالت سواری کی ہے۔ خواہ سواری کا رخ قبلہ کی طرف ہو یا نہ ہو۔ بہر حال نماز قضا نہ کرو۔ ہاں اگر ایک جگہ کھڑے ہونے کا موقعہ بھی میسر نہ آئے یا معرکہ کارزار گرم ہو تو مجبوراً نماز قضا کر دی جائے گی اور اطمینان میسر

1۔ البقرہ2: 228

2۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 18254

3۔ البقرہ2: 228

ہونے کے بعد پڑھی جائے گی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی حالت میں چلتے چلتے
بھی نماز پڑھ سکتے ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چلتے چلتے نہیں پڑھ سکتے"[1]

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ
وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ
إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ
إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا
حَكِيمًا[2]

اس آیت میں قتل کی دیت وغیرہ کے بارے میں مذکورہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر غلطی سے ایسا ہو جائے تو معذوری ہے۔ اس بارے میں درج ذیل احکام ہیں:

"خطاء قتل کے دو حکم مذکور ہیں ایک مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کرنا، دوسرا خون بہا دینا جس کو دیت کہتے ہیں۔ یہ دیت مقتول کے ورثاء پر تقسیم کی جاتی ہے اور شرعی حصوں کی طرح تقسیم ہوتی ہے۔ ہاں اگر مقتول کے وارث بعض یا کل رقم معاف کر دیں یا بعض وارث اپنا حصہ معاف کر دیں تو معافی ہو جاتی ہے۔ خون بہا میں اگر اونٹ دیئے جائیں تو سو اونٹ ہیں اگر نقد دیا جائے تو ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم دیئے جائیں۔ سو اونٹ جو دیت میں جائیں گے امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ایک عمر کے نہ ہوں گے بلکہ پانچ قسم کی عمر کے ہوں گے۔ بیس جذعہ، بیس حقہ، بیس بنت لبون، بیس بنت مخاض اور بیس ابن مخاض۔ جذعہ وہ اونٹ جو چار سال پورے کر کے پانچویں میں لگا ہو اور حقہ وہ اونٹ جو تین سال پورے کر کے چوتھے میں لگا ہوا اور بنت لبون وہ اونٹ جو دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں لگا ہو اور بنت مخاض وہ اونٹ جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں لگا ہو نر اور مادہ فرق کی وجہ سے پانچویں قسم میں ابن مخاض نے کہا: حنیفہ کے

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 1 / 281
2۔ النساء 4: 92

نزدیک عورت کی دیت مرد سے نصف ہے۔ اور حنیفہ کے نزدیک مسلمان اور

ذمی کی دیت یکساں ہے"[1]

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولانا فقہی آیات سے متعلقہ احکام کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ احکام کو بیان کرنے کے بعد مفسر مزید یہ بھی بتاتے ہیں کہ ان احکام کو مزید پڑھنے کے لئے فقہی کتب سے رجوع کریں۔

8۔ اقوال صوفیہ

مولانا احمد سعیدؒ کی تفسیر کے اندر کہیں کہیں صوفیہ کے قول کا ذکر بھی ملتا ہے۔ لیکن یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ کس صوفی کا قول ہے؟

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ[2]

اس آیت مبارکہ میں "محب" کی وضاحت کرتے ہوئے صوفیہ کا قول لکھتے ہیں:

"العشق نار فی القلوب تحرق ماسوی المحبوب"[3]

یعنی محبت اور عشق قلب کی ایک آگ ہے۔

9۔ لغت سے استشہاد:

تفسیر کشف الرحمن میں بہت سے الفاظ کی وضاحت لغت کے ذریعے سے کی گئی ہے اور اس انداز سے وضاحت کی کہ ہر قاری کے لئے آسانی ہو۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ[4]

اس آیت میں لفظ "رشد" کی وضاحت لغت سے اس طرح کرتے ہیں:

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 32/782

2۔ آل عمران 3: 31

3۔ ج: 1، ص: 426

4۔ البقرہ 2: 256

"اہل لغت نے رُشد اور رَشد میں فرق کیا ہے۔ رُشد (بضم الاول) کا تعلق تو امور دینوی اور اخروی دونوں سے ہے اور رَشد (بفتحھا) کا تعلق صرف امور اخروی سے ہے"[1]

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ[2]

اس آیت میں تربص کی وضاحت لغت عرب سے کرتے ہیں:

"تربص انتظار کرنا عرب جب بولتے ہیں تربصت الامر بفلان تو مطلب ہوتا ہے انتظرت وتوعدیہ"[3]

میں اس کا انتظار کرتا ہوں جس کا تونے وعدہ کیا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

انہ اواب[4]

اس آیت میں اواب کا معنی لغت کی روشنی میں بتاتے ہیں کہ:

"اس کے کئی معنی ہیں اواب رجوع کرنے والا، تسبیح کرنے والا، یقین کرنے والا"[5]

ان مثالوں سے معلوم ہوا مولانا دہلوی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے لغات اور بعض مقامات پر مفسرین کے معنی کو بھی مد نظر رکھتے ہیں اور ان کی مدد سے الفاظ کی لغوی تشریح کرتے ہیں۔

10۔ معاشرتی مسائل کی اصلاح

معاشرہ اس وقت جن مسائل سے دوچار تھا مولانا اپنی اس تفسیر کے اندر ان مسائل کی آگاہی فراہم کرتے ہیں۔ مسائل کی نشاندہی کی ہے اور اس کی روک تھام کے لئے تجاویز بھی کی ہیں تاکہ معاشرہ کی اصلاح ہو سکے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ

حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا

1۔ ج:1، ص:310

2۔ النساء:4: 141

3۔ ج:3، ص:847

4۔ ص: 17

5۔ ج:3، ص:2327

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۖ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ [1]

اس آیت میں مشرک عورت و مرد سے نکاح کے بارے میں حکم ہے کہ کس عورت و مرد سے نکاح جائز ہے۔ اگر نہیں جائز اس کی کیا وجہ؟ اور اگر نکاح اہل کتاب مرد و عورت سے کر لیا تو اس کی چھان بین کا حکم ہے۔

"مسلمان کسی مشرکہ سے نکاح نہیں کر سکتا خواہ وہ بت پرست ہو یا گواکب پرست ہو یا کسی اور مخلوق کو پوجتی ہو۔ اسی طرح مسلمان عورت کسی مشرک اور کافر کے نکاح میں نہیں دی جا سکتی۔ خواہ وہ بت پرست ہو یا گواکب پرست ہو یا کسی اور مخلوق کو پوجتا ہو اور خواہ وہ کافر اہل کتاب ہو البتہ مسلمان ایک کتابیہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ غرض یہ چار صورتیں ہیں:

(1) مرد مسلمان ہو اور عورت مشرکہ ہو

(2) مرد مسلمان ہو اور عورت کتابیہ ہو۔ مثلاً یہودی ہو یا نصرانیہ ہو

(3) عورت مسلمان ہو اور مرد مشرک ہو

(4) عورت مسلمان ہو اور مرد کتابی یعنی یہودی یا نصرانی ہو

ان چاروں صورتوں میں صرف دوسری صورت جائز ہے باقی تینوں صورتیں حرام ہیں۔ دوسری صورت جو جائز ہے اس میں اس امر کی پابندی ضروری ہے کہ وہ کتابیہ صحیح معنی میں کتابیہ ہو ایسا نہ ہو کہ نہ وہ خدا کی قائل ہو۔ نہ حضرت عیسیٰ کو مانتی ہو نہ انجیل پر ایمان رکھتی ہو۔" [2]

اس کے آگے عصر حاضر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جیسا کہ آج کل ہمارے تعلیم یافتہ حضرات یورپ اور امریکہ کی عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اہل کتاب ہیں حالانکہ وہ نہ عیسائی ہوتی ہیں

1۔ البقرہ 2: 221

2۔ ج: 1، ص: 243

اور نہ صحیح معنی میں یہودی ہوتی ہیں اس لیے بغیر تحقیق کے ان کا مذہب معلوم کیے بغیر ان سے نکاح کرنا نہیں چاہیے۔"[1]

اسی طرح بعض مسلمان اقوام اسی لیے مسلمان قوم کو چاہیے کہ جب وہ یورپین ممالک میں جائیں تو ان کے عقائد اور رسم و رواج کو اپنانے قطعاً گریز کریں اور نکاح جیسا مقدس رشتے میں استوار ہونے سے پہلے چھان بین کر کے مطمئن ہو جائیں۔ چونکہ نکاح کا معاملہ بہت اہم ہے اس لیے نکاح سے پہلے ان امور کی تحقیق ضروری ہے۔

11۔ سبب نزول سے وضاحت:

مولانا محمد سعید بعض سورتوں اور آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ان کا شان نزول بھی بیان کرتے ہیں۔

i۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ[2]

اس کی تشریح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ:

"بعض حضرات نے کہا ہے آیت حضرت صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں نازل ہوئی بعض نے کہا حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بعض نے کہا عبد الرحمن بن عوفؓ کے حق میں یہ آیت اتری ہے"[3]

ii۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ:

أَفَمَن وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَن مَّتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ[4]

اس آیت کے ضمن میں سبب نزول کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اور ابو جہل کے مابین سخت گفتگو ہوتی تھی ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی یا شاید عمار بن یاسرؓ اور ولید بن مغیرہ کی باہمی تکرار کے سلسلے میں نازل ہوئی"[5]

1۔ ج:1، ص:243

2۔ البقرہ2: 274

3۔ ج:1، ص: 349

4۔ القصص28: 61

5۔ ج:3، ص:2039

iii۔ سورۃ الاخلاص کے شان نزول کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"بعض یہود اور مشرکین نے نبی کریم سے دریافت کیا کہ اپنے پروردگار کا وصف اور نسب بیان کیجیے وہ کیا کھاتا ہے کہاں رہتا ہے۔ یہ حکومت اس کے پاس کہاں سے آئی۔ اس کے بعد کون وارث ہو گا۔ عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ نے کہا آپ ہم کو کس کی دعوت دیتے ہیں۔ حضور آ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ ان دونوں نے کہا اللہ تعالیٰ کس چیز کا ہے۔ لوہے کا ہے یا لکڑی کا ہے۔ چاندی کا ہے یا سونے کا ہے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔"[1]

12۔ ربط آیات:

مولانا محمد سعید تفسیر کے دوران ربط آیات بھی بیان کرتے ہیں۔ اس کا مقصد قاری کو آیات کا مفاہیم سمجھنے میں آسانی ہو۔

1۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ[2]

آل عمران کی آیت 26 کا ربط آیت نمبر 27 کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:

"اب اسی اتار چڑھاؤ اور تاریخی انقلاب پر ایک اور استدلال فرماتے ہیں اور اس کا طریقہ بھی خوب ہی اختیار فرمایا ہے۔ یعنی وہ بھی اللھم ملک الملک کا ایک حصہ ہے اور اسی دعا کا ایک جزء ہے جو اپنے پیغمبر کو تعلیم فرمائی ہے مگر ایک ٹکڑا دعویٰ ہے عموم مالکیت کا اور دوسرا ٹکڑا اس عموم کی دلیل ہے کہ زمین کی حکومتوں کی الٹ پلٹ اسے کیا مشکل ہے جو دن اور رات کی الٹ پلٹ کرتا ہے۔ تاریک زمانہ کو روشن کرتا اور روشن حصے کو بے نور کر دیتا ہے اور اس کے نزدیک پست اقوام کو اونچا کر دینا اور اونچوں کو نیچا کر دینا کون سا مشکل کام ہے جو مردوں سے زندہ اور زندوں سے مردہ نکالتا ہے۔"[3]

1۔ ج:4، ص:3129

2۔ آل عمران: 26

3۔ 1/417

2۔ قرآن مجید کی سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ[1]

مولانا ان آیات کا ربط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اوپر کی آیتوں میں اہل کتاب کی اس خیانت کا ذکر تھا جو وہ دین میں کرتے تھے۔ اب آگے ان کی اس خیانت کا ذکر ہے جو وہ مال میں کیا کرتے تھے اور چونکہ مال کے معاملہ میں سب یکساں نہ تھے اس لیے دونوں فریق کا ذکر فرماتے ہیں معاملات کا تعلق بھی دین ہے معاملات میں بھی وہی برا ہوتا ہے۔ جو دینی اعتبار سے کمزور ہوتا ہے اور معاملات کی کمزوری بھی اسی میں ہوتی ہے۔ جس کا دین ضعیف ہوتا ہے۔ اس لیے آگے کا مضمون سابقہ مضمون کے ساتھ مربوط ہے۔"[2]

فوائد اور لطائف:

مولانا اپنی تفسیر بیان کرتے ہوئے جگہ جگہ قیمتی فوائد اور دقیق علمی لطائف ذکر کرتے ہیں:

قرآن پاک کی سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ[3]

مولانا اس آیت کی روشنی میں بغیر حق پر ایک دقیق لطائف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ صرف نبیوں کو ہی قتل نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے جانشین علماء اور زہاد کو بھی قتل کر دیا کرتے تھے۔ گویا ہدایت کی تمام راہیں اور سب دروازے ہی مسدود کرنے کے درپے تھے اور ہمیشہ اہل باطل کا یہی دستور رہا ہے کہ انہوں نے پیغمبر کے بعد علماء حق کو قتل کیا ہے اور ان کے اثر کو زائل کرنے کی ہمیشہ کوشش کی ہے

1۔ آل عمران: 71

2۔ 1/274

3۔ آل عمران: 21

تاکہ حق کی مخالفت میں ان اہل باطل کو آسانیاں مہیا ہو جائیں اور کوئی جائز و ناجائز کہنے والا باقی نہ رہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آواز بند ہو جائے۔"[1]

قرآن پاک کی سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[2]

اس آیت کی روشنی میں مولانا حب الٰہی کے فوائد بیان کرتے ہیں کہ:

"بہر حال جو محبت یہاں زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ محبت کرنے والے کا قلب محبوب کے ساتھ اس قدر مشغول ہو اور محبوب کا انس اس قدر غالب ہو کہ کسی دوسری جانب التفات نہ کر سکے اور غیر کا دھیان نہ کرے اور ہر وقت توجہ محبوب کی جانب رہے۔ اس محبت کا مقتضایہ ہوتا ہے کہ محبوب کی مرضی اور اس کی رضا جوئی میں لگا رہتا ہے اور محبوب کی ہر ناپسند چیز کو برا سمجھتا ہے۔ قطع نظر کسی خوف یا طمع کے یعنی بالذات نہ کوئی لالچ مقصود ہوتا ہے نہ کوئی خوف دامن گیر ہوتا ہے اگرچہ خوف و طمع ہو لیکن مقصود بالذات اُدھر توجہ نہ ہو۔ یہ وہ محبت ہے جو بندہ کی جانب منسوب ہوتی ہے اور یہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت پر یہ باتیں چسپاں نہیں ہوتیں نہ وہ کسی سے غافل ہوتا ہے اور نہ کسی جانب ایسا متوجہ ہوتا ہے کہ دوسری جانب کی خبر نہ رہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی محبت ایک خاص انس ہے جس کا مقتضایہ ہے کہ بندے کو اپنی جانب متوجہ رکھیں اور غیر کی جانب متوجہ ہونے کی اس کو مہلت اور فرصت نہ دیں۔"[3]

14۔ علم الکلام:

مولانا اپنی تفسیر میں بعض مقامات پر عقائد سے متعلق آیات پر کافی سیر حاصل گفتگو کرتے ہیں اور بعض آیتوں کی تفسیر کے تحت متکلمین کے نظریات و اختلافات کا جائزہ لینے کے بعد اہل سنت والجماعت کے عقائد کو واضح کرتے ہیں۔

عقیدہ ذات وصفات باری تعالیٰ

1۔ 414/1

2۔ آل عمران: 31

3۔ 426/1

عقیدہ توحید قرآن پاک کے بنیادی اور اساسی موضوعات میں سے ہے۔ اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے اگرچہ قرآن پاک میں متعدد آیات بینات میں دلائل و براہین قاطعہ موجود ہیں۔ لیکن سورۃ اخلاص میں اللہ پاک نے اپنی توحید کا جو جامع تصور عطا فرمایا ہے کسی اور مقام پر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ مبارکہ کو سورۃ توحید بھی کہتے ہیں:

قرآن میں ارشاد ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ[1]

اس آیت کی تفسیر میں دہریوں اور مجوسیوں کے عقائد کو ظاہر کرتے ہوئے ان کا رد کیا ہے:

"اس میں دہریوں کا مجوسیوں کا ابطال ہو گیا جو کہتے ہیں خدا کا وجود نہیں اور مجوسی کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں دو خدا ہیں ایک خیر کا اور دوسرا شر کا اور عام بت پرستوں کا بھی رد ہے جو معبودان باطلہ کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں شریک کرتے ہیں۔"[2]

قرآن میں ارشاد ہے:

اللّٰهُ الصَّمَدُ[3]

اس آیت میں ان سب لوگوں کا رد ہے جو غیر اللہ کو کسی درجہ میں مستقل مانتے ہیں:

"ہنود کے بعض فرقے جو روح اور مادے کی قدامت کے قائل ہیں ان کا رد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم کے بنانے میں روح اور مادے کا محتاج ہے اور روح اور مادہ اپنے استقلال میں اللہ تعالیٰ کے محتاج نہیں ہے جیسا کہ اس فرقے کا دعویٰ ہے اس آیت میں ان کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں عالم کے لیے ایک خالق کافی نہیں ہے بلکہ کئی صانع ہونے چاہیں اور عالم کے بنانے کے لیے کئی خالق ہونے کی ضرورت ہے۔"[4]

قرآن میں ارشاد ہے:

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ[5]

1۔ الاخلاص: 1

2۔ 1/3149

3۔ اخلاص: 2

4۔ ؟؟

5۔ اخلاص: 3

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں جیسے یہودی اور نصاریٰ اور مشرکوں کی وہ جماعت جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں اولاد میں احتیاج بھی ہے اور واجب الوجود ہونے کے بھی منافی ہے جب اپنے وجود میں محتاج ہوا باپ کا تو واجب الوجود کہاں رہا۔"[1]

15۔ اشعار سے استشہاد:

مولانا کا تفسیر میں تحریر کا اپنا اسلوب نگارش ہے جو انتہائی دلکش ہے۔ زبان وبیان کے لحاظ سے الفاظ میں بہت ندرت پائی جاتی ہے۔ موقع ومحل کی مناسبت سے ایسے اشعار پیش کرتے ہیں۔ مقصود معانی ومفہوم قاری کے دل میں پیوست ہو جاتا ہے۔

i۔ قرآن میں ارشاد ہے:

ثم اخذت الذين[2]

اس آیت کی وضاحت میں فارسی کا ایک شعر ان الفاظ میں بیان کرنے کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی قاری کی آسانی کے لیے دیا۔

تواں پاک کردن ز زنگ آئینہ
ولیکن نیاید ز سنگ آئینہ

ان کے دل آئینہ نہ تھے جو صاف ہو سکتے ان کے دل پتھر ہو چکے تھے جن کو آئینہ بنانا نا ممکن تھا۔[3]

ii۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

إن الله يدخل الذين آمنوا وعملوا الصالحات جنات تجري من تحتها الأنهار ۖ والذين كفروا يتمتعون ويأكلون كما تأكل الأنعام والنار مثوى لهم[4]

مولانا تفسیر کے اندر مومن اور منکر کے کھانے میں فرق کی وضاحت شیخ سعدیؒ کے فارسی شعر سے کرتے ہیں۔ لیکن ترجمہ ذکر نہیں کرتے:

1۔ ؟؟

2۔ الفاطر: 26

3۔ ص: 3/2248

4۔ محمد: 12

خوردن برائے زیستن وذکر کردن است

تو معتقد آں کہ زیستن برائے خوردن است[1]

کھانا، پینا، زندہ رہنے اور خدا کو یاد کرنے کے لیے ہے لیکن تو یہ سمجھتا ہے کہ زندگی کھانے پینے اور موج اڑانے کے لیے ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فللہ الاخرۃ والاولی[2]

اس آیت کی تفسیر کے اندر مولانا انسان کے تمنا کے بارے میں عربی شعر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ماکل ما یتمنی المریدرکہ

تجری الریاح بمالا تشتھی السفن[3]

ہر وہ چیز جس کی آدمی تمنا کرتا ہے اس کو پا نہیں سکتا۔ ہوائیں اس طرف بھی چلتی ہیں جو سفینے نہیں چاہتے۔

16۔ حروف مقطعات:

قرآن کریم میں متعدد ایسی سورتیں ہیں جن کے ابتداء میں کچھ ایسے حروف آتے ہیں جن کو باوجود مقرون ہونے کے الگ الگ پڑھا جاتا ہے۔ علماء تفسیر کی اصطلاح میں ایسے حروف کو "حروف مقطعات" کہا گیا ہے۔ ان حروف کے بارے میں مختلف مفسرین اور مترجمین نے الگ الگ نقطہ نظر اپنایا ہے۔ کچھ حضرات نے ان کے معانی ومفاہیم متعین کرنے کی کوشش کی ہے لیکن زیادہ تر مفسرین نے محتاط رویہ اختیار کیا ہے۔ مولانا احمد سعید حروف مقطعات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> "الف۔ لام۔ میم حروف تہجی ہیں ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔ تمام قرآن میں یہ حروف انتیس (29) سورتوں کی ابتداء میں آتے ہیں۔ کسی سورت کی ابتداء میں حرف ایک ایک حرف ہے۔ جیسے قاف۔ نون، صاد اور کسی سورت کیا بتداء میں حرف دو (2) ہیں جیسے طاہا، یا، سین اور کسی سورت کی ابتداء میں تین (3) ہیں جیسے الف۔ لام، میم اور الف۔ لام را۔ اور کسی سورت کی ابتداء میں ان حروف مقطعات کی تعداد چار (4) ہے جیسے الف۔ لام۔ میم۔ صاد اور کسی سورت

1۔ 4/2562

2۔ النجم: 25

3۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 4/2668

کی ابتداء میں ان کی تعداد پانچ ہے۔ جیسے کاف۔ ہا۔ یا۔ عین۔ صاد اور حا۔ میم۔ عین۔ سین۔ قاف۔ بہر حال یہ حروف اللہ تعالیٰ کے اسرار اور اس کے بھیدوں میں سے کچھ ایسے بھید ہیں جن کو وہی خوب جانتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان حروف کے معنی اور ان کی حقیقی مراد سے اور اس بھید سے جو ان حروف میں پنہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آگاہ کر دیا ہو یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب اس کے معنی سوائے اللہ تعالیٰ اور نبی کریم کے کوئی نہیں جانتا تو پھر علماء مفسرین نے ان کے معنی کیوں بیان کیے ہیں۔ جواباً گذارش ہے کہ جن حضرات نے ان کے معنی بیان کیے ہیں۔ وہ تخمینی ہیں جو محض تمثیل و تنبیہ کے طور پر بیان فرمائے ہیں اور جو لوگ معنی کی نفی کرتے ہیں اور کچھ کہنے سے انکار کرتے ہیں۔ وہ حقیقی معنی اور حقیقی مراد کا انکار کرتے ہیں۔ وہ حقیقی معنی اور حقیقی مراد کا انکار کرتے ہیں۔ لہذا بیان کرنے والوں اور خدا کے سپرد کرنے والوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی نے اپنی تفسیر عزیزی میں ان حروف کی تحقیق کے بارے میں قدمائے۔ مفسرین کے سولہ اقوال نقل کیے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بمرادہ "[1]

17۔ اقسام القرآن:

قرآن کریم کے طرز خطاب میں ایک نمایاں اور خصوصی طرز اقسام القرآن بھی ہے جو مطالب مضامین کی صداقت وحقانیت کی گویا دلیل و برہان ہوتی ہیں۔ قرآن مجید کی پندرہ سورتوں کا آغاز قسم سے ہوا۔ والذاریات، والمرسلات، والطور جس میں زمین کے ایک جز کی جو پہاڑ ہے، والتین میں نباتات کی اور والنازعات میں حیوان ناطق۔ مولانا احمد سعید کی تفسیر کے اندر سے اس کا اسلوب بیان کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں۔

سورۃ الحجر میں اللہ کا ارشاد ہے:

"لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ"[2]

اس کی تشریح میں مفسر لکھتے ہیں کہ:

1۔ دہلوی، احمد سعید، کشف الرحمن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2015ء، 1/6

2۔ الحجر: 72

"اے پیغمبر قسم ہے آپ کی جان کی وہ اپنی مستی اور گمراہی کے نشے میں مدہوش تھے۔ ایک پیغمبر کی آبرو کا معاملہ ہے اس لیے حضرت حق تعالیٰ نے نبی آخر الزمان حضرت محمد کی جان کی قسم کھا کر فرمایا: جیساہ حدیث میں آتا ہے۔ غرض المسلم کدمہ حضرت شاہ صاحب "فرماتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے حضرتؐ کو فرماتا ہے تیری جان کی دے قوم لوطؑ اپنی مستی میں ان کی بات نہیں سنتے۔"[1]

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ"[2]

اس آیت کی وضاحت میں مولانا لکھتے ہیں کہ:

"بلد امین سے مراد مکہ معظمہ ہے جو محمد رسول اللہ کی ولادت مبارکہ کا شہر ہے۔ بلد امین اس وجہ سے فرمایا کہ یہ امن و امان کا مقام ہے جو ایمان کے ساتھ اس شہر میں داخل ہو ہر قسم کی آفات دنیوی اور اخروی سے مامون و محفوظ وہ گیا اور یہاں سے نبی کریم کا نور اور آپ کی شریعت تمام عالم میں پھیلی اور فاران کی پہاڑی سے حق کی آواز اس طرح سے گونجی کہ اس نے تمام دنیا کی آنکھیں کھول دیں اور جن کی قسمت اچھی تھی وہ اس روشنی سے مستفیض ہوئے۔ ان جملہ مقامات متبرکہ اور مقدسہ کی قسم کھا کر فرماتے ہیں۔ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے، قد و قامت اور مزاج کے اعتبار سے توسط اور اعتدال رکھا۔ عقل و تمیز فہم و فراست حسن صورۃ غرض خوبصورتی کے اعتبار سے تمام مخلوق سے بہتر اور بالاتر بنایا۔"[3]

تفسیر کشف الرحمن کے منہج و اسلوب پر نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولانا احمد سعید نے ان تمام نکات کو مد نظر رکھا ہے جو تفسیر جیسے اعلیٰ و ارفع موضوع کے لیے ضروری ہیں۔ تفسیر کشف الرحمن اپنے اسلوب کے اعتبار سے عصری اور روایتی تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ آپ کے اسلوب موضوع کی سنجیدگی کے ساتھ اردو ادب کی چاشنی بھی موجود ہے جس میں دہلی کا رنگ غالب ہے۔

1۔ دہلوی، احمد سعید، کشف الرحمن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2/ 1500

2۔ الحجر: 72

3۔ دہلوی، احمد سعید، کشف الرحمن، 4/ 3093

فصل سوم

تفسیر کشف الرحمن کے ماخذ و مصادر

کسی بھی تحریر کو خوبصورت بنانے کے لیے بنیادی ماخذ و مصادر سے استفادہ ضروری ہے۔ ان بنیادی ماخذ کی وجہ سے مصنف کے علمی ذوق اور اس کی تحریری اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ اس کا علمی ذوق کس نوعیت کا اور اس کی تحریر کس حد تک مستند ہے۔

مولانا احمد سعید دہلویؒ نے تفسیر کشف الرحمن میں مختلف ماخذ و مصادر سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن پاک کی وضاحت سادہ اور آسان لفظوں میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ ہر قاری کے لیے اس تفسیر کو سمجھنا آسان ہو اور علمی اضافے کا باعث ہو۔

مولانا احمد سعید دہلویؒ نے دوران تفسیر بنیادی کتب تفاسیر، کتب احادیث کے ساتھ ساتھ دیگر بنیادی کتب سے بھی استفادہ کیا۔ لیکن حوالہ دینے کا قدیم طریقہ اپنایا۔ اس کے علاوہ مفسر نے ثانوی ماخذ و مصادر سے بھی استفادہ حاصل کیا۔ مفسر نے تفسیر کے ابتداء میں ہی چند بنیادی کتب تفاسیر کے علاوہ کوئی باقاعدہ فہرست کا اہتمام نہیں کیا۔ جس سے واضح ہو کہ مفسر نے کن کتب سے استفادہ کیا۔

ماخذ کی تعداد:

تفسیر کشف الرحمن چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے ابتداء میں عنوانات کی فہرست تو موجود ہے۔ لیکن ماخذ و مصادر میں سولہ تفاسیر کے علاوہ کوئی فہرست مرتب نہیں کی۔ جس کی وجہ سے ماخذ کی تعداد کو معلوم کرنا مشکل ہے۔ لیکن میری معلومات کے مطابق اس تفسیر میں کتب تفاسیر کی تعداد ۲۶ کتب احادیث کی تعداد ۱۲، کتب سماوی کی تعداد 4، لغات کی تعداد 2 اور متفرق کتب کی تعداد ۳ ہے۔ جن میں تاریخ، سیرت اور شروحات وغیرہ شامل ہیں۔ بعض مقامات پر مصنف نے صرف مصنفین کے نام درج کیے ہیں۔

ماخذ کی حیثیت:

کشف الرحمن مع تیسیر القرآن و تسہیل القرآن تفسیر کی کتاب ہے۔ جو کہ بذات خود ثانوی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن روایتی مکتبہ فکر کے جمہور علماء کی نمائندگی کرنے والی یہ تفسیر اردو دان طبقہ کے لیے ایک مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ بعد کے آنے والے مفسرین نے اپنی تفاسیر کے اندر اس تفسیر کے حوالے درج کیے ہیں۔ جیسا کہ روح القرآن از مفتی محمد نعیم، تشریح القرآن از مولانا عبد الکریم پاریکھ اور معالم القرآن از مولانا محمد علی الصدیقی کاندھلوی کے

اندر تفسیر کشف الرحمن کے حوالے موجود ہیں۔ مولانا احمد سعید دہلویؒ نے اس تفسیر کو ۱۳ شعبان المعظم 1375ء بمطابق 27 مارچ 1956 کو مکمل کیا۔

اس تفسیر کا بغور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کا مطالعہ چند کتب تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ وسیع اور عمیق تھا۔ آپؒ دوران تفسیر بعض آیات کے اہم علمی نکات، خلاصہ اور ضروری فائدہ بھی بیان کرتے ہیں۔ آپؒ نے جن کتب تفاسیر کا حوالہ دیا ان میں جلالین، روح البیان، تفسیر کبیر، تفسیر مظہری اور مدارک وغیرہ شامل ہیں جو ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس کے علاوہ کتب احادیث میں، صحیح بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔

حوالہ جات کا اسلوب:

مولانا احمد سعیدؒ نے تفسیر کے اندر حوالہ جات کا جو اسلوب اپنایا وہ بالکل سادہ اور قدیم طریقہ کار ہے۔ آپؒ نے اصول تحقیق کے مطابق حوالہ جات کا اہتمام نہیں کیا۔ اس کے علاوہ حوالہ جات کا اسلوب ہر جگہ ایک جیسا نہیں۔ کہیں کتاب کا نام اور کہیں کتاب کے مصنف کا نام لکھا ہے۔ صفحہ نمبر اور جلد نمبر کا تذکرہ بالکل ہی نہیں کیا۔

ذیل میں آپ کے اسلوب حوالہ جات کی مثال سے وضاحت کی جاتی ہے۔ مولانا کبھی عبارت کے آغاز اور کبھی اختتام میں مصنف کا مختصر نام یا لقب لکھ دیتے ہیں۔ اور آخر پر صرف اس کی کتاب کا نام بغیر صفحہ اور جلد کے تحریر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 103 میں آپؒ لکھتے ہیں۔

"حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں فرض ہے ایک
جماعت قائم رہے جہاد کرنے کو اور دین کا تقیید رکھنے کو تا خلاف دین کوئی نہ
کرے اور جو اس کام پر قائم ہوں وہی کامیاب ہیں اور یہ کہ کوئی کسی سے تعرض نہ
کرے موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدین خود یہ راہ مسلمانوں کی نہیں۔" (موضح القرآن)
1

بعض جگہ مصنف عبارت کے آخر پر صرف کتاب کا نام یا مصنف کا نام تحریر کرتے ہیں۔ جلد اور صفحہ نمبر تحریر نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 159 میں عبارت کے آخر میں مصنف کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمٰن مع تیسیر القرآن و تسہیل القرآن، کراچی: رشیدیہ، 1999ء، 511/1

"ح ض ر ت ع ل ی اب ن ال ی ط ال ب س ے م ر ف وع ا ر و ای ت ہ ے ک ہ ح ض ر ت س ے ک س ی ن

دریافت کیا یا رسول اللہ عزم کیا ہے آپ نے فرمایا اہل رائے سے مشورہ لینا اور

ان کی رائے اور ان کے کہنے پر چلنا" (ابن مردویہ) [1]

اس مثال میں صرف کتاب کا نام درج ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 185 میں ہے۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے یہ ہاتھ لگانے میں بڑی نرم ہے مگر اس کا

زہر قاتل اور جان لیوا ہے بعض حضرت نے فرمایا ہے یہ تشبیہ آخرت کے مقابلہ

میں ہے۔ اور اس شخص کی تشبیہ ہے جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دے

ورنہ اگر کوئی دنیا کو آخرت کے حصول کا ذریعہ بنائے تو اس کے لئے نعم المال

الصالح للرجل الصالح" (روح المعانی) [2]

بعض اوقات مفسر عبارت کے ابتداء میں کتاب اور مصنف کا نام تحریر کرتے ہیں مثال کے طور پر سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 260 میں درج ہے۔

"علامہ ابن قیم نے مدارج سالکین میں عزیز کا ترجمہ کمال قوت اور حکیم کا ترجمہ

کمال حکمت کیا ہے" [3]

اس طرح مفسر عبارت کے ابتداء میں دو کتب کا مع مصنفین کا اکٹھا نام بغیر جلد، صفحہ اور مصنف کے تحریر کرتے ہیں سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 103 میں درج ہے۔

"بغوی نے شرح السنۃ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہ روایت نقل کی ہے

کہ نبی کریم شب معراج میں ایک ایسی قوم پر گزرے جن کے ہونٹ قینچیوں سے

کاٹے جا رہے تھے۔ آپ نے جبرائیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں

جبرائیل نے جواب دیا یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو خیر پر عمل

کرنے کو کہتے تھے اور اپنے آپ کو فراموش کئے ہوئے تھے۔" [4]

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 1/579

2۔ ایضاً، 1/613

3۔ ایضاً: 322

4۔ ایضاً: 510

مولانا نے اپنی تفسیر کے اندر جن کتب سے استفادہ حاصل کیا۔ ذیل میں ان کے نام مع مولف تحریر کئے گئے ہیں اور آخر میں چند کتب مع مصنفین کا تعارف اور مفسر نے ان کتب سے کس طرح استفادہ حاصل کیا دیا گیا ہے۔

قرآن مجید:

یہ آسمانی کتاب حضرت محمد پر نازل ہوئی۔

کتب سماوی:

مولانا احمد سعید نے اپنی تفسیر میں کتب ساوی کا بھی ذکر کیا۔

تورات:

یہ آسمانی کتاب حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی۔

زبور:

زبور الہامی کتاب ہے جو حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی

انجیل:

آسمانی کتاب جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی۔

کتب تفاسیر:

تفسیر کشف الرحمن میں مندرجہ ذیل کتب تفاسیر سے حوالہ جات لیے گئے ہیں۔

1۔ تفسیر جلالین:

جلال الدین محلی اور جلال الدین سیوطی نے یہ تفسیر لکھی ہے۔

2۔ روح البیان:

شیخ اسماعیل حقیؒ بن مصطفی الاسلامبولی نے یہ تفسیر لکھی ہے۔ اس کا پورا نام روح ابیان فی تفسیر القرآن " ہے۔

3۔ تفسیر کبیر:

امام فخر الدین رازی اس تفسیر کے مصنف ہیں۔ اس کا اصل نام مفاتیح الغیب " ہے۔

4۔ تفسیر مظہری

اس تفسیر کے مصنف قاضی ثناء اللہ پانی پتی ہیں۔ "تفسیر مظہری" کے نام سے مشہور ہے۔

5۔ مدارک

اس تفسیر کے مصنف ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد بن محمد نسفی ہیں۔ اس تفسیر کا پورا نام "مدارک التنزیل وحقائق التاویل" ہے۔

6۔ خازن

آپ کا نام امام ابوالحسن علی بن محمد ہے۔ لیکن خازن کے نام سے معروف ہیں۔ آپ کی تفسیر کا پورا نام "لباب التاویل فی معانی التنزیل" ہے۔ اصل میں یہ تفسیر ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی کی تفسیر معالم التنزیل فی تفسیر القرآن" کی تلخیص ہے۔

7۔ ابن کثیر

مفسر کا پورا نام اسماعیل بن عمر بن کثیر ہے۔ لیکن ابن کثیر کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی تفسیر کا نام "تفسیر القرآن العظیم" ہے۔

8۔ فتح البیان

اس تفسیر کے مفسر کا نام سید نواب صدیق حسن خان ہے۔ اس تفسیر کا پورا نام "فتح البیان فی مقاصد القرآن ہے۔

9۔ بیضاوی

مؤلف کا نام قاضی امام ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بیضاوی ہے اس تفسیر کا اصل نام "انوار التنزیل واسرار التاویل" ہے۔ لیکن تفسیر بیضاوی کے نام سے مشہور ہے۔

10۔ کشاف

تفسیر کشاف کے مفسر کا نام علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر بن محمد خوارزمی زمخشری ہے۔ اس تصنیف کا پورا نام "الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل" ہے۔ لیکن تفسیر کشاف کے نام سے زیادہ معروف ہے۔

11۔ تفسیر ابن جریر

آپ کا نام امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری ہے۔ آپ کی تفسیر کا مکمل نام "جامع البیان عن تاویل القرآن" ہے۔ مفسر کی یہ تفسیر ابن جریر اور تفسیر طبری کے نام سے بھی معروف ہے۔

12۔ بیان القرآن از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

13۔ تفسیر حسینی از ملا واعظ کاشفی

14۔ اعظم التفاسیر از محمد رحیم بخش دہلوی

15۔ تفسیر درالمنثور فی تفسیر الماثور از جلال الدین سیوطی

16۔ جامع التفاسیر از نواب قطب الدین دہلوی

17۔ تفسیر بغوی

"معالم التنزیل" حسین بن مسعود البغوی کی تفسیر ہے یہ تفسیر بغوی کے نام سے معروف ہے۔

18۔ تفسیر تسہیل القرآن از مولوی فیروزالدین خان

19۔ تفہیم القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

20۔ زادالمسیر از علامہ ابن جوزی

21۔ تفسیر عزیزی

اس تفسیر کے مؤلف کا نام شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ہے۔ اس تفسیر کا پورا نام "تفسیر فتح العزیز المعروف تفسیر عزیزی" ہے۔

22۔ فتح الرحمن از شاہ ولی اللہ

23۔ موضح قرآن از شاہ عبدالقادر

24۔ مصنف کا نام شہاب الدین محمود بن عبداللہ الحسینی الآلوسی ہے آپ کی تفسیر کا پورا نام "روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی" ہے۔ لیکن روح المعانی کے نام سے معروف ہے۔

25۔ تفسیر قرطبی

اس تفسیر کے مصنف ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی ہے۔ آپ کی تفسیر کا مکمل نام "الجامع لاحکام القرآن والمبین لما تضمن من السنۃ وآی القرآن" ہے۔ لیکن تفسیر قرطبی کے نام سے معروف ومشہور ہے۔

26۔ لفظی ترجمہ قرآن از شاہ رفیع الدین

کتب احادیث

مولانا احمد سعید نے قرآن پاک کی تفسیر کرتے ہوئے کتب احادیث سے مدد لی ہے۔

1۔ صحیح البخاری

اصل نام "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ" ہے اور اس کے مؤلف کا نام امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ہے۔

2۔ صحیح مسلم

اس کتاب کا مکمل نام "المسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل عن رسول اللہ" ہے۔ اس کتاب کے مصنف کا نام ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری ہے۔

3۔ جامع ترمذی، محمد بن عیسیٰ ترمذی کی تالیف ہے۔

4۔ سنن نسائی از احمد بن شعیب ابن علی ابن سنان ابو عبد الرحمن نسائی کی تصنیف ہے۔

5۔ سنن ابی داؤد کے مؤلف امام ابو داؤد سلیمان اشعث ہیں۔

6۔ سنن بیہقی

اسے سنن الکبریٰ بھی کہتے ہیں۔ اس کو امام ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی نے تالیف کیا ہے۔

7۔ مستدرک حاکم

ابو عبد اللہ حاکم محمد بن عبد اللہ حکیم کی تصنیف ہے۔ اسے "المستدرک علی الصحیحین" بھی کہتے ہیں۔

8۔ مسند احمد

اس کا اصل نام "مسند الامام احمد بن حنبل" ہے۔ جو امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل کی تالیف ہے۔

9۔ کتب السنن، حافظ سعید بن منصور بن شعبہ خراسانی نے تالیف کیا ہے۔

10۔ ابن ماجہ

سنن ابن ماجہ کے مؤلف کا پورا نام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ہے۔

11۔ ابو یعلی

اس کتاب کے مؤلف کا پورا نام "شیخ الاسلام ابو یعلی احمد بن علی بن المثنیٰ" ہے۔ اس کتاب کا اصل نام مسند ابو یعلی الموصلی ہے۔

12۔ طبرانی

امام طبرانی کا پورا نام "ابو القاسم سلیمان بن احمد بن طبرانی ہے۔ کتب حدیث میں ان کی تین کتابیں معجم الکبیر طبرانی، معجم الاوسط طبرانی اور معجم الصغیر مشہور ہیں۔

لغات

1۔ لغات فیروز آبادی از القاموس المحیط

2۔ امام راغب اصفہانی از مفردات القرآن

متفرق

1۔ طبقات ابن سعد

ابن سعد کا پورا نام "ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع ہے۔ طبقات ابن سعد المعروف الطبقات الکبیر ہے۔

2۔ ابن حبان

آپ کا اصل نام محمد تسیمی ابن حبان ابن احمد بن حبان" ہے۔ آپ کی مشہور کتابوں میں معروف کتاب "کتاب الصحابہ" ہے۔

3۔ حسین بن مسعود از شرح السنۃ

4۔ علامہ زرقانی از شرح المواہب الدینہ

صاحب کشف الرحمن نے جن کتب سے استفادہ کر کے اپنی تفسیر تحریر کی ہے۔ ان میں سے چند کا تعارف مع احوال مصنفین درج کیا جاتا ہے۔ نیز مصنف کے طریقہ استفادہ کی بھی وضاحت کی جاتی ہے۔

1۔ تفسیر القرآن العظیم

تعارف مؤلف:

"وکان مولدہ سنۃ 700ھ (سعمائۃ اوبعد ھا بقلیل، قدم دمشق ولہ سبع سنین مع اخیہ بعد موت ابیہ، سمع من ابن الشجنہ، والآمدی، وابن عساکر، وغیرھم، وتوفی فی شعبان سنۃ وتوفی 774ھ"[1]

آپ کی ولادت 700ھ یا اس کے کچھ عرصہ بعد ہوئی۔ والد کی وفات کے بعد سات سال کی عمر میں اپنے بھائی کے ساتھ دمشق آئے۔ آپ نے ابن الشجنہ، آمدی اور ابن عساکر کے علاوہ دیگر علماء سے استفادہ حاصل کیا۔ آپ نے 774ھ میں وفات پائی۔

علامہ داؤدی فرماتے ہیں۔

"کان احفظ من ادرکناہ لمتون الاحادیث، واعرفھم بتخریجھا ورجالھا وصحیحھا وسقیمھا، وکان اقرانہ وشیوخہ یعترفون لہ بذلک، وکان یستحضر شیئا کثیرا من الفقہ والتاریخ، قلیل النسیان وکان فقیھا جید الفھم، صحیح الذھن"[2]

1۔ ذہبی، محمد حسین، التفسیر والمفسرون، قاہرہ: مکتبہ وھبہ، 1/173

2۔ الداوودی، احمد شمس الدین، طبقات المفسرین، بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1/112

ابن کثیر متن حدیث کا بہترین ادراک رکھتے اور اس کی تخریج کی پہچان رکھتے وہ حدیث کی صحت اور سقامت کے بہترین عالم تھے۔ ان کا شمار اس وقت کے بہترین علماء میں ہوتا تھا۔ ایسے علماء جنہیں فقہ اور تاریخ کا بہترین عالم سمجھا جاتا۔ بہترین فقیہ تھے خوب سمجھدار اور ذکی ذہین کے مالک تھے۔

آپ نے تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ میں بلند پایہ تصنیف لکھیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1۔ تفسیر القرآن العظیم
2۔ البدایہ والنہایہ
3۔ التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل
4۔ الہدی والسنن فی احادیث المسانید والسنن
5۔ طبقات الشافعیہ
6۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ
7۔ تخریج احادیث ادلۃ التنبیہ
8۔ شرح صحیح بخاری
9۔ الاجتہاد فی طلب الجہاد
10۔ اختصار علوم الحدیث
11۔ تخریج احادیث
12۔ الاحکام الکبیر
15۔ مسند الشیخین
16۔ السیرۃ النبویہ
17۔ رسالہ فی فضائل القرآن[1]

تعارف تفسیر

تفسیر ابن کثیر کا نام "تفسیر القرآن العظیم" ہے۔ جو ابن کثیر کے نام سے مشہور ہے۔ کتب تفسیر بالماثور میں ابن کثیر کی "تفسیر" کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس تفسیر میں مفسر نے سلف کے تفسیری اقوال کو یکجا کرنے کے ساتھ ساتھ احادیث مرفوعہ اور اقوال وآثار کی روشنی میں آیات قرآنی کی تفسیر ہے۔

علامہ سیوطیؒ اس تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"لم یولف علی نمطہ مثلہ"[2]

اس طرز پر دوسری کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔

ابن کثیر کی یہ تفسیر 4 ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ صاحب تفسیر کشف الرحمن میں سورۃ النساء کی آیت نمبر 7 میں ابن کثیر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

1۔ ابن کثیر، عماد الدین، مقدمہ: تفسیر ابن کثیر، بیروت: الکتاب العالمی للنشر، 1/ 5۔7
2۔ السیوطی، جلال الدین عبد الرحمن، ذیل طبقات الحفاظ، بیروت: الکتب العلمیہ، ص: 361

"ابن کثیر کہتے ہیں کہ مشرک لوگ مرنے والے کا مال متروکہ عورتوں اور چھوٹے لڑکوں کو نہیں دیا کرتے تھے صرف بڑے لوگوں کو دے دیا کرتے تھے اللہ تعالی نے اس آیت میں کفار کی اس مذموم رسم کا ابطال فرمایا۔ ابن کثیر نے اس روایت کو قتادہ اور سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے"[1]

تفسیر مظہری

تعارف مؤلف

"ولد رحمه الله في سنة ثلاث واربعين بعد الف و مائة من الهجرة اوقبله بسنة اوسنتين بپاني پت[2] فحفظ القرآن، وعمره سبع سنين، تفقه على الشيخ ولي الله بن عبدالرحيم العمري الدهلوي واخذ الحديث عنه وقرا فاتحة الفراغ وله ثمان عشرة سنة[3] واشتغل بعده باخذ العلوم النقلية والعقلية، فتبحر فيها ثم ارتحل الى دهلي فلازم الطالب البحر الفهامة مولانا شاه ولي الله المحدث الدهلوي فسمع الحديث منه بجلاء وكمال تفقه وتوفي الرجب سنة ومائتين و خمس وعشرين الهجرة[4]

یہ رحمۃ اللہ 1134ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے یا اس ہجری سے ایک یا دو سال پہلے۔ پھر سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ شیخ ولی اللہ بن عبد الرحیم العمری الدھلوی کے پاس گئے اور علم حدیث حاصل کیا اور فاتحہ الفراغ پڑھی آٹھ سال تک پڑھی۔ اس کے بعد علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل میں مصروف ہو گئے اور جب اس میں متبحر ہوئے تو محدث کبیر مرجع اسانید شاہ ولی اللہ دھلویؒ کے پاس دہلی تشریف لے گئے اور ان سے احادیث کی سماع کی اور اس میں تفقہ حاصل کیا، رجب 1225 کو وفات پائی۔

حضرت مرزاؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

"اگر اللہ تعالی بروز قیامت از بندہ پرسد کو درگاہ ما تحفہ چہ آوری عرض کنم ثناء اللہ پانی پتی"[5]

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، دہلوی، کشف الرحمن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 1999ء، 651/1

2۔ پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، مقدمہ: تفسیر مظہری، دہلی: ندوۃ المصنفین، 1961ء، 4/1

3۔ علامہ، عبد الحیی، نزھۃ الخواطر، الھند: دائرۃ المعارف، 112/7

4۔ ایضاً

5۔ دہلوی، غلام علی، مقامات مظہری، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ص: 66

(استاد محترم شاگرد) کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالی قیامت کے روز مجھ سے پوچھے گا کہ کیا تحفہ لائے ہو تو میں عرض کروں گا کہ ثناء اللہ پانی پتی کو۔

قاضی صاحب فقیہ، محدث، محقق، منصف مزاج، جامع علوم عقلیہ ونقلیہ اور فقہ واصول میں بہ مرتبہ اجتہاد پر پہنچے ہوئے تھے، علم تفسیر وکلام میں ید طولی حاصل تھا۔ آپ کی تصنیفات تیس سے زائد ہیں۔

1۔ مبسوط فقہ　　2۔ تفسیر مظہری

3۔ وصیت نامہ　　4۔ مالا بد منہ

5۔ تذکرۃ الموتی والقبور　　6۔ تذکرۃ المعاد

7۔ حقیقۃ الاسلام　　8۔ ارشاد الطالبین

9۔ شہاب ثاقب　　10۔ رسالہ حرمت متعہ

11۔ رسالہ حرمت سرود [1]

تعارف تفسیر:

قاضی ثناء اللہ کی تفسیر کا نام "تفسیر مظہری" ہے۔ جو سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں صحابہ کرام رحمتہ اللہ علیہ اور تابعین عظام کے تفسیری اقوال اور شان نزول وغیرہ سلف صالحین کی تفاسیر سے نقل کیے گئے ہیں۔ اس تفسیر کے اندر اقوال قدمائے مفسرین اور تاویلات جدیدہ کو مبدء فیاض سے آپ پر وارد ہوئے جمع کیا۔ لغوی اور نحوی تراکیب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ فقہی مسائل کا تذکرہ مع دلائل پیش کیے۔ بعض جگہوں پر آئمہ مجتہدین کا مسلک بھی بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر کشف الرحمن سورۃ النساء کی آیت نمبر 159 میں اہل کتاب کے بارے میں مختلف اقوال کا ذکر کرتے ہوئے تفسیر مظہری کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> "مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا رجحان طبع یہ ہے کہ وہ درمیانی قول کو راجح سمجھتے ہیں اور انہوں نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ ہر کتابی اپنی موت سے ذرا پہلے حضرت عیسیٰ کی نبوت پر ایمان لے آتا ہے" [2]

2۔ جامع التفاسیر

تعارف مؤلف

1۔ مولوی فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ، کراچی: مکتبہ رحیمیہ، ص:484

2۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن مع تیسیر القرآن وتکمیل القرآن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 1999ء، 867/2

آپ کا نام نواب قطب الدین ولد نواب محی الدین 319ھ / 1804ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ العلوم شرعیہ خصوصاً اصول حدیث کا علم شاہ اسحق دہلوی سے حاصل کیا۔[2] آپ دہلی کے نامور عالم، مفسر، محدث اور فقیہ کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔[3]

ڈاکٹر معین الدین عقیل "تحریک آزادی میں اردو کا حصہ" میں نواب قطب الدین کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:

" ت ح ص ی ل ع ل م و ح ص ل خ ص وص آ ف ق ہ و ح دی ث خ د م ت ان ا ب ر ک ت م و ل ان ا اس ح اق ص
وضع ولباس میں اپنے استاد عالی نہار سے ایسے مشابہ کہ جنھوں نے ان کو نہ دیکھا ہو
ان کو دیکھے۔ اخلاق وحلم علاوہ فضل وکمال علمی کے ایسا آپ کی ذات میں جمع کہ
اوروں میں بہت کم پایا۔"[4]

آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ تصنیف وتالیف میں بسر ہوا۔ آپ سے منسوب تالیفات کی تعداد درج ذیل ہیں۔

1۔ جامع الحسنات	2۔ جامع التفاسیر
3۔ خلاصہ جامع صغیر	4۔ تحفۃ العرب والعجم
5۔ رسالہ مناسک	6۔ تذکرۃ الصیام
7۔ تحفۃ الزوجین	8۔ توقیر الحق
9۔ مراد المعاد[5]	

تعارف تفسیر:

"جامع التفاسیر" کے مرتب کردہ اردو ترجمہ قرآن کا نام ہے۔ یہ تفسیر دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ نواب قطب الدین نے تفسیر کا یہ طریقہ کار رکھا کہ ایک آیت قرآنی لکھنے کے بعد شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمے کو اردو میں ترجمہ کیا اور شاہ عبدالقادر دہلوی کی تفسیر موضح قرآن سے اسے تشریح کی ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر مدارک تفسیر جالین، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر بحر العلوم اور تفسیر در منشور سے حسب موقع مدد کی گئی ہے۔[6]

1۔ ڈاکٹر، ایوب قادری، اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1988ء، ص:279
2۔ جہلمی، فقیر محمد، حدائق الحنفیہ، کراچی: مکتبہ رحیمیہ، ص:488
3۔ ڈاکٹر، ایوب قادری، اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، ص:279
4۔ جہلمی، فقیر محمد، حدائق الحنفیہ، کراچی: مکتبہ رحیمیہ، ص:488
5۔ ایضاً: 251
6۔ ڈاکٹر، ایوب قادری، اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1988ء، ص:285

صاحب تفسیر کشف الرحمن سورۃ ص کی آیت نمبر 24 میں حضرت داؤدؑ کے حوالے مختلف تفاسیر کا حوالہ دیتے ہوئے جامع التفاسیر کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔

"حضرت خاتم المحدثین حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب نے جو توجیہ فرمائی اور اپنے شاگرد رشید قطب الدین صاحب کو قلم بند کرائی کہ ایک عورت سے اور اپنے پیغام نکاح دیا اور اسی کو حضرت داؤد سے پیغام نکاح دیا اس عورت کے اولیاء کو اوریا کیطرف سے کچھ خدشہ ہوا اور انہوں نے حضرت داؤدؑ سے نکاح کر دیا۔
مولانا قطب الدین خاں صاحب نے اپنی جامع التفاسیر میں اس قول کو نقل

ان تمام ماخذ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا احمد سعید کی کڑی نگاہ ان ماخذ پر رہی ہے اس کے ساتھ ساتھ موضوع سے آپ کی وابستگی کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی سادہ اور خوبصورت تفسیر کرنے کے لیے آپ نے بے شمار کتب سے استفادہ کیا جو آپ کا وسیع و عمیق مطالعہ بھی ظاہر کرتی ہے۔

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن مع تیسیر القرآن و تسہیل القرآن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 1999ء، 3/2329

باب سوم

تفسیر کشف الرحمٰن کی علمی حیثیت

فصل اول

کشف الرحمن میں تفسیری اصول تفسیری نکتہ نظر سے

قرآن مجید کی تلاوت عبادت کا درجہ رکھتی ہے یہ صرف الفاظ کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ فہم و فراست اور تدبیر و تفکر کے ذریعے ہی خدا کی معروفت کا ذریعہ ہے اور یہ قرآن ایسی شریعت لے کر آیا جو کہ خاتم الادیان ہونے کے ساتھ ساتھ خاتم الشرائع ہے اس سے راہنمائی حاصل کرنے کے لیے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے اس کی تفہیم اور تدبیر ضروری ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

"کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ"[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ تفکر و تدبیر کا حکم دیتا ہے یہ اس وقت ممکن ہے جب اس بات کا مفہوم اور مطلب سمجھ میں آجائے۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

(ومن المعلوم ان کل کلام فالمقصود منہ فہم معانیہ دون مجرد الفاظہ، فالقرآن اولی بذلک و ایضاً فالعادۃ تمنع ان یقرا قوم کتابا فی فن من العلم، کالطب والحساب، والایستشر حوہ، فکیف بکلام اللہ تعالیٰ الذی ھو عصمتہم، وبہ نجاتہم وسعادتہم، قیام دینہم ودنیاھم)[2]

اور پھر معلوم ہوا کہ ہر گفتگو اس لیے ہوتی ہے کہ اس کے معنی سمجھے جائیں نہ کہ محض لفظ سن لیے جائیں اور ق ر آن ک ا م ع ام ل ہ و ت و ب درج ہ اول ی ض م و ت د ب ی ر ک ا م ت ق اض ی و ے۔ ای س ا ک ب ھ ی ن ہ ی ں ہ و ت ا ک ریاضی کی اور اسے سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔ جب عام کتابوں کا یہ حال ہے تو کتاب اللہ کا فہم کس قدر ضروری ٹھہرتا ہے۔

اس لیے تدبیر کا لازمی نتیجہ قرآن کے احکام و آیات کی تفسیر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اس مقصد کے حصول کے لیے مفسرین نے تفاسیر مرتب کی ہیں۔ قرآن مجید کی تفسیر کے کچھ اصول و ضوابط ہوتے ہیں۔ جس کو ہر مفسر نے تفسیر کرتے ہوئے خاطر رکھتا ہوتا ہے۔

اصول تفسیر

اصول تفسیر مرکب اضافی ہے۔ اسی سے مراد تفسیری اصول ہیں اور یہ دونوں عربی الفاظ ہیں۔

1۔ ص: 29

2۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، مقدمہ فی اصول التفسیر، قطر: وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ، 2009ء، ص:32

(الاصل: اسفل کل شیء وجمعه اصول لایکسر وعلی غیر ذلک وھو الیاصول)[1]

اصول تفسیر سے مراد وہ قواعد بنیادی ہیں۔ جن پر قرآن مجید کا صحیح فہم موقوف ہے یا قرآن پاک کی تفسیر کرتے وقت جن پر قائم رہنا اور عمل کرنا ضروری ہے۔

ابن الاکفانی کے نزدیک

(علم یشتمل علی معرفۃ فہم کتاب اللہ المنزل علی نبیہ المرسل صلی اللہ علیہ وسلم و بیان معانیہ، واستخراج احکامہ وحکمہ)[2]

علم اصول تفسیر ان قواعد اور بنیادی کا علم ہے جن پر علم تفسیر قائم ہے علم تفسیر کے بعض اصول قرآن پاک میں موجود ہیں اور بعض کے احادیث مبارکہ سے استنباط ہوتا ہے۔ صحابہ کرام کے اقوال اور سیرت کی روشنی میں بھی کئی اصول وضع کئے گئے ہیں۔ ایک مفسر کے لیے قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے ان تمام اصولوں پر گرفت مہارت رکھنا ضروری ہے۔

"محاضرات قرآنی" میں ان اصولوں کا مقصد اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

"ان اصولوں کا واحد مقصد یہ ہے کہ جس طرح کتاب الہی کا متن محفوظ رہا۔ اس کی زبان محفوظ رہی، اسی طرح اس کے معنی و مطالب بھی ہر قسم کی تحریف اور اشتباہ سے محفوظ رہیں"[3]

قرون اولی میں خود حضور اللہ کے حکم سے قرآن کی شرح وضاحت فرمائی۔ آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے اس ذمہ داری کو احسن انداز میں سرانجام فرمایا۔ یونہی یہ سلسلہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہا۔

قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا احمد سعید دہلوی نے اصول تفسیر کا لحاظ رکھا ہے اور اسلاف کے اصولوں پر چلتے ہوئے تفسیری اصول کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کی ہے۔ مولانا نے اپنی تفسیر کے اندر جن اصولوں کو مد نظر رکھا وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ تفسیر القرآن بالقرآن　　2۔ تفسیر القرآن بالسنۃ

3۔ تفسیر القرآن باقوال الصحابہ　　4۔ تفسیر القرآن باقوال تابعین

5۔ تفسیر القرآن بالقراۃ　　6۔ شان نزول

1۔ ابن منظور، لسان العرب، قاہرہ: دارالمعارف، 1119ھ، 1/ 89

2۔ ابن الاکفانی، محمد بن ابراہیم، ارشاد القاصد فی اسنی المقاصد، ص: 157

3۔ مغازی، محمود احمد، محاضرات قرآنی، لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، 2009ء، ص: 156-155

تفسیر القرآن بالقرآن:

قرون اولی سے ایک طے شدہ اصول رہا ہے۔ کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کی جاتی کیونکہ قرآن ایک جگہ اجمال کے ساتھ چیز کو بیان کرتا تو دوسری جگہ مفصل بیان کر دیتا۔ ایک جگہ عموم ہے تو دوسری جگہ اس میں تخصیص کر دی گئی ہے۔ مولانا نے بھی اپنی تفسیر کے اندر اس اصول کو اپنایا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے

"وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ"[1]

اس آیت میں اللہ تعالی تفکر و تدبیر کا حکم دیتا ہے یہ اس وقت ممکن ہے جب اس بات کا مفہوم اور مطلب سمجھ میں آجائے۔

اس آیت کی وضاحت میں مولانا احمد سعید لکھتے ہیں۔

"ابتدا کے معنی امتحان کے ہیں۔ قرآن میں ابتدا اور بلا عام طور سے اس معنی میں اس ت ع م ال ک ی ا گ ی ا ہ ے۔ م ث ل ا (عربی) یعنی ہم تمہارا امتحان لیں گے۔ بعض مصائب میں مبتلا کر کے اور ہم نے ان کو آزمایا برائی اور بھلائی سے اور فرماتے ہیں و لیعلم اللہ الذین امنوا منکم اور علم اللہ ان فیکم ضعفا یعنی اللہ تعالی یہ بات جان نے کہ تم میں کمزوری پیدا ہو گئی ہے۔ اور کبھی کبھی اس معنی کے لیے فتنہ اور افتتان بھی استعمال ہوتا ہے۔ (انما اموالکم واولادکم فتنۃ) اور (وظن داود انما فتنٰہ) اور (عربی) یعنی تمہارے مال اور اولاد ایک قسم کا امتحان ہیں اور حضرت داود یہ سمجھ گئے کہ ہم نے ان کو امتحان میں مبتلا کر دیا اور کیا وہ لوگ آزمانے کی غرض سے فتنوں مین مبتلا نہ کئے جائیں گے "[2]

اس آیت مبارکہ میں قرآن کی وضاحت قرآن سے کرتے ہیں۔ لیکن قرآنی آیت کے الفاظ لانے کے ساتھ اردو میں اس کا مفہوم بھی بیان کر دیتے ہیں۔ یہاں ابتدا کے معنی امتحان کے ساتھ ساتھ علم اور فتنہ میں بھی مستعمل ہیں۔ نہایت جامعیت کے ساتھ

قرآن مجید میں ارشاد ہے؛

1۔ البقرۃ: 124

2۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2015ء، 1/112

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ[1]

اس آیت میں مولانا نے ایمان اور تقویٰ کا ذکر فرمایا جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ گناہ معاف ہونے کے بعد جنت ملتی ہے۔ مزید آیات کا حوالہ دیتے ہوئے قرآن بالقرآن کے اصول کی وضاحت ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

"سورۃ مریم میں ہے (عربی) من عبادنا من کان تقیا یعنی جنت کا وارث ہم اس شخص کو بنائیں گے جو پرہیزگار اور متقی ہوگا دوسری آیت میں دینوی برکات کا بھی وعدہ فرمایا کہ اگر یہ لوگ ایمان و تقویٰ اختیار کرتے ہیں یعنی تمام کتب سماویہ پر جس میں قرآن کریم بھی داخل ہے ایمان لے آئے تو آسمان سے خوب بارشیں ہوتیں اور زمین سے خوب پیداوار ہوتی اور یہ بافراعت کھاتے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد دیے (عربی) یعنی اگر ایمان اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو ہم آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے اُن پر کھول دیتے"[2]

اس آیت کی تفسیر میں مولانا ایسے معنی بیان کیے گئے ہیں جو ظاہری معنی کے خلاف نہیں ہیں۔

تفسیر القرآن بالسنۃ:

قرآن مجید کی تفسیر کرنے کا دوسرا اصول سنت رسول ہے۔ نبی کریم کی سنت (حدیث) کے خلاف کرنا، تفسیری کے اصولوں کے خلاف ہے نبی کا قول و عمل، قرآن کے قوانین واحکام سے کوئی مختلف چیز نہیں ہے در حقیقت وہ قرآن ہی کی تشریح و تفسیر ہے قرآن کی تفسیر اور اس کا بیان سنت (حدیث) سے سمجھا جائے۔ اس مجمل کے مبین خود رسول ہیں تفسیر کرتے ہوئے اس بات ک احتیاط کی جاتی ہے کہ فہم قرآن وحدیث میں بظاہر تعارض واقع ہو تو حدیث کو مقدم رکھنا واجب ہے۔[3]

مولانا نے اپنی تفسیر کے اندر اس اصول کا مدنظر رکھا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ"[4]

1۔ البقرہ: 124

2۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 2/ 999

3۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 2/ 999

4۔ البقرہ: 72

اس کی وضاحت چھپا کر یا ظاہری عمل کے مارے میں وضاحت فرماتے ہوئے حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"نبی کریم اللہ نے فرمایا ہے کوئی آدمی کسی ایسے پتھر میں جس میں نہ کوئی دروازہ ہو اور نہ کوئی روشن ہو گھس کر بھی کوئی عمل کرے گا خواہ وہ کوئی بھی عمل ہو وہ ایک دن ظاہر ہو کر رہے گا"

"نبی کریم کے فرمایا کسی شخص کا کوئی پوشیدہ عمل خواہ نیک ہو یا بد اللہ تعالیٰ اس طرح ظاہر چادر کہ اس چادر سے پہچانا جاتا ہے۔"[1]

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ" وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ"[2]

اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں۔

"حدیث شریف میں آتا ہے کہ سخی اللہ تعالیٰ سے قریب ہے جنت سے قریب ہے۔ لوگوں سے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے اور بخیل اللہ سے دور ہے جنت سے دور ہے لوگوں سے دور ہے اور آگ سے قریب ہے"

"حدیث میں ہے جس شخص نے باوجود اس کے کہ وہ بدلہ لے سکتا تھا اپنے غصہ کو پی لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو ایمان اور امن سے بھر دے گا۔"

"ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت میں ایک پکارنے والا آواز دے گا وہ لوگ کہاں ہیں جن کے ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہیں یہ آواز سن کر صرف وہ لوگ کھڑے ہوں گے جنہوں نے لوگوں کی تقصیرات کو معاف کیا ہو گا"[3]

"نبی نے فرمایا کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسروں کو پچھاڑ تا پھر تا ہے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے۔"

"حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے غصہ کا گھونٹ پی لینے سے بہتر کوئی گھونٹ نہیں ہے۔"

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 1/ 63

2۔ البقرہ: 72

3۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، ص: 545

"حارثہ بن قدامہ نے عرض کیا یا رسول مجھے کوئی نفع کی بات بتادیجئے تاکہ میں اس کو یاد رکھوں آپ نے فرمایا غصہ نہ کیا کر حارثہ نے بار بار دریافت کیا اور آپ یہی فرماتے رہے غصہ نہ کیا کر۔"[1]

تفسیر القرآن باقوال الصحابہ

تفسیر قرآن مجید کا تیسرا اصول اقوال صحابہؓ ہیں وہ عظیم ہستیاں جنھوں نے حالت ایمان میں حضور کی زیارت کی اور براہ راست آپ سے قرآن سیکھا اور قرآن مجید کے اولین میں مخاطب میں ہیں سے امت میں سب سے پہلے یہی لوگ ہیں جنھیں بھلائیوں کے کرنے کا حکم دیا گیا اور برائیوں سے روکا گیا۔ یہی عظیم ہستیاں ہیں جنھوں نے سب سے پہلے قرآن مجید کے متشابہات اور مشکل مقامات کے متعلق پوچھا یہی عظیم صحابہ کرام ہیں جنھوں نے آیت قرآنی کے مجمل اور مبہم کو کھول کر بیان کیا۔ ان صحابہ میں سرفہرست حضرت عبداللہ عباس ہیں جنھیں ترجمان القرآن اور خیر الامتہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور ان کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود کا تفسیری درجہ ہے جو بقول حضرت عمر فاروق گویا علم سے بھرے ہوئے برتن کی طرح ہے۔ اور ان کی وجہ سے اہل قادسیہ دیگر شہر والوں پر فضیلت دیئے جانے لگے تھے۔[2]

قرآن مجید کی تفسیر قرآن وحدیث کے بعد صحابہ کے اقوال کی روشنی میں کی جائے مولانا احمد سعید دہلویؒ نے اپنی تفسیر کے اندر اس اصول کو مدنظر رکھا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي

أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ"[3]

اس آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک قول مروی ہے اس کی بنا پر سعی سے مراد مو منع سعی کیا گیا ہے۔"

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، ص:546

2۔ بنوری، مولانا یوسف، منتخبات علوم قرآن وتفسیر، کراچی: مکتبہ لدھیانوی، 2015ء، ص:

3۔ البقرۃ: 72

"واعتصموا بحبل الله جميعا ولا
تفرقوا واذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا وكنتم على شفا حفرة من النار
فانقذكم منها كذلك يبين الله لكم ءايته لعلكم تهتدون "[1]

اس آیت میں ولا تفرقوا کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"حضرت ابوہریرہ سے امام احمد اور امام مسلم نے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تین باتوں کو پسند کرتا ہے۔ اور تین باتوں سے ناراض ہوتا ہے اور تم پر غصے ہوتا ہے پسندیدہ تین باتیں یہ ہیں۔

1) اللہ کی بندگی کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا
2) اللہ کی رسی کو متفق و متحد ہو کر مضبوط پکڑے رہنا
3) جو مسلمانوں والی مقرر ہو جائے اس کی خیر خواہی کرنا

جن تین باتوں پر غضب ناک ہوتے ہیں وہ یہ ہیں

1) بے کار قیل و قال کرنا
2) مال کو ضائع کرنا
3) بکثرت اور بلا ضرورت سوال کرنا"[2]

1۔ ال عمران: 103
2۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، ص: 1/ 507

تفسیر القرآن باقوال تابعینؒ:

قرآن مجید کی تفسیر کا چوتھا اصول اقوال تابعین کی روشنی میں ہے قرآن وحدیث اور صحابہ کے اقوال کے بعد تابعینؒ کے اقوال کی روشنی میں قرآن کی تشریح وتفسیر کرنا ہے۔

جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع تر وسیع ہوتا گیا تو بہت سے کبار صحابہ مفتوحہ شہروں اور علاقوں میں منتقل ہوگئے ان میں سے ہر ایک کے پاس علم کا وسیع ذخیرہ تھا اور ان سے ان کے شاگردوں یعنی تابعین نے علم اخذ کیا۔

محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں۔

ان مفسرین نے کتاب اللہ کے فہم کے لئے ان آیات پر اعتماد کیا تھا۔ جو کتاب اللہ میں وارد ہوئی تھیں، نیز ان احادیث پر جن کی انہوں نے صحابہ کرام سے اور صحابہ کرام نے حضور سے روایت کی تھی۔ ساتھ ہی ان آثار پر بھی جن کی روایت انہوں نے تفسیر کے سلسلے میں صحابہ کرام سے کی تھی۔ علاوہ ازیں ان اقوال پر بھی جنہیں انہوں نے اہل کتاب سے ان کی کتابوں کے حوالے سے اخذ کیا تھا اور آخر میں اس ذریعے پر بھی جس کا دروازہ اللہ نے ان پر کھول دیا تھا۔ یعنی طریقہ اجتہاد اور کتاب اللہ میں غور وفکر۔ کتب تفسیر نے ہمارے لیے تفسیر کے سلسلے میں ان تابعین کے بہت سے ایسے اقوال نقل کردیے ہیں جو ان حضرات نے اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لے کر فرمائے تھے اور ان کے متعلق حضور سے یا کسی صحابی سے کوئی بات ان کے علم تک نہیں پہنچی تھی۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ"[1]

اس کی وضاحت میں تابعین کے اقوال سے وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا اکمال کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے دین کو تمام ادیان پر غالب کر دیا اور تم کو دشمنوں سے محفوظ کر دیا۔"[2]

اختلاف قراءت کا ذکر:

1۔ المائدہ: 3

2۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، ص: 2/ 901

قرآن مجید راشد و ہدایت کا سرچشمہ اور علوم و اسرار کا خزینہ ہے۔ اس معجز کلام کا لفظ لفظ اور حرف حرف اپنے اندر گیرائی اور وسعت کی جامعیت رکھتا ہے یہی وجہ علم قراءت کے ذریعہ قرآنی علوم کی مقصدعات کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید صرف ایک حصہ میں نازل ہوا۔ لیکن نبی جبرائیل سے زیادہ کا مطالعہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ نبی نے سات بھر جوں میں قرآنی پڑھا۔ اس کی دلیل یہ ہے۔

((حدثني عبيد الله بن عبد الله، أن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما حدثه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «أقرأني جبريل على حرف فراجعته، فلم أزل أستزيده ويزيدني حتى انتهى إلى سبعة أحرف»)) [1]

"عبید اللہ بن عبد اللہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی نے فرمایا جبریل نے مجھے قرآن مجید ایک لہجہ میں پڑھایا تو میں نے ان سے زیادہ مطالبہ کیا تو انہوں نے زیادہ کر دیا تو میں مطالبہ کرتا رہا اور وہ زیادہ کرتے رہے حتیٰ کہ سات لہجوں میں جا کر ختم ہوا۔"

شیعہ، معتزلہ اور متجددین (منکرین حدیث) اختلاف قرات کو نہیں مانتے لیکن اہل سنت اس کے قائل ہیں کہ قرآن کی سات قراتیں جائز ہیں پھر ضمنی قراتیں 17 تک ہیں اس کے ماہر کو سبعہ عشرہ کا قاری کیا جاتا ہے۔ مولانا احمد سعید قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے اختلاف قرات کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس وجہ سے ترجمہ میں جو فرق پڑتا ہے۔ اس کو بھی بیان کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا" [2]

"اس آیت میں سَنُؤْتِيْهِمْ کے سین کو کسی نے تاکید کا قرار دیا ہے اور کسی نے مستقبل قریب کے لیے لیا ہے ہم نے ترجمہ اور تیسرا میں دونوں کی رعایت رکھی ہے۔ والمقیمون کی بجائے مشہور قرات والمقیمین ہے۔ اور بطور مدح کے نصب اختیار کیا گیا ہے۔" [3]

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

1۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، الحماد: الریاض، ۱۴۲۳ھ، باب انزل القرآن علی سبعہ احرف، رقم الحدیث: 4991

2۔ النساء: 162

3۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 2/570

"وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا"[1]

"اس آیت میں عام قراء نے وکلم اللہ یعنی اللہ کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ مگر بعض نے اللہ کے نصب کے ساتھ پڑھا"[2]

شان نزول

قرآن مجید رسول کے قلب اطہر پر کم و بیش 23 سال کے عرصہ میں نازل ہوا اور یہ نزول قرآن مختلف مواقع اور اوقات میں نازل ہوا۔ اس لحاظ سے دیکھا جاتا تو قرآن مجید کی آیات کو دو حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ آیتیں جو اللہ نے خود خاص واقعہ یا سوال وغیرہ نازل فرمائیں اور دوسری وہ آیات جو کسی کے استفسار یا خاص واقعہ پر نازل ہوئیں ایسی آیات کو مفسرین کی اصطلاح میں شان نزول یا سبب نزول کہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

(وانما شرط المفسر امران، الاول ماتعرض به الآيات من القصص فلا يتيسر فهم الايماء بتلك الآيات الا بمعرفة تلك القصص، والثاني مايخص العام من القصة)[3]

اور مفسر کے لیے دو شرائط کا جاننا لازمی ہے ایک تو وہ واقعات جن کی طرف آیات میں اشارہ پایا جاتا ہے اور جب تک وہ قصے معلوم نہ ہوں آیات کے اشاروں کو سمجھنا آسان نہیں، دوسرے کسی قصہ وغیرہ میں بعض اوقات الفاظ عام ہوتے ہیں لیکن شان نزول میں اس میں تخصیص پیدا ہوتی ہے۔

مولانا نے اپنی تفسیر کے اندر اس اصول کو بھی اپنایا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ

تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ"[4]

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حضرت عبداللہ بن زبیر کا قول ہے کہ یہ آیتیں نجاشی اور اس کے اصحاب کی شان میں نازل ہوتی ہیں۔ کیونکہ جب انہوں نے مہاجرین سے سورۃ مریم سنی اور

1۔ النساء: 164

2۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 2/872

3۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، مراد آباد: مکتبہ فخریہ، 1358ء، ص: 23

4۔ المائدہ: 83

حضرت عیسیٰ کے واقعات معلوم کیے تو وہ بہت روئے اور اسلامی تعلیم کی صداقت

کا اعتراف کیا۔"[1]

سعید ابن جبیر کا قول یہ ہے کہ ان آیتوں میں اس وفد کی جانب اشارہ ہے جو نجاشی نے چالیس آدمیوں کا حضرت جعفر کے ہمراہ حضور کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اور انہوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن کریم سنا تھا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے تھے۔"

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُیُوتَ النَّبِیِّ إِلَّا أَن یُؤْذَنَ لَكُمْ
[illegible]
[illegible] مِن وَرَاءِ
حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ [illegible]
[illegible]"[2]

اس آیت کے شان نزول کی وضاحت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ نے جب حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کیا تو ان کے ولیمہ میں لوگوں کو بلایا لوگ آتے رہے اور کھانا کھا کر جاتے رہے۔"

لوگ کھانا کھانے کے بعد رہے نبی کریم ان کے اٹھنے کا انتظار کرتے رہے آخر خود حضور مجلس سے اٹھے اور باہر تشریف لے گئے اس پر کچھ لوگ تو اٹھ گئے لیکن دو تین آدمی بیٹھے باتیں کرتے رہے آپ مکان میں تشریف لائے اور ان کو بیٹھا دیکھ کر پھر تشریف لے گئے۔ حضرت زینب دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھی رہیں آپ کے دوبارہ واپس ہونے پر وہ لوگ بھی چلے گئے حضور کو بھی پریشانی ہوئی حضرت زینب کو بھی تکلیف ہوئی حضور شرم و حیا کے باعث یہ نہ فرما سکے کہ تم اٹھ جاؤ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن عباس کا قول ہے کہ یہ آیت ان چند آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن کا طریقہ یہ تھا کہ حضور کے کھانا کھانے کے وقت آجاتے اور کھانا پکنے کے

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 2/1016

2۔ الاحزاب: 53

منتظر رہتے۔ جب کھانا پک چکتا تو کھانا کھاتے اور کھانا کھا کر بیٹھے رہتے اور جلدی نہ نکلتے اور حضور کو تکلیف ہوتی اور آپ شرم سے ان لوگوں کو منع نہ کرتے"[1]

7۔ ناسخ و منسوخ:

"نسخ" عربی زبان کا لفظ ہے جو کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

اولاً۔ "القاء کرنا"۔ اس معنی میں یہ لفظ سورۃ الحج میں آیا ہے۔

"فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ"[2]

"شیطان جو القاء کرتا ہے اللہ اس کو مٹا دیتا ہے"

ثانیاً "نقل و تحویل" اس معنی کی تائید سورۃ الجاثیہ میں ہے:

"اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"[3]

"جو کام تم کرتے تھے ہم ان کو لکھتے جاتے تھے"

نسخ کے معنی یہ ہیں کہ کسی حکم شرعی سابق کو رفع کر کے اس کے قائم مقام دوسرا حکم مقرر کرنا جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

"مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا"[4]

جمہور مفسرین کا قول ہے کہ کسی ایسے شخص کے لیے کلام اللہ کی تفسیر کرنا جائز نہیں جو ناسخ و منسوخ کی معرفت نہ رکھتا ہو۔ مولانا احمد سعید قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے ناسخ و منسوخ کا بھی تذکرہ کرتے ہیں جو اصول تفسیر کے اہم اصولوں میں سے ایک ہے۔ نیز اپنا نقطہ نظر بھی بیان کرتے ہیں۔

نسخ کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز کے ذریعہ ہٹانا اور زائل کرنا۔ اور اس کے پیچھے دوسری چیز کو ثابت کرنا۔ جیسے دھوپ کا سایہ کو نسخ کرنا اور سایہ کا دھوپ کو منسوخ کرنا یا بڑھاپے کا جوانی کو نسخ کر کے اس کی جگہ قائم ہو جانا اور ایک چیز کو بعینہ دوسرے مادہ میں نقل دینا جیسے کہہ دیتے ہیں میں نے کتاب کو نسخ کرایا یعنی کتاب کی عبارت دوسری کتاب میں نقل کرالی۔ اب یہ لفظ کبھی فقط ازالہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی فقط ثابت کرنے کے معنی میں اور کبھی دونوں

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 3/ 2190

2۔ الحج: 52

3۔ الجاثیہ: 29

4۔ البقرۃ: 106

باتوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اسی سے تناسخ ہے اور اسی سے وہ مناسخہ ہے جو میراث کی تقسیم میں استعمال ہوتا ہے۔

بہر حال قرآن کریم میں ایک حکم کو دوسرے سے ہٹانے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے حکم کا جو وقت اللہ کے نزدیک بندوں کی مصلحت کے لحاظ سے مقرر ہوتا ہے۔ جب وہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا حکم بھی بھیج دیا جاتا ہے۔ خواہ وہ آیت قرآن میں اور حافظوں کے ذہن باقی رہے یا حکم کے ساتھ قرآن سے بھی نکال لی جائے اور ذہنوں سے بھی بھلا دی جائے۔ پھر اس کی جگہ دوسری آیت نازل فرمادیں جو پہلے حکم کے قائم مقام ہو اور پہلے حکم سے ملتا جلتا ہو چاہے پہلے حکم سے آسان ہو یا اور ثواب میں پہلے حکم کے ثواب سے زیادہ ہو اور یا بالکل ہی معاف فرمادیں۔

غرض یہ سب صورتیں نسخ کی ہیں، پھر یہ نسخ یا تو اس طور پر ہو کہ قرآن کی منسوخ آیت ہی کو قرآن میں نہ رکھا جائے اور حکم کے ساتھ تلاوت کو بھی منسوخ کر دیا جائے یا تلاوت باقی رکھی جائے اور حکم اٹھالیا جائے یا ناسخ اور منسوخ دونوں کو رکھا جائے یعنی ناسخ کی بھی تلاوت باقی رہے اور منسوخ کی بھی یا حکم باقی رہے اور تلاوت منسوخ کر دی جائے۔ اور جس طرح قرآن کی آیت قرآن کے لیے ناسخ ہوتی ہے اسی طرح صحیح اور قطعی الثبوت حدیث بھی ناسخ ہو سکتی ہے۔ علی اختلاف اقوال الائمہ رحمہم اللہ اجمعین اور نسخ احکام میں ہوا کرتا ہے اخبار میں نہیں۔

1۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"الشھر الحرام بالشھر الحرام والحرمات

قصاص فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین"۔[1]

اس آیت میں ناسخ و منسوخ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"علمائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ اب اشہر حرم میں قتل و قتال جائز ہے اور جن آیتوں سے ممانعت کا حکم ہے معلوم ہوتا ہے وہ منسوخ ہے۔ مگر اب بھی افضل اور بہتر یہی ہے کہ اشہر حرام میں قتال کی خود ابتدا نہ کریں اگر کافران مہینوں میں لڑیں تو مسلمان بھی ان سے لڑیں۔"[2]

2۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم

صدقات فاذ لم تفعلوا وتاب اللہ علیکم فاقیموا الصلاۃ وآتوا الزکاۃ واطیعوا اللہ ورسولہ واللہ خبیر بما تعملون"۔[3]

1۔ البقرہ: 194

2۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 1/ 203

3۔ المجادلہ: 13

اس آیت میں منسوخ کو موقوف کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

"اس لئے صدقہ دینے کا حکم دیا گیا تاکہ حضور سے سرگوشی کرنے والوں میں کمی واقع ہو چنانچہ اس حکم میں جو مصلحت تھی وہ پوری ہوگئی اس لئے اس حکم کو موقوف کر دیا گیا کہتے ہیں یہ حکم دس دن رات رہا اور بعض نے کہا کہ یہ حکم صرف ایک ساعت رہا۔"[1]

مولانا احمد سعید نے تفسیر کشف الرحمن کے تعارف میں ان تفسیری اصولوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جن کو مد نظر رکھ کر انہوں نے قرآن کی تفسیر بیان کی۔ تاہم درج بالا اصول تفسیر کے وہ اصول ہے جو تفسیر کشف الرحمن سے اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 4/2749

فصل دوم:

تفسیر کشف الرحمن کا ادبی و لسانی حیثیت

مولانا احمد سعید دہلوی کا دور 1306ھ / 1888ء تا 1379ھ / 1959ء یعنی کم و بیش 71 سال کے عرصہ پر محیط ہے یہ دور 1857ء کی جنگ آزادی کے اثرات سے متاثر دور ہے جس میں مسلمانان برصغیر سیاسی، سماجی اور مذہبی انقلاب سے دوچار تھا۔ مولانا دہلوی کی ترجمہ و تفسیر اس دور کی زبان میں لکھی گئی۔

اس لیے اردو نثر پر مختصراً نظر ڈال کر اس کے پس منظر میں زیر مطالعہ تفسیر کے لسانی ربط اور ادبی محاسن کو واضح کرنے میں آسانی ہو۔

اردو کے پروان چڑھنے پر "عشرت رحمانی" رقم طراز ہیں:

"ہماری زبان نے نام خدا کچھ ایسا نام پایا ہے کہ لشکری کشاکش اور انقلابی کیفیات اس کی قسمت بن کر رہ گئی۔ اردو بن کر لشکر کی معنویت اور وسعتوں کے دامن میں جنم لیا۔ پروان چڑھ کر پلی بڑھ کر جوان ہوئی، نوابوں اور بادشاہوں کے محلوں میں کھیلی کودی، غریبوں کی جھونپڑیوں میں چہکی دکی، ہند کے چاروں کھونٹ میں نام پیدا کیا سب کی چہیتی بن کر "اردو معلی" کہلائی۔"[1]

1888ء تا 1930ء تک کا دور حقیقتاً سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء کے نام ہے جنھوں نے ادب نثر کا نہ صرف اسلوب بدلا مزید موضوعات میں جدت اور تنوع پیدا کیا۔

1857ء کے بعد اردو ابھی اپنے پاؤں پر کھڑی ہوئی کہ خانوادہ ولی اللہؒ کے فرزند نے قرآن پاک کے اردو ترجمے میں جو اسلوب اپنایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ لیکن افسوس! کہ داستان تاریخی میں اسے چنداں اہمیت نہیں دی گئی۔[2]

داستان تاریخ اردو ادب کے مصنف نے زیر مطالعہ دور (1888ء تا 1959ء) کو اپنے انداز میں نثر کا پانچواں دور (1871ء تا 1900ء) اور چھٹا دور 1960ء تک تقسیم کیا ہے۔ ان دو ادوار کے چند مشہور رجحان ساز لکھاری درج ذیل ہیں۔

"سرسید احمد خان، مولانا عبدالحق خیر آبادی، امیر احمد مینائی، نواب محسن اور وقار الملک، مولوی چراغ علی۔"[1]

1۔ رحمانی، عشرت، اردو ادب کے آٹھ سال، لاہور: کتاب منزل، 1955ء، ص: 13

2۔ قادری، حامد حسن، داستان تاریخ اردو، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، 1966ء، ص: 66

اور چھٹے دور کے مصنفین:

"مولوی ذکاء اللہ دہلوی، مولوی نذیر احمد دہلوی، خواجہ الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی اور مولوی سید احمد دہلوی ہیں"[1]

مولانا احمد سعید دہلوی کے ہم عصر ہستی علامہ سید سلمان ندوی تھی جو اپنی ذات میں کامل الفن تھے۔ علامہ حقیقت میں راسخون فی العلم کے طبقہ کا فخر تھے اور اردو نثر کے محسن اعظم تھے۔ ان کی تحریروں میں ادب کی چاشنی، وضاحت و بلاغت کا معیار اور شگفتگی نظر آتی ہے۔

فرہنگ آصفیہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

"دلی کی زبان کو ہند میں وہی شرف حاصل ہے جو شیراز کی زبان کو ایران میں، عربی کو مکہ میں، فرانسیسی کو پیرس میں، انگریزی کو لندن میں اس شہر کی زبان اردو بولنے والوں کی سند ہے اور یہ شہر اس کی اصل ٹکسال"[3]

مولانا احمد سعید دہلوی اپنی ذات میں انجمن تھے وہ بیک وقت مفسر، خوش بیان واعظ، مقرر، سخن فہم، قادر الکلام شاعر اور ایک تجربہ کار سیاست دان تھے۔ مولانا کا خاص طور پر ایک پہلو نمایاں ہے۔ جس کو خاکہ نگاروں اور مبصرین نے بیک زبان اس بات کا اعتراف کیا کہ:

"مولانا احمد سعید ٹکسالی زبان کے ماہر اور خاص دلی کی روزمرہ محاوروں پر عبور رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کشف الرحمن میں مولانا کی نثر نہایت سلیس، شگفتہ اور شیریں ہے۔"[4]

تفسیر کشف الرحمن میں ادبی و لسانی محاسن درج ذیل ہیں:

1۔ تذکیر و تانیث:

تفسیر کشف الرحمن میں مولانا سعید نے وہ الفاظ جنہیں مذکر صورت میں بیان کیا جاتا ہے اس کو مونث کی حیثیت سے استعمال کیا ہے۔ مثال کے طور پر:

1۔ ایضاً

2۔ قادری، حامد حسن، داستان تاریخ اردو، ص: 66

3۔ دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، لاہور: مشتاق بک کارنر، 2015ء، 2/120

4۔ شاہجہانپوری، ابو سلمان الہند مولانا احمد سعید دہلوی ایک سیاسی مطالعہ، ص 24

"اب عرب محض ایک سوسمار کھانے قوم نہ تھی بلکہ ایک مستقل تمدن اور مستقل تہذیب کے ساتھ دنیا کے ساتھ تھی۔"[1]

"سوسمار" اس لفظ کے بارے میں فرہنگ آصفیہ میں لکھتے ہیں:

"سوسمار فارسی زبان کا لفظ ہے اسم مذکر ہوشیار کے وزن پر گوہ۔ ایک صحرائی جانور کا نام۔"[2]

مولانا احمد نے اسے موئث کے طور پر استعمال کیا ہے اور اس کے "ساتھ تھی" کے الفاظ لائے ہیں۔

2۔ ہندی زبان کا امتزاج:

مولانا احمد سعید نے تفسیر کے اندر ہندی زبان کا استعمال کیا۔ اس تفسیر میں بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو خالصتاً ہندی کے الفاظ ہیں۔ ان الفاظ کا تفسیر میں استعمال ہونا فطری امر تھا۔ کیونکہ آپ دہلی کے رہنے والے تھے اس لیے دہلی کی زبان اردو کی جھلک بھی آپ کے اسلوب میں نمایاں نظر آتی ہے۔

مثالیں:

"وہ بہائم جو کچلیاں نہیں رکھتے اور جگالی کرتے ہیں او چار پاؤں سے چلتے پھرتے اور چرتے ہیں وہ مراد ہیں اور انہی کا حکم بیان کرنا ہے لہٰذا درندے اور کچلیوں والے جانور شامل نہیں ہیں۔"[3]

"کچلیاں" فرہنگ آصفیہ کے مصنف لکھتے ہیں:

"کچلی ہندی زبان کا لفظ ہے اسم موئث، چیتا دانت جو عین آنکھ کے مقابل اور ڈارھوں کے بعد ہے نوکدار دانت جو گوشت خوروں کے واسطے ایک قدرتی اوزار ہے۔"[4]

اس مثال میں کچلی دہلی کی اردو زبان کا لفظ ہے:

بعض مقامات پر مولانا نے ہندی میں محاورے کا بھی استعمال کیا جس سے عبارت میں ایک نیا آہنگ اور اسلوب کی ایک نئی جہت جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔

1۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 1/635

2۔ دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، 2/120

3۔ سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 2/890

4۔ دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، 2/506

2۔ "گھی کھچڑی" [1]

اس محاورے کے بارے میں "سید احمد دہلوی" لکھتے ہیں کہ:

"ہندی زبان کا لفظ ہے اور صفت کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ نہایت ملے جلے، ہم نوالہ، وہم پیالہ، گہرے دوست، گھلے ملے۔" [2]

3۔ الفاظ کی تراکیب:

مولانا نے تفسیر کے اندر الفاظ کی تراکیب کو بھی مدِ نظر رکھا۔

"دنیا میں جو بعض دفعہ آپس کی کہن سن کی وجہ سے نیک بندوں کے دلوں میں کچھ بخشش رہ جاتی ہے اس کو جنت میں داخل ہوتے وقت سلب کر لیا جائے گا۔" [3]

جس معنی میں مولانا اسے استعمال کیا ہے وہ "اس کے لیے" ہے۔

مخزن فوائد کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

"یہ ترکیب کہنا سنا (ہند) اسم مذکر ہے، گلہ شکوہ، شکایت، جرم و تقصیر کے معنی میں استعمال ہے۔" [4]

4۔ قرآنی محاورات کا بہترین ترجمہ

مولانا احمد سعید تفسیر کے دوران محاوروں کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ محاورے دوسرے الفاظ میں کسی بھی زبان میں سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والے جملے ہوتے ہیں۔ مولانا محاروں کا بر محل استعمال کر کے دوران تفسیر قاری کے لیے دلچسپی کا ذریعہ ہے۔ اور طویل گفتگو کی بجائے چند الفاظ سے بات کو موثر بناتے ہیں۔

مثال:

1۔ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ"

"ان سے پانی جھڑنے لگتا ہے"

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 1/ 420

2۔ دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، 2/ 857

3۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2015ء، 2/ 1120

4۔ نگہت دہلوی، نیاز علی بیگ، مخزن فوائد، پٹنہ، خدا بخش لائبریری، 1998ء، ص: 363

پتھروں کے ذکر میں قرآن نے ایسے پتھروں کا ذکر کیا کہ جو پھٹ پڑتے ہیں اور ان سے پانی نکلنے لگتا ہے۔ مولانا نے اپنے ادبی ذوق اور مراد قرآن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور "پانی بھرنے" کی ترکیب لا کر ایک ادبی چاشنی ترجمہ میں پیدا کر دی ہے۔

مولانا کے ترجمے کی یہ خوبی ہے کہ دوران ترجمہ بھی محاورے استعمال کرتے ہیں:

2۔ سورۃ البقرہ میں لفظ آیا ہے:

"ذللتم"[1]

"تم ڈگمگا جاؤ"

مولانا احمد لکھتے ہیں کہ:

"الزلل کے اصل معنی تو پاؤں پھسل جانے کے ہیں مگر یہاں مراد یہ ہے کہ دین حق سے عدول کر جائے اور حق کو چھوڑ دو"[2]

فرہنگ آصفیہ میں ڈگمگانا کے معنی یہ ہیں:

"پھسل کر نیچے گرانا۔"[3]

اس محاورے کے ضمن میں مائل خیر آبادی کا ایک شعر

راہ وفا میں آئے وہ مرحلے جہاں
مائل بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا گئے

3۔ سورۃ النور میں لفظ آیا ہے:

"یتسللون"[4]

"چپکے سے کھسک جایا کرتے ہیں"

نیاز بیگ علی اس محاورے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"تسلل، سل، سلاسے تلوار سونتا، کسی کا آہستہ سے جلدی نکل جانا، کھسک جانا۔"[5]

اس محاورے کے ضمن مومن خان کا شعر:

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 1/209

2۔ ایضاً، 1/221

3۔ دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، 1/863

4۔ النور: 63

5۔ نکہت دہلوی، نیاز علی بیگ، مخزن فوائد، پٹنہ: خدا بخش لائبریری، 1998ء، ص:327

وہ چلا جان چلی، دو نوں یہاں سے کھسکے

اس کو تھاموں کہ اسے پاؤں پڑوں کس کس کے

4۔ سورۃ الکہف میں لفظ آیا ہے:

"یقلب کفیہ"[1]

"ہاتھ ملتا رہ گیا"

مولوی نورالحسن اس محاورے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"افسوس کرنا، پچھتانا"[2]

5۔ سورۃ النمل میں ارشاد ہے:

"بل ادرک علمھم فی الآخرۃ"[3]

"اصل بات یہ ہے کہ قیامت کے بارے میں ان منکروں کا علم تھک کر رہ گیا"

فرہنگ آصفیہ میں تھک کا معنی ہے:

"تھکا، عاجز، ہمت ہارو۔۔۔ تھکنا، ہارنا، مغلوب ہونا، عاجز ہونا۔"[4]

مولانا خود آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

"ان کا علم اور ان کا فکر اس بارے میں ہار گیا اور نیست و نابود ہو گیا۔"[5]

6۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"تذھب ریحکم"[6]

"تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی"

اسد الحق قادری لکھتے ہیں کہ:

1۔ الکہف: 42

2۔ نیر لکھنوی، نورالحسن، نوراللغات، پاکستان، نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2006ء، 2/1997

3۔ النمل: 66

4۔ دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، لاہور: مشتاق بک کارنر، 2015ء، 1/599

5۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 3/1996

6۔ الانفال: 46

"ذھبت ریحہ" اس کا لفظی ترجمہ ہے "اس کی ہوا چلی گئی" لیکن اس کا مجازی معنی ہے کہ "اس کا اثر و نفوذ کم ہو گیا یا طاقت کم ہو گی" قرآن میں یہ محاورہ اس مجازی معنی میں وارد ہوا ہے۔"[1]

1۔ قادری، اسید الحق، عربی محاورات مع ترجمہ و تعبیرات، بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی، 2011ء، ص: 31

5۔ ترجمہ کے ادبی محاسن:

1۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین"[1]

"اے ایمان والو! تم سب پوری طرح اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ یقیناً تمہارا کھلا دشمن ہے"

مولانا اخلاق حسین دہلوی لکھتے ہیں کہ:

"مولانا احمد سعید کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا دونوں قواوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ حقیقت میں مولانا کا یہ ترجمہ اردو تراجم میں امتیاز رکھتا ہے۔"

2۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"ومن احیاھا فکانما احیا الناس"[2]

"اور جو کسی انسانی زندگی کی بقا کا سبب بنا تو گویا اس نے تمام نوع انسانی کو زندہ رکھا"

اس آیت میں مولانا نے احیائی کے لیے بقا کا لفظ استعمال کیا۔ یہ لفظ بہت وسیع گہرائی کے معنی رکھتا ہے اور جو مترجم کی شائندار صلاحیت کا اظہار ہے۔

3۔ ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"واللہ لا یھدی القوم الکفرین"[3]

"اور اللہ تعالیٰ ایسے ناسپاس لوگوں کی رہبری نہیں کیا کرتا"

ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ تفسیر کشف الرحمن میں اس دور کی طرز تحریر کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ جو اس دور میں الفاظ وتراکیب اور مرکبات کس طرح مروج تھے۔ مولانا تفسیر کے اندر مختلف زبانوں کے امتزاج کے ساتھ الفاظ اور جملوں کا اسلوب نہایت خوبی کے ساتھ استعمال نظر آتا ہے۔ مختلف زبانوں کو متحد کر کے ہر زبان کے قاری کے لیے اس میں کشش پیدا کی ہے۔ نیز مبلغ اور مفسر ہونے کی ذمہ داری بھی احسن طریقے سے سرانجام دی ہے۔

1۔ قاسمی، اخلاق حسین، محاسن موضح قرآن، کراچی: ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، ص:180

2۔ المائدہ: 32

3۔ البقرہ: 264

فصل سوم:

تفسیر کشف الرحمن کے امتیازات و خصوصیات

مولانا احمد سعید دہلویؒ نے اپنی تفسیر کا نام "کشف الرحمن مع تیسیر القرآن و تسہیل القرآن" رکھا ہے۔ تفسیر بالرائے کی ایک قسم تفسیر بالمحمود کی بہترین تفاسیر میں سے ایک ہے۔ مفسر نے اپنی تفسیر میں قرآن وحدیث، اقوال صحابہ وتابعین میں قرآن کریم کی تفسیر کی۔ موضوع اور من گھڑت روایات سے اجتناب کیا۔

1۔ اسلوب بیان

مولانا احمد سعید کی تفسیری خصوصیات میں سے ایک خصوصیت اسلوب بیان ہے۔ آپؒ نے تفسیر کے اندر جو اسلوب اختیار کیا وہ دوسری تفاسیر میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ آپؒ نے ترجمہ کا عنوان کشف الرحمن، اس کی مختصر تشریح کا عنوان تیسیر القرآن اور اس کا حواشی جو کافی جامع اور مفصل ہے اس کا نام تسہیل القرآن رکھا۔

قرآن مجید کی ابتداء بسم اللہ سے ہوتی ہے اس کے اسلوب کے بارے میں ارشاد ہے:

1۔ " بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ "

"شروع اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربانی نہایت رحم والا ہے (ترجمہ)"

"اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان اور بے انتہا رحم کرنے والا ہے۔ (تیسیر) "

"مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس بڑی رحمت والی ہے اور اسکی رحمت و مہربانی بڑی ہی عام ہے۔ میں اس سورت کو اسی کے نام کی برکت حاصل کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں تاکہ آداب تلاوت میں اگر کوئی کوتاہی یا سہو ہو جائے یا کسی آیت کا مطلب سمجھنے میں غلطی ہو جائے تو خدائے تعالیٰ اپنی عام رحمت و مہربانی سے اس کو در گزر فرمادے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا ہے جس اہم اور ذی شان کام کو شروع کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس کام میں کامیابی اور برکت نہیں ہوتی۔ (تسہیل) "[1]

قرآن میں ارشاد ہے:

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، ص:2

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا "[1]

"اور وہاں جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائے اور ان رسولوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالی بہت جلد ان کے اجر عطا فرمائے گا اور اللہ تعالی بڑا بخشنے والا اور بڑی مہربانی کرنیوالا ہے۔ (ترجمہ)"

اور جو لوگ اللہ تعالی پر اس کے سب رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور باعتبار ایمان لانے کے ان میں سے کسی کے ساتھ فرق نہیں کرتے کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر ایمان نہ لائیں بلکہ سب رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ایسے لوگوں کو بہت جلد اللہ تعالی ان کے ثواب سے نوازے گا۔ اور اللہ تعالی بڑا بخشنے والا اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔ (تیسیر)

"مطلب یہ ہے جو ہم سورۃ بقرہ کے آخر میں عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالی پر اور اس کے رسولوں پر سب پر ایمان لائیں کسی رسول کے ماننے میں جدائی ڈالیں تو لوگ اپنے اجور اور ثواب پانے کے مستحق ہوں گے اور اللہ تعالی ان کو ان کا حصہ عنایت کرے گا اور اگر کوئی کوتاہی ان سے واقع ہوئی ہو گی تو اس کو بخشدے گا کیونکہ اللہ غفور ہے اور ان کے ثواب کو بڑھا کر اور ان کی نیکیوں کو زیادہ کر کے بھی ان کو دے گا کیونکہ وہ بڑی مہربانی کرنے والا ہے۔ (تسہیل) "[2]

مثالوں سے وضاحت:

تفسیر کشف الرحمن کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ بات سمجھانے کے لیے مثالوں سے وضاحت کرتے ہیں تاکہ قاری کو کسی بھی قسم کا ابہام نہ رہے اور بات دل میں اتر جائے۔

۱۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ "[3]

اس کی وضاحت میں مولانا احمد سعید لکھتے ہیں کہ:

1۔ النساء: 152

2۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 2/858

3۔ البقرۃ: 33

"تخلیق آدم کے بعد ان کو تمام کائنات سے روشناس کرایا گیا۔ کیونکہ جب تک ان کو تمام اشیاء کا اور ان کے خواص کا علم نہ دیا جاتا تو وہ زمین میں نیابت اور خلافت کا فریضہ ادا نہیں کر سکتے تھے اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جب کسی شخص کو ضلع یا تحصیل کا حکم بنایا جاتا ہے تو اس کو وہاں کے تمام تفصیلی حالات سے آگاہ کیا جاتا ہے ورنہ وہ حکومت کے صحیح فرائض انجام نہیں دے سکتا۔"[1]

2۔ اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

"مذبذبین بین ذلک لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلا"[2]

"اور ایمان کے مابین تردد و تذبذب کی حالت میں مبتلا ہیں نہ پورے ان مسلمانوں کی طرف اور نہ پورے ان کافروں کی طرف اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں مبتلا رکھے تو اے مخاطب تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا"

اس کی وضاحت میں مولانا احمد سعید لکھتے ہیں کہ:

"جب کوئی بندہ اپنی شرارت اور طغیان میں بڑھتا چلا جاتا ہے تو حضرت حق تعالیٰ اس کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور اس سے نیک توفیق کو سلب کر لیتے ہیں یا یوں سمجھ کہ جب کوئی مریض بدپرہیزی کو اپنا شیوہ بنا لیتا ہے تو طبیب اس کی اصلاح سے دست کش ہو جاتا ہے بس اسی حالت کو قرآن اضلال سے تعبیر کرتا ہے۔"[3]

3۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"ان اللہ لا یستحی ان یضرب مثلا ما بعوضۃ فما فوقھا فاما الذین آمنوا فیعلمون انہ الحق من ربھم واما الذین کفروا فیقولون ماذا اراد اللہ"[4]

"اس میں کوئی شرم یا ننگ و عار کی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ مچھر کی مثال بیان فرمائے یا اس سے کسی بڑی چیز لکڑی اور مکھی کی مثال بیان فرمائے۔ اللہ تعالیٰ جو بھی مثال بیان فرماتا ہے اس کا ایک اثر تو اہل ایمان پر ہوتا ہے اور اس کا دوسرا اثر

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 1/ 29

2۔ النساء: 143

3۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 2/ 851

4۔ البقرۃ: 26

کفار اور فساق پر ہوتا ہے اہل ایمان تو اس مثال کو مناسب اور باموقع جانتے اور سمجھتے ہیں لیکن کافر یہی کہتے رہتے ہیں کہ اس مثال کے بیان کرنے سے اللہ کا ارادہ اور اس کی غرض کیا ہے وہ خدا کا کونسا مطلب ہے جو اس مثال سے وابسطہ ہے جس طرح بارش کا ایک اثر تو عمدہ زمین پر ہوتا ہے اور دوسرا ناقص اور شور زمین پر ہوتا ہے ایک اچھی اور مقوی غذا کا ایک ایک اثر تندرست پر ہوتا ہے۔ اور دوسرا مریض پر ہوتا ہے ٹھیک وہی حالت یہاں ہے۔ "[1]

فہم قرآن کا وھبی ملکہ:

مولانا کے اندر سب خوبیوں سے ممتاز خوبی قرآن کا فہم ہے۔ مولانا آیت کی تفسیر میں قرآن کی تشریح اس انداز سے فرماتے ہیں کہ پڑھنے اور سننے والے عش عش کر اٹھتے ہیں۔

اخلاق حسین قاسمی لکھتے ہے

"الذکر کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا "الذکر" سے مراد قران کریم ہے، یہ بھی قران کا ایک نام ہے۔ کسی صاحب نے اس کا ترجمہ پند و نصیحت کیا ہے۔ کسی نے ذکر ہی لفظ قائم رکھا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی عادت کے مطابق "سمجھوتی" کیا ہے۔ حضرت شیخ الہند نے اس کو بدلا ہے، اور سیاق سباق آیت کی مناسبت سے "یہ کتاب" ترجمہ کیا ہے۔ اس کے بعد مولانا نے آیات پیش کرنی شروع کیں اور حافظ ایوب مرحوم اور حافظ انوار الحق صاحب نے ان کی تلاوت کر کے ترجمہ سنانا شروع کیا۔ اجمال کے عرض کرتا ہوں مولانا نے بتایا دیکھو آل عمران میں ایک صفت لگا کر قران کریم کو "ذکر حکیم" کہا گیا ہے۔

"ذالک نتلوہ علیک من الآیات والذکر الحکیم" سورۃ انبیاء میں "ذکر مبارک" فرمایا ہے: "ھذا ذکر مبارک انزلناہ افانتم لہ منکرون" ۔ سورۃ یٰسین میں خود ہی وضاحت فرما دی ہے کہ ذکر سے مراد قرآن مبین ہے۔ "ان ھو الا ذکر و قرآن مبین" اس کی تائید و

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 1/ 24

استدلال میں متعدد آیات پیش کر کے فرمایا۔ اسی لفظ سے "تذکرہ" نکلا ہے۔ سورۃ عبس دیکھو۔ قرآن کو تذکرہ فرمایا ہے: "کلا انھا تذکرۃ فمن شاء ذکرہ"۔[1]

مولانا کو قرآن مجید کے معانی و مطالب اور ربط آیات پر بے انتہا عبور تھا اور یہ مولانا کا خاص امتیاز اور ملکہ تھا۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

آنسو راہِ وفا میں گراتے گزر گئے	یوں تو کہ ہم خزانے لٹاتے گزر گئے
دامن کو الجھنوں سے بچاتے گزر گئے	اچھے رہے تو ہنستے ہنساتے گزر گئے
ہستی کے راہگزار میں کس کو قیام ہے	آئے ادھر تو ملتے ملاتے گزر گئے
یہ بھی تیری نگاہ کی توفیق تھی کہ ہم	اس رہ گزر سے ٹھوکریں کھاتے گزر گئے
آئی بہار غنچۂ خاطر نہیں کھلا	یہ دن بھی یونہیں اشک بہاتے گزر گئے
ملتی نہیں ہر ایک کو یہ دولت جنوں	کتنے ہی آئے خاک اڑاتے گزر گئے

واصف سے ہم ملے جو سرِ رہ گزارِ عشق
باہم دلوں کے داغ دکھاتے گزر گئے۔[2]

5۔ سورتوں میں ربط:

تفسیر کشف الرحمن میں ایک وصف یہ بھی ہے کہ مفسر سورۃ کے آغاز میں اس سورۃ کے متعلقہ مضامین کی وضاحت کے ساتھ سابقہ سورۃ کا ربط بھی بیان کرتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قاری کو سورۃ کے مضامین کا نظم سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

سورۃ المائدہ کے آغاز میں لکھتے ہیں:

> "سورت پر ابتداء سے نظر ڈالیے تو بہت مسائل حلال و حرام کے آپ کو ملیں گے۔ ابتداء میں چوپایوں کی حلت و حرمت کے مسائل ہیں۔ پھر اہل کتاب سے تعلقات کی بحث ہے۔ پھر وضو، غسل اور تیمم وغیرہ کی بحث ہے۔ پھر اہل کتاب کی مذمت اور ان پر تنقید ہے اور ان کو اسلام کی دعوت ہے۔ پھر باغیوں کی جو اسلامی حکومت سے بغاوت کے مرتکب ہوں ان کی سزا کا ذکر ہے۔ پھر چوروں کے ہاتھ

1۔ قاسمی، اخلاق حسین، مولانا احمد سعید مفسر قرآن کی حیثیت سے، مشمولہ: دارالعلوم (مدیر، سید محمد ازہر شاہ قیصر)، ہندوستان: دارالعلوم دیوبند، مارچ 1961ء، ص: 21

2۔ دہلوی، حفیظ الرحمن، مفتی اعظم کی یاد، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، 2013ء، ص: 399

کاٹنے کا قانون ہے۔ پھر اہل کتاب سے دوستی قطع کرنے کا حکم ہے۔ پھر نصاریٰ کو تنبیہ ہے۔ بعض نصاریٰ کی اسلام دوستی پر ان کی تعریف ہے۔ پھر جوئے اور شراب کی حُرمت کے آخری اور انتہائی احکام ہے۔ پھر کفار کے نذر و نیاز اُن جانوروں کی حُرمت ہے جو وہ بتوں کے نام پر مختلف ناموں سے نامزد کیا کرتے ہیں۔ پھر سفر میں جو لین دین کے معاملات پیش آتے ہیں، اُن کا قانون ہے۔ پھر آخر میں نصاریٰ سے بحث ہے اور قیامت میں اُن کی بے کسی اور عاجزی کا ذکر ہے۔"[1]

سورۃ المائدہ کا سورہ النساء سے ربط کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سورۃ النساء سے اس سورت کا ربط ظاہری ہے۔ اکثر مسائل اس میں مذکور تھے اور اسی طرح اکثر مسائل اس سورت میں مذکور ہیں۔ اس کی ابتداء تقویٰ کے حکم سے ہوئی تھی۔ اور اس کی ابتداء عہود کے پورا کرنے کی تاکید سے ہے۔"[2]

4۔ باطل عقائد کا رد:

تفسیر کشف الرحمن میں مولانا احمد سعید نے باطل عقائد کا رد نہایت عمدہ انداز میں کیا ہے۔ آپ کا تعلق اہلسنت و الجماعت مکتبِ فکر سے ہے۔ اسی وجہ سے آپ عقائد پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ باطل عقائد کا رد کشف الرحمن کی نمایاں خوبی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"الی ربہا ناظرۃ"[3]

اس آیت میں معتزلہ کے عقائد کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"یعنی اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے خوشی کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہوں گے اس دن اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا بعض فرق ضالہ معتزلہ وغیرہ آخرت میں بھی دیدار کے منکر ہیں۔"[4]

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 1/ 887

2۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 1/ 888

3۔ القیامہ: 23

4۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 4/ 2955

1۔ قرآن میں ارشاد ہے:

"وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا"[1]

اس آیت میں معتزلہ اور خوارج کے بارے میں بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت میں ایک طرف معتزلہ نے اور دوسری طرف خوارج نے اپنے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے۔ معتزلہ اور خوارج فرق باطلہ میں سے ہیں اور ان کے عام استدلال ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے کوئی ڈوبتا ہوا آدمی تنکے کا سہارا تلاش کیا کرتا ہے۔ بہر حال جہاں تک فرق باطلہ کے استدلال کا تعلق ہے وہ اس قدر قابل اعتبار نہیں ہے۔"[2]

2۔ قرآن میں ارشاد ہے:

"الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ۸"[3]

اس آیت میں مجوسیوں کے عقائد کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"تمام تعریفیں اور ہر قسم کی حمد و ثنا کا وہی اللہ تعالیٰ سزاوار ہے اور مستحق ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے اندھیرے اور تاریکیاں روشنی اور نور بنایا یعنی دونوں کا خالق وہی ہے مجوسی جو کہتے ہیں وہ غلط ہے۔"[4]

3۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ"[5]

اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"شیعہ حضرات کے معروف تقیہ کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آیت میں صرف یہ بات بتائی گئی ہے کہ خوف کے وقت ضرر سے بچنے کے لیے دوستی کا اظہار

1۔ النساء: 93

2۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 2/785

3۔ الانعام: 1

4۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 2/1036

5۔ آل عمران: 28

کر دیا جائے اور عداوت کا اظہار نہ کیا جائے اور شیعوں کے تقیہ میں کفر کا اظہار اور ایمان کا اخفا ہوتا ہے۔[1]

علمی رواداری:

مولانا احمد سعیدؒ کے اندر یہ خوبی بھی اعلیٰ ظرف کی حیثیت رکھتی ہے کہ معاصرین علماء کی تحقیقات کا کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں۔ ان کی یہ خوبی تفسیر کشف الرحمن میں بھی نمایاں پہلو رکھتی ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

"وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين لله فإن انتهوا فلا عدوان إلا على الظالمين"[2]

اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"اسلامی قانون جنگ پر احقر کا ایک مقالہ بھی ہے جو ریڈیو کی تقریروں میں شائع ہو چکا ہے اور سید ابو الاعلیٰ مودودی کی ایک مستقل کتاب بھی ہے اور اس میں سید صاحب نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ خو ب بحث کی ہے اور وہ کتاب ہر تعلیم یافتہ آدمی کو مطالعہ میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ سید ابو الا علیٰ مودودی کی کتاب کا نام بھی غالباً اسلام کا قانون جنگ ہی ہے۔"[3]

6۔ حضور سے منقول دعائیں:

تفسیر کشف الرحمن میں ایک امتیاز یہ بھی پایا جاتا ہے کہ مفسر تفسیر کے دوران حضور سے منقول دعاؤں کا ذکر کرتے ہیں۔ عربی متن کے ساتھ قاری کی سہولت کے لیے اردو ترجمہ بھی کرتے ہیں۔ ان دعاؤں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ کو حضور کے ساتھ بے پناہ محبت ہے اور محبت کا یہ بیان قاری کے دل میں ایمان کو تازہ کر دیتا ہے۔

1۔ قرآن میں ارشاد ہے:

"يوم تجد كل نفس ما عملت من خير محضرا ب وما عملت من سوء تود لو أن بينها وبينه أمدا بعيدا ويحذركم الله نفسه والله رءوف بالعباد"[4]

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 2 / 421

2۔ البقرہ: 193

3۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، ص: 202

4۔ آل عمران: 30

نبی کریم یوں دعا فرمایا کرتے تھے:

"یا حنان یا منان یا ذا الجلال والاکرام یا عدینی و بین خطیئتی کما باعدت بین المشرق والمغرب ونقنی من الخطایا کما ینقی الثوب الا بیض من الدنس واغسلنی بماء الثلج والبرد سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ العظیم واتوب الیہ"[1]

2۔ ایک اور جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ "[2]

اس آیت میں نبی کریم کی مشہور دعا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"اعوذ بعفوک من عقابک واعوذ برضاک من سخطک واعوذبک منک"[3]

7۔ تشریحی ترجمہ:

تفسیر کشف الرحمن کے امتیازات میں سے ایک امتیاز تشریحی ترجمہ بھی ہے۔ مفسر نے قرآنی الفاظ کا ترجمہ کرتے ہوئے معنوی ترجمہ کرنے کی بجائے بہت سے الفاظ کا ترجمہ وضاحت سے کیا ہے۔ اور ترجمہ کے الفاظ میں اضافہ کر دیا تاکہ معنی و مطالب واضح ہو جائے اور قاری کو مطالب سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ "[4]

اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت کی توفیق بخشے جو ایمان لانے کے بعد اور زبان سے اس بات کی شہادت دینے کے بعد کہ یہ رسول اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور اس کے بعد کہ ان کو اسلام کی صداقت کے واضح دلائل پہنچ چکے۔ ان تمام انعامات کے بعد پھر وہ لوگ کافر ہو گئے اور انہوں نے کفر اختیار

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن

2۔ آل عمران: 174

3۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 1/598

4۔ آل عمران: 86

کر لیا اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم اور ستم شعار لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیا

کرتا۔"[1]

ترجمہ میں فرق:

کشف الرحمن کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایک مادہ سے بنے ہوئے الفاظ کا موقع و محل، سیاق، و سباق اور نظم کلام کی رعایت سے الگ الگ ترجمہ کیا ہے لیکن بعض مقامات پہ ایک جیسا بھی ترجمہ کیا، اس کی وجہ سے قاری کے لیے قرآن کی غرض غایت اور لسان القرآن سے بھی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے مختلف الفاظ کے معنی و مفہوم اور اسلوب سے دل و دماغ کو خوشگوار تازگی ملتی ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"شروع اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان نہایت رحم والا ہے"

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ "[2]

"جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے"

ان دونوں آیات میں لفظ "الرحمن الرحیم" میں فرق کرتے ہوئے ایک جگہ بے انتہا اور دوسری جگہ بے حد کا ترجمہ کر کے اللہ کی صفات و بزرگی کو بلند کیا ہے کہ نہ اس کی انتہا ہے اور نہ یہ اس کی صفات کی کوئی حد ہے۔

اس صفت پر عبدالعزیز خالب کا ایک قطعہ ہے:

رحمان و رحیم ہے وہ رب عباد

دیتا نہیں اس کا ہے یہ محکم ارشاد

تکلیف کسی کو اس کی طاقت سے زیاد

کیا جانیں "زیادہ سے ہے کیا اس کی مراد

1۔ قرآن میں ارشاد ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ "[3]

1۔ سحبان الہند، احمد سعید، کشف الرحمن، 1/ 489

2۔ الفاتحہ: 2

3۔ الفتح: 10

"بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ واقع میں اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں"

قرآن میں ارشاد ہے:

"يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا"[1]

"اے پیغمبر! جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں اور آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ وہ خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گیں"

ان دونوں آیات میں لفظ "یبایعونک اور یبایعنک کے "معنی میں مولانا نے ایک ہی ترجمہ کیا ہے یعنی بیعت۔

2۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ"[2]

"اور یہود ایک چال چلے اور اللہ تعالیٰ ان کو توڑ کے لئے دوسری چال چلا اور اللہ تعالیٰ تمام چال چلنے والوں میں بہتر چال چلنے والا ہے"

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَاِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْۤ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا"[3]

"اور جب ہم لوگوں کو کوئی دکھ پہنچنے کے بعد اپنی مہربانی اور سکھ کا مزہ چکھاتے ہیں تو اسی وقت وہ ہماری آیتوں کے بارے میں شرارت کرنے لگتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ اس شرارت کی سزا دینے میں بہت جلدی کرنے والا ہے بلاشبہ ہمارے فرشتے تمہاری سب مکاریاں لکھتے رہتے ہیں۔"

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ"[4]

"وہ یہ کہ ملک میں مزید سرکشی اور بری بری تدبیریں کرنے لگے۔ حالانکہ بری چال اس چال چلنے والے ہی کو گھیر لیا کرتی ہے۔"

1۔ آل عمران: 54
2۔ الممتحنہ: 12
3۔ یونس: 21
4۔ فاطر: 43

ان تینوں آیتوں میں لفظ "مکر" مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ پہلی آیت میں چال کے لیے، دوسری آیت میں شرارت اور تیسری آیت میں سرکشی کے معنوں میں استعمال ہوا۔ ان آیات کے ترجمہ سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا کا فہم اور ذوق عمیق اور عمدہ ہے۔

مابعد تفاسیر پر اثرات:

تفسیر کشف الرحمن بیسویں صدی کے آغاز میں لکھی جانے والی اردو تفاسیر میں ہوتا ہے۔ اس عہد کے بعد بے شمار اردو تفاسیر لکھی گئیں۔ لیکن تفسیر کشف الرحمن اپنے اسلوب بیان کی وجہ سے ان تمام تفاسیر میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ ہر تحریر اپنے عہد کے معاشرتی ماحول کی عکاس اور ترجمان ہوتی ہے۔ معاشرہ فرد پر اور اس کی تحریر پر اثر انداز ہوتا ہے اور بعد میں آنے والے افراد اور تحریریں ان قدیم افراد اور تحریروں سے متاثر ہوتے ہیں۔ تفسیر کشف الرحمن منظر عام پر آنے کے بعد اہل علم اس سے متاثر ہوئے۔

1۔ تشریح القرآن

مولانا عبد الکریم پاریکھ "تشریح القرآن کے مفسر ہیں۔ آپ اچھے مقرر اور مفسر قرآن کی حیثیت سے کافی مشہور تھے۔ 20مارچ 1928ء کو آکولہ کے ایک گاؤں کان سیوٹی میں پیدا ہوئے۔ مولانا پاریکھ کی نظر میں سب سے بڑی دولت قرآن کریم سے شغف اور اس کی خدمت واشاعت کا بے پناہ جذبہ تھا۔[1]

مولانا عبد الکریم کے اخلاص وجذبہ خدمت کو اللہ نے قبول فرمایا، قبولیت عند اللہ کی دلیل یہ ہے کہ:

> "اس عہد کی سب سے بڑی اسلامی شخصیت، عرب وعجم کے چوٹی کے دانشور اور مشائخ وعلماء جس ذات سے اپنی وابستگی اور عقیدت کو شرف وعزت کی بات سمجھتے ہیں۔"[2]

آپ کے بارے میں سید ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ:

> "میرا دل آپ کے ساتھ ہے، آپ کو اپنے لیے بیش قیمت ذخیرہ آخرت سمجھتا ہوں، آپ کا تعلق ومساعی کو اپنی مغفرت وسرخروئی کا ذریعہ جانتا ہوں۔"[3]

1۔ پاریکھ، عبد الکریم، مقدمہ: علی میاں صاحب کے خطوط، دہلی: تاز آفسٹ پریس، 1999ء

2۔ ایضا

3۔ پاریکھ، عبد الکریم، مقدمہ: علی میاں صاحب کے خطوط، دہلی: تاز آفسٹ پریس، 1999ء

ابوالحسن علی ندوی "دیباچہ تشریح القرآن" میں آپ کو "ترجمان القرآن" کا لقب دیا ہے۔[1] یہ ترجمہ و تفسیر ایک جلد میں ہے۔ انڈیا سے پبلش ہوئی۔ مولانا نے قرآن پاک کا ترجمہ تین زبانوں انگلش، اردو اور ہندی میں کیا۔ آپ کو ان تین زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔

تشریح القرآن میں تفسیر کشف الرحمن کے حوالے ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ مولانا عبد الکریم کی نظر، تمام معروف اور غیر معروف تفاسیر پر رہی ہے۔ قرآن مبارک ارشاد ہے:

"وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ"[2]

اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے تشریح القرآن کے مفسر تفسیر کشف الرحمن کا حوالہ دیتے ہیں:

> "اور جو لوگ تم میں سے مرنے لگیں یعنی موت کے قریب ہوں اور وہ اپنے پیچھے اپنی بیویاں چھوڑ رہے ہوں تو ان کو لازم ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے لئے ایک سال تک نان و نفقہ سے فائدہ اٹھانے اور گھر سے نہ نکالنے کی وصیت کر جایا کریں پھر اگر وہ چار مہینے دس دن کی عدت پوری کر کے خود بخود گھر سے نکل جائیں تو تم پر اس قاعدے کی بات میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ عورتیں اپنے بارے میں طے کریں اور اپنے حق میں جو بات تجویز کریں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور کمال حکمت کا مالک ہے۔"

اس اقتباس کو مولانا عبد الکریم پاریکھ نے من و عن تفسیر کشف الرحمن سے نقل کیا ہے اور مولانا عبد الکریم مزید لکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفصیل کے لیے دیکھئے ترجمہ و تفسیر کشف الرحمن۔

2۔ روح القرآن

مفتی محمد نعیم "روح القرآن" کی زیر نگرانی اس تفسیر پر کام جاری و ساری ہے۔ آپ الجامعہ البنوریہ میں بطور شیخ الحدیث ہیں۔ روح القرآن کا نام سے تفسیر لکھی جو مکتبہ الجامعہ البنوریہ العالمیہ سے شائع ہوئی۔ ابھی تک سات جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ بقیہ کام جاری ہے۔

مفتی محمد نعیم کی تفسیر میں کشف الرحمن کے حوالے موجود ہیں:

1۔ ایضاً
2۔ البقرۃ: 240

"فاحکم بینھم بما انزل اللہ"

مفتی محمد نعیم اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کشف الرحمن کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"آیت کے اس حصے میں نبی کریم سے فرمایا جارہا ہے کہ آپ اہل کتاب کے درمیان یہودیوں کی خواہشات کا خیال کیے بغیر آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ جو حق یعنی قرآن مجید ہے۔ اس کے مطابق فیصلہ کیا کیجئے۔"[1]

مولانا احمد سعید کی تفسیر پر نظر ڈالنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا نے اسلوب کی ان تمام خوبیوں کو مد نظر رکھا جو اس فصل میں درج ہیں مولانا یہ تفسیر بلند آہنگ موضوع کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر کشف الرحمن اپنی خصوصیت کے اعتبار سے روایتی تقاضوں کو پورا کرتی ہے اور اُردو تفاسیر کے میدان میں مولانا احمد سعید کا مقام و مرتبہ متعین کرتی ہے۔

1۔ مفتی، محمد نعیم، روح القرآن، کراچی: مکتبہ الجامعہ البنوریہ العالمیہ، 3/ 157

خلاصہ بحث

مولانا احمد سعید دہلوی کے عہد پر مجموعی طور پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دور ایک پُر آشوب دور تھا۔ سیاسی ہنگامہ خیزی سے بر عظیم ہند پر انگریزوں سے تسلط کے باعث ہر شعبہ متاثر تھا۔ اس میں جبر و استبداد کی ایک طویل تاریک رات تھی جس سے اس خطہ ارض کا معاشرتی و سماجی اور علمی حسن گہنا گیا تھا۔ مولانا دہلوی نے جب آنکھ کھولی تو سرسید احمد خاں کی اصلاحی و علمی تحریک اپنے شباب پر تھی مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے، مایوسی اور پژمردگی پر ضرب کاری لگا کر انہیں از نو منظم ہو کر ہر میدان میں مقابلہ کے لیے کمربستہ ہونے کا عملی مظاہرہ شروع ہو چکا تھا۔

مولانا نے انتہائی متوسط درجہ کے گھرانہ میں ہوش سنبھالا اور اوائل عمری میں تعلیم کی بجائے کسب معاش کی طرف مائل ہو گئے۔ مگر قدرت کو اس ہیرے کی تراش خراش مسطور تھی کہ مولانا محمد سے اینہ مفتی کفایت دہلوی کی شاگردی میں پہنچ گئے۔ اور اپنے شفیق استاد کے زیر سایہ رہ کر دینی تعلیم سے بہرہ ور ہوئے اور دہلی کے مخصوص ماحول میں علم و ادب کی پیاس بجھانے لگے۔ یوں مولانا کی شخصیت نکھرتی چلی گئی۔ وقت کے بہترین خطیب مناظر اور مقررین کی صحبت سے خطابت کے جوہر سیکھے، مناظرہ کے داؤ پیچ جانے، اک واعظ دل نشین اور شیریں بیاں مقرر بن کر ابھرے۔ خاص ادیبوں اور اہل دلی کی مجالس سے دلی کی ٹکسالی زبان اور مخصوص محاوروں سے ایسی واقفیت پائی کہ خود ٹکسالی زبان کی سند ٹھہرے۔ دینی علوم پر مولانا نے کماحقہ دسترس پائی اور اطراف اپنے وقت کے بہترین اور وسیع المطالعہ عالم کے حیثیت سے اطراف ملک میں جانے لگے۔

ہندوؤں، آریہ سماج، سندھی، سنگھٹن اور عیسائیوں کے جانب سے جب مسلمانوں میں لاتعداد اور تبدیلی مذہب کی تبلیغ کی مذموم کاروائیوں کی وجہ سے سادہ لوح مسلمان ان کے جال میں پھنسے تو مولانا نے اپنے اساتذہ کے ہمراہ پورے ملک میں طوفانی دورے کیے اور کئی جگہ مخالفین کے مناظر کو مناظرہ میں شکست دی اور اپنی تبلیغی کوششوں سے سینکڑوں مسلمانوں کو ارتداد کے چنگل سے آزاد کروایا اور دین اسلام کی روشنی سے ہزاروں قلوب کو منور کیا۔

عین شباب کے عالم میں مولانا نے اپنے استاد مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے ساتھ مل کر جمعیۃ العلماء ہند کی بنیاد ڈالی اور ملکی سیاست میں فعال کردار ادا کرنا شروع کیا۔ مولانا کے کردار کی سچائی دین سے سچی اور بے لوث وابستگی پر سوال نہیں اٹھایا جا سکتا۔ کیونکہ پنڈت جواہر لعل نہرو سے کوئی مالی مفاد نہ حاصل کرنا اس کا ثبوت ہے۔ مولانا کی شخصیت ایک سحر انگیز اور دل موہ لینے والی تھی۔ احباب میں مقبول، عوام میں معروف، لوگوں کے لیے ہمدردی، دلسوزی، اپنے غیروں کی غم خواری، مجبوروں محتاجوں کی مدد اور مظلوموں کی فریاد رسی اور دادرسی کے دھن مولانا کی شب و روز کے معمولات تھے۔ یہ

اس قدر غالب تھی کہ مولانا کے سوانح و تذکرہ نگاروں کو کہنا پڑا کہ مولانا کی اسی عادت نے انہیں جم کر علمی کام کرنے کا موقعہ نہ دیا۔

مولانا ایک دلدار قسم کے مجلسی آدمی تھے۔ جہاں اک طرف علم و ادب سے بے بہرہ عام آدمی بھی شریک تھے، تو دوسری طرف دلی کے ادبا، شعراء اور علماء بھی حضر ہوتے تھے۔ مولانا عوامی حیثیت سے عوام کی ہر طرح کی خدمت بجا لانے کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے تو دوسری طرف علم و ادب کی شمع بھی روشن کیے کاروانِ آگاہی و دانش کے دوش بدوش رواں دواں رہے۔ لال قلعہ میں سالانہ مشاعرہ کا اجراء اور دستور مولانا ہی کے نیک آثار کا مظہر ہے۔

مولانا فلسفہ الامام شاہ ولی اللہ دہلوی کے عاشق زار تھے اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی رجوع الی القرآن کی تحریک کے بھی شہ سوار اور ہراول دستے کے کارکن رہے۔ اس ولی اللہ وابستگی اور والہانہ عقیدت نے مولانا کو قرآن کی تفسیر لکھنے کی تشویق دلائی۔ اور معارف قرآن کو بزبان علوم و حکمتِ خانوادہ ولی اللہی بیان کرنے کا بیڑا مولانا نے اٹھایا۔ خصوصاً شاہ عبد القادر محدث دہلوی ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "موضح قرآن" کی تفسیر و تشریح کا منصوبہ کے اولین ارادوں میں سے تھا۔ مگر مولانا حد درجہ منکسر المزاج اور درویشانہ روش زندگی بسر کرتے تھے۔ سو جو کوئی حاجت مند جس وقت بھی آیا مولانا سب کام چھوڑ چھاڑ کر اس کی دادرسی کے لیے ساتھ ہو لیے۔ اس طرز و تعجل سے مولانا کا علمی کام متاثر ہوا۔ اور نقش اول بدل کر نقش ثانی "کشف الرحمن" کی صورت میں ظہور پذیر ہوا جو مولانا کے علمی آثار میں سب سے بڑا زندہ و جاوید کارنامہ ہے۔

کشف الرحمن میں مولانا نے سلف صالحین کے طرز منہج و تفسیر کو اپنایا ہے۔ سادہ، سلیس، شگفتہ و شیریں انداز تحریر سے مزین فرمایا۔ مولانا کا درس قرآن جو علمی اعتبار سے مولانا ہی کے ہاتھوں مرتب ہو کر کشف الرحمن کی صورت میں جلوہ گر ہوا ہے۔ چونکہ مولانا ایک عملی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کے فعال رکن تھے۔ لہذا ایک قاری کے ذہن میں جو عمومی سوالات قرآن فہمی کے دران جنم لے کر قبل و ذہن میں کھٹکتے۔ مولانا نے نہایت مدلل اور مؤثر انداز میں ایسے اشکالات کے جوابات تفسیر میں دینے کا اہتمام کیا ہے۔ اک طرف کشف الرحمن روایتی حلقہ کی مستند ترین تفسیر ہے تو دوسری طرف زبان و ادب کے باب میں اک اہم اضافہ بھی ہے۔ ایک انصاف پسند ناقد تفسیر کشف الرحمن کے مطالعہ کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ مولانا نے قرآن فہمی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو بآسانی عبور کیا ہے اور قارئین کو اک صاف ستھرا اور نکھرا ہوا "فہم قرآن" عطا کیا ہے جو نہ صرف علمی تشنگی کو سیراب کرتا ہے بلکہ خشک ابحاث اور فکری عیاشی سے صاف دامن بچا کر عمل صالح پر آمادہ کرتا ہے اور معاشرہ کو مجموعی طور پر تزکیہ روح و نفس کے لیے قرآن معارف کی غذا اور امداد فراہم کرتا ہے۔

بحیثیت مجموعی مولانا دہلوی کے تمام جہات واطراف پر نظر ڈالی گئی ہے تو بآسانی اس کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ مولانا ایک باصول، متحرک، فعال اور علم وعمل کا مجموعہ تھے۔ اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے کردار سے معاشرہ میں ہمت وعزیمت کے مثال بنے کہ اصرار کے کوئی قیمت وانعام وصول نہیں کیا۔ مولانا کی ہمہ جہت خوبیاں اس امر کی متقاضی ہیں کہ انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا اور علم وتحقیق کے باغ کو مولانا نے اپنے گوہر بار قلم سے سینچا ہے۔ جس کا منہ بولتا ثبوت کشف الرحمن ہے۔

حالات کے قدموں پہ قلندر نہیں گرتا
ٹوٹے جو بھی تارا تو زمین پر نہیں گرتا

نتائج

- تفسیر کشف الرحمن کے منہج واسلوب کے تحقیقی وتنقیدی مطالعہ کے بعد درج ذیل نتائج سامنے آئے ہیں۔
- تفسیر کشف الرحمن کا منہج واسلوب انفرادیت کا حامل ہے۔
- یہ متقدمین کے تفسیری کتب کے تمام اہم علمی مباحث کا احاطہ کئے ہے۔
- مختلف فیہ مسائل پر تفصیل بحث کی گئی ہے۔ یہ بحث تحقیقی رنگ لئے ہوئے ہے۔
- یہ تفسیر اپنے تحقیقی اسلوب اور عام فہم زباں کی بناپر بلند مقام رکھی ہے۔
- ماخذ ومراجع کی کثرت سے یہ تفسیر دوسری تفاسیر میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔

سفارشات

- برصغیر پاک وہند کی ٹکسالی زبان کا شاہکار کشف الرحمن نہایت علمی ذوق رکھنے والوں کے لئے عمدہ تفسیر ہے۔ اس کو برصغیر کی دیگر تفاسیر سے بھی تحقیقی موازنہ ہونا چاہیئے۔
- مولانا کی شخصیت کا تقاضا ہے کہ ان کی ذات پر علیحدہ سے ایک سیمینار منعقد کیا جائے۔ تاکہ ان کی زندگی کے ہر گوشے کو واضح کیا جاسکے۔
- طباعت جدکا کام عمدہ ہونا چاہیئے کیونکہ لفظوں میں فرق کی وجہ سے محقق کو مشکلات کا سامنا نہ ہو۔
- تفسیر کشف الرحمن کا مطالعہ جامعات و مدارس کے نصاب میں شامل ہونا چاہیئے۔ کیونکہ آنے والے محققین کے لئے تفسیر بالقرآن اور تفسیر بالحدیث سے کماحقہ واقفیت ہونی چاہیے۔
- قرآن مجید کی تعلیمات ابدی اور لازاول خصوصاامت مسلمہ کے لئے اس تفسیر کے مطالعہ سے بہترین رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

فہارس قرآنی

	اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ	17	
	اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ	21	
	قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ	26	
	لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ	28	
	یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ب وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ر تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَھَا	30	
	قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ	31	
	یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ	71	
	کَیْفَ یَھْدِی اللّٰہُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ وَشَھِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ	86	
	وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ	103	
	فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْھُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰہِ	174	

النساء(۴)

	وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـــًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَــًٔا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ مُّؤْمِنَۃٍ	92	
	وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خٰلِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ	93	
	اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ	142	
	وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْھِمْ اُجُوْرَھُمْ	152	
	لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْھُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ	162	
	وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْکَ	164	

المائدہ(5)

6	مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ ۃ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ	32	
7	وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ	83	

الانعام(6)

8	اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ	1	

الانفال(8)

9	وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا	46	

یونس(10)

11	وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَۃً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْھُمْ اِذَا لَھُمْ مَّکْرٌ فِیْٓ اٰیَاتِنَا	۲۱	

ابراہیم (14)			
12	اللہ الذی لہ ما فی السموت وما فی الارض ، وویل للکفرین من عذاب شدید A	2	
الحجر (15)			
13	لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون	56	
النحل (16)			
	بالبینت والزبر ، وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون	44	
الکھف (18)			
	واحیط بثمرہ فاصبح یقلب کفیہ علی ما انفق فیھا وھی خاویة	42	
الحج (22)			
	وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیتہ	52	
النمل (27)			
	بل ادرک علمھم فی الاخرة ، بل ھم فی شک منھا ، بل ھم منھا عمون	66	
القصص (28)			
	افمن وعدنہ وعدا حسنا فھو لاقیہ کمن متعنہ متاع الحیوة الدنیا	61	
الاحزاب (33)			
	یایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم الی طعام	53	
الفاطر (35)			
	ثم اخذت الذین کفروا فکیف کان نکیر	26	
	استکبارا فی الارض ومکر السیء ، ولا یحیق المکر السیء الا باھلہ	43	
ص (38)			
	قال لقد ظلمک بسؤال نعجتک الی نعاجہ ، وان کثیرا من الخلطاء	24	
	کتب انزلنہ الیک مبرک لیدبروا ایتہ ولیتذکر اولوا الالباب	29	
الجاثیہ (45)			
	ھذا کتبنا ینطق علیکم بالحق ، انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون	29	

		محمد(47)	
	12	إن الله يدخل الذين آمنوا وعملوا الصالحات جنات تجري من تحتها الأنهار	
		الفتح(48)	
	10	إن الذين يبايعونك إنما يبايعون الله يد الله فوق أيديهم فمن نكث	
		النجم(53)	
	25	فلله الآخرة والأولى	
		المجادلہ(58)	
	13	ءأشفقتم أن تقدموا بين يدي نجواكم صدقات فإذ لم تفعلوا	
		الممتحنہ(60)	
	12	يأيها النبي إذا جاءك المؤمنات يبايعنك على أن لا يشركن بالله شيئا	
		الصف(61)	
	6	وإذ قال عيسى ابن مريم يبني إسرائيل إني رسول الله إليكم مصدقا لما بين	
		القیامہ(75)	
	23	إلى ربها ناظرة	
		الاخلاص(112)	
	1	قل هو الله أحد	
	2	الله الصمد	
	3	لم يلد ولم يولد	

فہارس احادیث

فہرست اعلام

70. تنویر احمد شریفی

71. تقی عثمانی

72. ثناء اللہ پانی پتی

73. جلال الدین اکبر

74. جلال الدین سیوطی

75. جمیل نقوی

76. جان گل کرسٹ

77. جبرائیلؑ

78. جعفرؓ

79. چراغ علی

80. حفظ الرحمن

81. حسرت موہانی

82. حمید الدین فراہی

83. حفیظ الرحمن واصف دہلوی

84. حسن بن علقمی

85. حمید شطاری

86. حقانی

87. حذیفہؓ

88. حامد سعید

89. حسین احمد

90. حمزہ

91. حسین بن مسعود

92. حاکم محمد بن عبداللہ حکیم

93. حمید الدین

94. حمیرہ

95. حنیف ندوی

96. خلیل احمد الفراھدی

97. حسنؓ

98. خالد سیف اللہ رحمانی

99. داؤدؑ

100. داودی

101. ذاکر حسین

102. ذکاء اللہ

103. رابندر ناتھ ٹیگور

104. رفیع احمد قدوائی

105. رشید احمد گنگوہی

106. رام چندر دہلوی

107. رفیع الدین

108. رحیم بخش دہلوی

109. راغب اصفہانی

110. زرقانی

111. زینب بن جحش

112. سلیمان ندوی

113. سوامی شردھانند

114. ستیولداس

115. سیف الدین کچلو

116. سید احمد خان

117. سمیع اللہ

118. سید محمود

119. سرخسی

120. سلمان فارسی

121. سلمان حسینی ندوی

122. سلیم اللہ خان

123. سالم قدوائی

124. سعید احمد پالن پوری

125. سعد بن منیع

126. سلیمان بن احمد طبرانی

127. سعید بن جبیرؓ

128. شبلی نعمانی

129. شوکت علی

130. شبیر احمد عثمانی

131. سراج الحق

132. شاہد علی

133. شاہ عالم

134. شہاب الدین محمود

135. صدیق حسن خان

136. ضمیر حسن دہلوی

137. ضیاء الحق

138. ضیاء الدین انصاری

139. طیب

140. عطاء اللہ شاہ بخاری

141. عبد الباری فرنگی محل

.142 علی مرحوم

.143 عبدالباری

.144 عبدالماجد

.145 علی امام

.146 عبدالمجید

.147 عبدالغفور

.148 عبدالحکیم اکبری

.149 عبدالوہاب آروی

.150 عبدالصمد رحمانی

.151 عنایت احمد

.152 عبدالقادر

.153 عبدالباقی

.154 عنایت اللہ شیخ

.155 عبدالرحمن راسخ دہلوی

.156 عبدالسلمان ندوی

.157 عبدالباری ندوی

.158 عبدالحسن علی ندوی

.159 عابد حسین

160. عبدالماجد دریا آبادی

161. علیؓ

162. عبدالرؤف مناوی

163. عبدالحق

164. عبداللہ بن عمر البھاری

165. عبیداللہ بن عبداللہ

166. غلام احمد پرویز

167. علم الہدیٰ حسنی نصیر آبادی

168. عبدالادرد دہلوی

169. عبدالکریم پاریکھ

170. عبدالحمید سواتی

171. عزیز الرحمن

172. عتیق الرحمن

173. عبدالحیی بلال چشتی

174. عبدالحق حقانی

175. عاشق الٰہی بلند شہری

176. عنایت اللہ مشرقی

177. عبداللہ بن مسعود

178. عکرمہؓ

179. عطاءؒ

180. عثمانؓ

181. عبدالرحمن بن عوف

182. عمار بن یاسر

183. عامر بن طفیل

184. عیسیٰؑ

185. عبداللہ بن احمد بن محمد نسفی

186. علی بن المثنی

187. عمر بن محمد خوارزمی زمخشری

188. عبدالکریم

189. عبدالعزیز خالب

190. عبدالحق خیر آبادی

191. عبداللہ بن زبیر

192. فاروق خان

193. فضل حق خیر آبادی

194. فہمیدہ بیگم

195. فخرالدین

196. فتح اللہ شیرازی

197. فیروز الدین خان

198. فیروز آبادی

199. قاسم نانوتوی

200. قطب الدین بختیار کاکی

201. قتادہؓ

202. قطب الدین

203. کفایت اللہ

204. کالی

205. کانٹ

206. گوکرن پرشاد

207. گوکھلے

208. لارڈ ہارڈنگ

209. لطیف الحق

210. لنکا

211. محمد ﷺ

212. میر

213. محمد علی جوہر

214. مہاتما گاندھی

215. مانٹیگو چیمسفورڈ

216. مصطفیٰ کمال پاشا

217. محمد عرفان

218. محمد اقبال

219. محسن الملک

220. محمد علی مونگیری

221. مجیب

222. مشیر الحق

223. محمود الحسن

224. ملا واحدی

225. محمود ضیاء الدین انصاری

226. ممتاز احمد ہاشمی

227. محمد سعید

228. مظہر سعید

229. محمود سعید

230. مسعودہ بیگم

231. محمودہ بیگم

.232 محمد حسین فقیر دہلوی

.233 منظور احمد نعمانی

.234 محمد مدنی

.235 مہدی حسن دیوبند

.236 محمد زکریا

.237 محمد سعید

.238 محمد بن حافظ صالح خطیب سواتی

.239 محمد ادریس

.240 مالک

.241 معاویہ

.242 منظور حسن

.243 میر حسن علی

.244 مبروک بن راشد

.245 محمد تغلق

.246 محمد حسینی بندہ نواز

.247 محمد شریف خاں دہلوی

.248 محمد عاشق

.249 محمد قاسم

.250 محمود الحسن دیوبندی

.251 محمود الحسن عارف

.252 محمد فاروق خان

.253 محمد یوسف متالا

.254 محمد حزین ذہبی

.255 محمد ادریس کاندھلوی

.256 محمود حسن علوی

.257 محمد بن علی شوکانی

.258 محمد علی صدیقی

.259 موسیٰؑ

.260 مہدی حسن دیوبند

.261 محمد بن جریر طبری

.262 محمد بن اسماعیل

.263 مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری

.264 محمد بن عیسیٰ ترمذی

.265 محمد بن یزید

.266 معین الدین عقیل

.267 محمد اسحاق

268. نرائن عیار جوشی

269. نجیب اشرف

270. نذیر احمد

271. نعیم

272. وحید حسن ٹونکی

273. ولیم میور

274. وقار الملک

275. ولی اللہ

276. ولید بن مغیرہ

277. واعظ کاشفی

278. یوسف سلاح الدین سلفی

فہرست اماکن

16. کشمیر

17. کڑہ

18. کراچی

19. کان پور

20. کلکتہ

21. کولوبر گاس

22. جلیاں والا باغ

23. حیدر آباد

24. دہلی

25. دربھنگہ

26. ڈابھیل

27. سہارن پور

28. شاہ جہاں پور

29. لاہور

30. لکھنؤ

31. لندن

32. ملتان

33. مردان

مصادر و مراجع

1. الطاف حسین حالی، مولانا، حیات جاوید، دہلی: انجمن ترقی اردو، س۔ن،
2. قاسمی، عطاء الرحمن، دہلی میں دفن خزینے، لاہور: طیب پبلشرز، 2002ء
3. ابوالکلام، آزاد، مولانا، مقدمہ: فضل الدین احمد، لاہور: پاکستان ٹائمز، 1919ء
4. امین زبیری، مسلمانان ہند کی سیاست وطنی،
5. اسیر ادروی، تاریخ جمعیۃ علماء ہند، دہلی: محبوب پریس دیوبند، 1963ء، ص:56۔57
6. الطاف حسین حالی، مولانا، سرسید کی اردو صحافت، دہلی: انجمن ترقی اردو، 1975ء، ص:57
7. اخلاق حسین، قاسمی، مولانا احمد سعید مفسر قرآن کی حیثیت سے، مشمولہ: دارالعلوم، (مدیر: سید محمد ازہر شاہ قیصر)، ہندوستان: دارالعلوم دیوبند، مارچ 1961ء، ص:18
8. اعجاز فاروق اکرم، ڈاکٹر، برصغیر میں مطالعہ قرآن تراجم و تفاسیر، مشمولہ: فکر و نظر، (مدیر: ڈاکٹر ضیاء الحق)، شمارہ 4، 3: ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی، 1999ء، ص:80
9. اصغر عباس، سرسید کی اردو صحافت، دہلی: انجمن ترقی اردو، 1975ء، ص:57
10. بخاری، اکبر شاہ، اکابر علماء دیوبند، لاہور: ادارہ اسلامیات، س۔ن، ص:117
11. جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،
12. جمیل نقوی، اردو تفاسیر (کتابیات)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،
13. جعفری، رئیس احمد، علی برادران، کراچی: نفیس اکیڈمی، 1963ء، ص:228
14. چشتی، عبدالحلیم، فوائد جامعہ، کراچی: مکتبہ الکوثر، 2012ء، ص:35
15. حسین، سید عابد، ہندوستانی مسلمان آئینہ ایام میں، دہلی: یونین پریس، 1965ء، ص:133
16. حسین، جعفر، ہندوستانی سماجیات، دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، 1955ء، ص:125
17. دہلوی، حفیظ الرحمن واصف، مفتی اعظم کی یاد، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، 2013ء، ص:341
18. دہلوی، سید ضمیر حسن، مکاتیب احمد سعید، دہلی: دینی بک ڈپو، س۔ن
19. دین، شاہ معین، حیات سلیمان، دہلی: دارالمصنفین: ط1973ء، ص:217
20. دہلوی، مفتی حفیظ الرحمن واصف، مفتی اعظم کی یاد، کراچی مکتبہ رشیدیہ، 2013ء، ص: 341
21. دہلوی، سید ضمیر حسن، مکاتیب احمد سعید، دہلی: دینی بک ڈپو، ص:16
22. دہلوی، احمد سعید، کشف الرحمن، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2015ء
23. دہلوی، حفیظ الرحمن واصف، مفتی اعظم کی یاد، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، 2013ء
24. دہلوی، احمد سعید، مقدمہ: تقریر سیرت، لاہور: ادارہ بیان القرآن، 1992ء

25. دہلوی، حفیظ الرحمن واصف، مفتی اعظمؒ کی یاد، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، 2013ء

26. دہلوی، شاہ رفیع الدین، تفسیر آیت النور، (مترجم عبد الحمید خان سواتی)، گوجرانوالہ: مدرسہ نصرۃ العلوم، 1414ھ،

27. ڈاکٹر صلاح الدین، دلی والے، دہلی: اردو اکادمی، 1986ء

28. ڈاکٹر سید شاہد علی، اردو تفاسیر بیسویں صدی، دہلی: کتابی دنیا، 2001ء، ص: 188

29. ڈاکٹر، سالم قدوائی، ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، لاہور: ادارہ معارف اسلامی، 1993ء

30. ڈاکٹر، عبد الحق، قدیم اردو، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، 1961ء

31. رضوی، سید محبوب، تاریخ دار العلوم دیوبند، انڈیا: ادارہ اہتمام دار العلوم، 1977ء

32. زبیری، منشی محمد امین، سیاست ملیہ، آگرہ: عزیزی پریس، 1941ء

33. رحمانی، خالد سیف اللہ، آسان تفسیر، کراچی: زم زم پبلشرز، 2016ء

34. سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، لاہور: مکتبہ العلم، 1/ 22

35. سلمان منصور پوری، تحریک آزادی ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار، انڈیا: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، 2004ء

36. سحبان الہند، احمد سعید دہلوی، کشف الرحمن، 3 کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 2015ء

37. شاہجہانپوری، ابو سلیمان، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی (ایک سیاسی مطالعہ)، 2001ء

38. شیخ اکرام، موج کوثر، لاہور: فیروز سنز، 1958ء

39. شیر کوٹی، انوار الحسن، حیات امداد، کراچی: مدرسہ عربیہ اسلامیہ، 1965ء

40. شیخ اکرام، موج کوثر، لاہور: فیروز سنز، 1958ء

41. شجاع آبادی، ثناء اللہ سعد، علماء دیوبند کے آخری لمحات، لاہور: عمر پبلی کیشنز، 2010ء

42. شاہجہان پوری، ابو سلمان، سحبان الہند، مولانا احمد سعید دہلوی ایک سیاسی مطالعہ، لاہور: جمعیۃ پبلیکیشنز، 2007ء

43. شطاری، سید حمید، قرآن مجید کے اردو تراجم وتفاسیر، حیدر آباد دکن: دی نظامس اردو ٹرسٹ، 1982ء

44. ضیاء الدین انصاری، ڈاکٹر، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مشمول: معارف، ج: 165 (شذرات: ضیاء الدین اصلاحی)، اعظم گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی، مارچ 2000ء

45. ضیاء الدین انصاری، ڈاکٹر، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مشمول معارف، ج: 165، (شذرات: ضیاء الدین اصلاحی) اعظم گڑھ: دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، مارچ 2000ء

46. ضیاء الدین انصاری، ڈاکٹر، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مشمول معارف، ج: 165، (شذرات: ضیاء الدین اصلاحی) اعظم گڑھ: دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، مارچ 2000ء

47. ضیاء الدین انصاری، ڈاکٹر، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مشمول معارف، ج: 165، (شذرات: ضیاء الدین اصلاحی) اعظم گڑھ: دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، مارچ 2000ء

48. علامہ، عبد الحیی، نزھۃ الخواطر، الھند: دائرۃ المعارف

49. عبدالغفار، جامعہ کی کہانی، دہلی: مکتبہ جامع نگر، 1965ء
50. عبدالحکیم اکبری، مولانا، اساطین ملت، کراچی: مفتی محمود اکیڈمی، س۔ن
51. علامہ، سلیمان ندوی، نقوش سلیمان، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، س۔ن
52. علامہ، حمید اللہ خان عزیز، قرآن مجید کے سرائیکی تراجم پر ایک نظر، مشمولہ: الواقعہ
53. عقیل، معین الدین، تحریک آزادی میں اردو کا حصہ، لاہور: ناظم مجلس ترقی اردو، 2008ء
54. قدسی، عبید اللہ، آزادی کی تحریکیں، لاہور: مطبع کمبائن پرنٹرز، 1988ء
55. کاندھولی، نور الحسن راشد، ترجمہ قران کا شاہ رفیع الدین سے انتساب (ایک تحقیقی جائزہ)، س۔ن
56. قاسمی، مفتی عطاء الرحمن، مجموعہ رسائل شاہ ولی اللہ، دہلی: شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، 2014ء
57. قاسمی، عطاء الرحمن، دہلی میں دفن خزینے، لاہور: طیب پبلشرز، 2002ء
58. قاسمی، اخلاق حسین، محاسن موضح قرآن، سرگودھا: ذوالنورین اکیڈمی، 1983ء
59. قاسمی، عطاء الرحمن، دہلی میں دفن خزینے، س۔ن
60. قاسمی، اخلاق حسین، محاسن موضح قرآن، سرگودھا: ذوالنورین اکیڈمی، 1983ء
61. میاں، سید محمد، علماء ہند کا شاندار ماضی، 1985ء
62. سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، لاہور: مکتبہ العلم، س۔ن
63. محمد خان محمد السندی، قرآن پاک کے سندھی تراجم، مشمولہ: الواقعہ، (مدیر: محمد تنزیل الصدیقی الحسینی) سلسلہ نمبر 20۔21، کراچی: مکتبہ دار الاحسن، نومبر و دسمبر 2013ء
64. ندوی، ابو الحسن علی، حیات عبد الحئی، لکھنؤ: پاریکھ آفسٹ پرنٹنگ پریس لیگو مارگ، 2004ء
65. ندوی، محمد اکرم، ارمغان فرنگ، لندن: علامہ ابو الحسن علی ندوی اکیڈمی، 2004ء
66. ندوی، سید سلمان، اقبال نامہ، اعظم گڑھ: دار المصنفین، س۔ن
67. ندوی، ابو الحسن علی، ہندوستانی مسلمان، لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، 1961ء
68. ندوی، ابو الحسن علی، المسلمون فی الہند، لکھنؤ: المجمع الاسلامی العلمیہ ندوۃ، 1998ء
69. ندوی، ابو الحسن علی، اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، لکھنؤ: ندوۃ العلماء، س۔ن
70. ندوی، سید سلیمان، حیات شبلی، اعظم گڑھ: دار المصنفین، 1970ء
71. ہاشمی، عبد القدوس، پاکستان اور ہندوستان، حیدر آباد: دار الاشاعت، 1961ء
72. ہاشمی، فرید آبادی، تاریخ ہند، دہلی: انجمن ترقی اردو، 1922ء
73. یوسف علی، عبد اللہ، انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ، لاہور: ناشران و تاجران کتب، س۔ن
74. مظہر صدیقی، محمد یسین، شاہ ولی اللہ کی قرآنی خدمات، لاہور: مکتبہ قاسم العلوم، 2015ء
75. مجتبٰی، محمد اسحاق، برصغیر میں علم فقہ، لاہور: بیت الحکمت، 2009ء

۲

سحبان الہند مولانا احمد سعیدؒ کی تصنیفی خدمات

تعارف اور مطالعہ

ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی
اسسٹینٹ پروفیسر شعبہ تھیولوجی، عالیہ یونیورسٹی کلکتہ

سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۹ھ/ ۱۸۸۸ء-۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء) کی سیاسی، سماجی، ملی اور علمی بصیرت نے انہیں بالخصوص برصغیر ہندوپاک میں غیر معمولی شہرت ومقبولت تو ضرور عطا کردی، مگر بعد کے عہد میں انہیں علمی حلقوں وہ مقام ومرتبہ نہ دیا جاسکا، جس کے وہ مستحق تھے۔ جدید نسل چاہے وہ دینی ماحول کی پروردہ ہو یا عصری ماحول کی تربیت یافتہ، ان سے کم واقف ہے۔ اس کے برعکس معاملہ ہے بھی، تو اس کی وجہ ان کی بعض اہم تصانیف ہیں جو مسلم معاشرے میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں اور آج بھی بعض والدین اپنی بیٹیوں کو شادی کے وقت قرآن مجید کے ساتھ ان کی کتابیں بھی تحفے میں دیتے ہیں۔ جب وہ عربی تعلیم سے ناواقف تھے اور صرف حافظ قرآن تھے، تب بھی وہ دہلی واطراف دہلی میں اسلام کے خلاف ہونے والے مناظروں میں بڑے جوش وجذبہ اور مستحکم دلائل کے ساتھ حاضر ہوتے اور مخالفین کو متکلمانہ انداز میں دندان شکن جواب دے کر اسلام کی حقانیت واضح کرتے اور جب بعد میں انہوں نے باضابطہ مدرسے کی تعلیم مکمل کرلی اور ان کا شمار مستند علما میں ہونے لگا تو ان کی شخصیت اور حیثیت اہل علم کے درمیان مزید مستحکم ہوگئی۔ جمعیۃ علما ہند کے آغاز وقیام کے وقت سے ہی اس سے ایسے جڑے کہ کہیں پر ان کے پائے استقامت متزلزل نہیں ہوئے۔ عہدہ نظامت کو بڑی لگن اور ذمہ داری سے انجام دیا، یہاں تک کہ آخیر عمر میں اس کے صدر بھی بنائے گئے۔ وہ حد درجہ مشغول اور متحرک آدمی

تھے۔ ان کا دور سیاسی اعتبار بھی بڑی افراتفری کا تھا۔ ہندوستان سے انگریزوں کا انخلا، پھر متحدہ ہندستان کے قیام کے بعد پاکستان کی نئی حکومت کی تشکیل کا ہنگامہ، ان سب میں انہوں نے بڑی حکمت کے ساتھ اپنا قائدانہ رول ادا کیا۔ جس کے نتیجے میں انہیں قسطوں میں جیل کی مشقتیں جھیلنی پڑیں۔ ان مصروفیات کے باوجود مولانا ہمیشہ اپنے ہاتھوں میں قلم وقرطاس کو تھامے رہے۔ اسی کے ساتھ دور دراز کا سفر طے کر کے ملک کے کونے کونے میں پہنچتے اور اپنے خطاب کے ذریعہ تبلیغ دین کا فریضہ بھی انجام دیتے۔ معاصر کبار علما، دانش وروں اور مفکرین کے جھرمٹ میں ان کی پرکشش شخصیت ان کے مقام ومرتبہ کو مزید بلند کر دیتی ہے:

> ''مولانا احمد سعید دہلوی کا علمی تجربہ بے مثال تھا۔ وہ فاضل اجل تھے، بہترین خطیب تھے، انتہائی خوش گوار تھے۔ جب خالص دہلی کی ٹکسالی زبان میں گفتگو فرماتے تو معلوم ہوتا کہ دہن مبارک سے گل پاشی فرمارہے ہیں۔ جب تقریر فرماتے تو سامعین اتنے دم بخود اور ہمہ تن گوش ہو جاتے کہ معلوم ہوتا جیسے ان پر کسی نے سحر کر دیا ہو۔ مولانا شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی۔ ان کی تحریریں شگفتگی اور چاشنی سے لبریز ہوتیں، ان میں اختصار اور جامعیت بھی پائی جاتی۔ ہر لفظ ناپ تول کر استعمال کرتے۔ جملوں کی بندش ایسی کہ ان میں نہ کسی لفظ کے اضافے کی گنجائش ہوتی نہ تخفیف کی...... مولانا کی فصاحت وبلاغت اور خوش گفتاری وشیریں مقالی ضرب المثل تھی، اسی لیے ان کو ''سحبان الہند'' کے لقب سے یاد کیا جاتا۔''[1]

مولانا احمد سعید صاحب کی زندگی اور خدمات کے مختلف پہلو ہیں اور فی زمانہ سب ہی اہل علم اور دانش وروں کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ لکھا عقیدت ومحبت اور اخلاص کے ساتھ لکھا، جسے اللہ نے خاص وعام میں مقبول بنا دیا۔ کشف الرحمٰن، جنت کی کنجی، دوزخ کا کھٹکا، جنت کی ضمانت، عرش الٰہی کا سایہ، ہماری دعا قبول کیوں نہیں ہوتی، مشکل کشا، اللہ کی باتیں، رسول کی باتیں، دین کی باتیں، پردہ کی باتیں، ماہ رمضان، پہلی تقریر سیرت، دوسری تقریر سیرت، صلوٰۃ سلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین سو معجزات، تقاریر احمد سعید، مکاتیب احمد سعید، شوکت آرا بیگم ان کی تصانیف ہیں۔ ان میں سے بعض کتابوں کا تعارف اور مطالعہ زیر نظر مضمون میں پیش کیا جائے گا۔ مزید برآں ایک

کتاب ازیلاں (میں مسلمان کیسے ہوئی) کو بعض حضرات نے مولانا کی تصنیف قرار دیا ہے، جب کہ کتاب میں مصنف کے طور پر مولانا کے صاحب زادے حافظ محمد سعید کا نام ہے۔ میری نظر سے ایسی کوئی تحریر نہیں گزری، جس کی بنا پر یقین کے ساتھ یہ کہا جاسکے کہ یہ سحبان الہند ہی کی کتاب ہے۔ اس لیے میں نے اس کو اپنی بحث سے خارج کردیا ہے۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ مولانا محترم کی ان کے علاوہ بھی دیگر کتابیں ہیں، جو ہماری بحث میں اس وجہ سے شامل نہیں ہیں کہ ان میں سے بہت سی کتابوں کے مضامین اور مواد زیر تبصرہ کتابوں میں کسی نہ کسی طرح آگئے ہیں۔ جمعیۃ علما ہند کے دوسالانہ اجلاس کی مولانا محترم نے صدارت کی تھی، اس میں انہوں نے جو خطبہ صدارت پیش کیا تھا وہ پڑھنے کے لائق ہے، اس میں مولانا کا سوز دروں صاف طور پر جھلکتا ہے، جو کتابچہ کی شکل میں شائع ہو چکا ہے، اسے بھی ترک کردیا گیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ مولانا کی بیش تر کتابیں ہندوستان و پاکستان کے سے بہ کثرت شائع ہوئیں اور ان میں سے بعض کتابوں کے انگریزی اور ہندی ترجمے بھی شائع ہوئے۔

(۱) ترجمہ قرآن کریم المسمی بہ کشف الرحمن:

مولانا احمد سعید صاحب کی اٹھارہ سالہ محنت شاقہ کا مقبول ثمرہ ہے، جو ان کے سارے علمی و اصلاحی کاموں پر حاوی ہے۔ پورا ترجمہ وتفسیر بڑی تقطیع میں ۹۶۸ رصفحات میں ہے۔ مولانا حافظ قرآن تھے۔ ہر سال محراب سناتے اور پابندی سے مسجدوں میں قرآن مجید کا درس دیتے تھے۔ اس لیے بھی مولانا کے اندر قرآن کریم سے گہرا شغف پیدا ہونا ناگزیر تھا، جس نے ان کے اندر قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر لکھنے کا داعیہ پیدا کیا۔ گرچہ اس سے قبل مولانا قرآن کریم کی کئی سورتوں کا الگ الگ ترجمہ اور تسہیل لکھ چکے تھے، جو چھپ بھی گیا تھا، مگر مکمل قرآن مجید کی تفہیم وتشریح کے لیے انہوں نے بعد میں منظم اور منصوبہ بند کوشش کی، جو پایہ تکمیل کو پہنچی۔ مولانا حفظ الرحمٰن واصف لکھتے ہیں:

> ”بہت عرصے کی بات ہے۔ ایک مرتبہ راقم الحروف مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مولانا کی تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری تھا اور غالباً اس زمانے میں احادیث قدسیہ کا ترجمہ لکھ رہے تھے۔ اس کے کچھ اقتباسات سنا کر فرمایا کہ میاں

مفتی صاحب! کیا خیال ہے تمہارا؟ یہ کتاب چلے گی یا نہیں؟ عرض کیا کہ آپ کی کتاب مقبول نہ ہو! ضرور ہوگی۔ ماشاء اللہ بہت اہم خدمت ہے۔ مگر...... یہ کہہ کر میں کچھ متامل ہوا۔ فرمایا: ہاں ہاں کہو کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ اگرچہ آپ کے سامنے لب کشائی کرنا گستاخی ہے، مگر دلی جذبات کی ترجمانی بھی ضروری ہے۔ آپ نے اپنی تصانیف سے دین کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے، مگر اپنے اصلی فن کی طرف اب تک توجہ نہیں فرمائی۔ قرآن کا ترجمہ لکھیے۔ آپ کو قرآن پر جتنا عبور ہے اس عہد میں اور کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس نعمت سے نوازا ہے اور زور قلم بھی دیا ہے۔ یہ بہت بڑی خدمت ہوگی۔ سن کر متفکر ہوگئے اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا: میاں مفتی صاحب تم نے تو بات بڑی اہم کہی ہے۔ مگر یہ کام اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ میں نے پھر اصرار کیا۔ فرمایا اچھا بھئی سوچوں گا۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ ترجمہ کا ارادہ مولانا کے دل میں پہلے سے تھا یا بعد میں پیدا ہوا، لیکن الحمدللہ کہ وفات سے پہلے ترجمہ کا کام مکمل فرما چکے تھے[2]۔''

مولانا احمد سعید کے پیش نظر عام فہم زبان میں ترجمہ قرآن کی ضرورت کا احساس بہت پہلے سے تھا۔ تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ قرآن کریم سے جوڑا جاسکے۔ چوں کہ مولانا کو اپنی زبان پر گرفت کے ساتھ تحریر پر بھی کامل مہارت تھی، اس لیے انہوں نے اس کام کو اسی انداز میں پیش کیا۔ ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری لکھتے ہیں:

''مولانا کی سب سے اہم اور وقیع علمی و دینی خدمت ان کی تفسیر قرآن ہے، جسے اٹھارہ برس کی مسلسل محنت اور جاں فشانی کے بعد مکمل کیا۔ اس کی ابتدا ۱۹۳۸ء میں ہوئی تھی اور ۱۹۵۶ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ ۱۴ شعبان ۱۳۷۵ھ (مارچ ۱۹۵۶ء) تاریخ تکمیل ہے۔ افسوس کہ اس کی اشاعت مولانا کے حیات میں نہ ہوسکی۔ وفات کے پانچ سال بعد ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں ان کے خلف رشید حافظ محمد سعید نے اسے 'کشف الرحمٰن' کے عنوان سے موتمر المصنفین دہلی سے شائع کرایا۔''[3]

مولانا محترم نے کلام اللہ کے مطالبات کو پیش کرنے کے لیے تین اسالیب اختیار کیے۔ ترجمہ کو کشف الرحمٰن، تفسیر کو تیسیر الرحمٰن اور تسہیل کو تسہیل القرآن کا نام دیا۔ ہر جگہ سلجھے

ہوئے اسلوب میں اپنے مدعا کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے:

''موصوف کی یہ تفسیر شستہ زبان، عام فہم طرز ادا اور اپنی خصوصیات کے اعتبار سے نہایت قابل قدر ہے اور ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ مصنف نے اس ترجمہ اور تفسیر کی تالیف میں بہت محنت کی ہے اور بڑی بڑی معتبر کتابوں کی زمانہ دراز تک ورق گردانی کر کے یہ ذخیرہ جمع کیا ہے اور اس کو ایسے طریقے پر مرتب کیا ہے کہ ہر طبقہ کے لوگ اس سے مستفید ہو سکیں۔ یہ اہل علم کے لیے بھی مفید ہے اور عوام کے لیے بھی۔ بڑی خوبی اس میں یہ ہے کہ زبان کو آسان اور سہل کرنے کے ساتھ سلف صالحین کے مسلک کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور زبان کی شگفتگی کو بھی برقرار رکھا''۔[۲]

تفسیر کی اہمیت اور مقبولیت اور اہمیت کو معاصر کبار علماء نے تسلیم کیا ہے، جس تفاصیل کتاب میں موجود ہے۔ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہیں:

''مجھے تمام تراجم میں بہ وجہ بلاغت حضرت تھانوی قدس سرہ کا ترجمہ پسند تھا، لیکن یہ ترجمہ شگفتگی میں اس سے بھی کچھ سوا ہی نظر آتا ہے، ارادہ کرتا ہوں کہ اپنی تحریرات میں جہاں آیات کے ترجمے درکار ہوں گے تو اس ترجمے کی نقل پر قناعت کرسکوں[۳]''۔

قاری صاحبؒ مزید لکھتے ہیں:

''مولانا ممدوح نے قرآن دانی کے سلسلہ میں تو مسائل و وقائع کا ذخیرہ لے کر اور قرآن بیانی کے دائرہ میں ادبیت و قدرت کلام کا سرمایہ لے کر جب ترجمہ قرآن شروع فرمایا تو حقیقتاً وہ اپنی مثال آپ اور اپنی افادی حیثیت میں ایک ممتاز ترجمہ ثابت ہوا۔ زبان شیریں اور سلیس۔ اداء مطلب کے لیے عنوان بلیغ، مسلک سلف کے تحفظ کے لیے احتیاط کامل، ایماء واقعات کے لیے اشارات لطیف اور مضمرات کے اظہار کے لیے الفاظ جامع ومختصر یعنی مرادات خداوندی کو آپ نے بلیغ ترین اردو کے سانچہ میں ڈھالنے کی مبارک سعی فرمائی ہے[۴]''۔

اس اہم کام کو انجام دینے والے تو خود مولانا ہی تھے، مگر اس کی ترتیب و تدوین میں

بہت سے کبار علما نے ان کی معاونت کی اور اور علمی مشوروں سے نوازا۔ خاص کر مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی سرپرستی حاصل رہی۔ مولانا کے صاحب زادے محمد سعید لکھتے ہیں:

''روزانہ کام کرنے کا معمول یہ تھا کہ فجر کی نماز پڑھ کر فراش خانہ میں کڑہ ہدو کی مسجد میں تشریف لے جاتے، وہاں ڈیڑھ دو گھنٹے قرآن شریف کا ترجمہ بیان فرماتے۔ اس مسجد میں کم و بیش تیس بتیس سال آپ نے ترجمہ قرآن کریم بیان فرمایا۔ ترجمہ سے فارغ ہوکر مکان تشریف لے آتے اور ترجمہ قرآن کریم لکھنے میں مشغول ہوجاتے۔ قرآن کریم کے اس ترجمے میں حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ بھی وقتاً فوقتاً شرکت فرمایا کرتے تھے۔ علماء کرام کی مختصر جماعت مولانا کے سامنے مختلف ترجموں کے قرآن کریم اور تفسیریں کھولے بیٹھی رہتی۔ کبھی آپ ایک سے ترجمہ سنتے، پھر دوسرے کو ارشاد فرماتے اور پھر تفسیروں کو پڑھواتے۔ اخیر میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر کے ترجمے کو سنتے۔ سب کچھ سننے کے بعد آپ ایک ایک آیت کا ترجمہ لکھتے تھے۔ پھر دوسری آیت لیتے۔ اس کا بھی اسی طرح چکر چلتا تھا۔ یہاں تک کہ مئی جون کی شدید گرمی میں ڈیڑھ دو بجے تک تین چار آیتوں کا ترجمہ کر پاتے تھے۔ پھر کھانا کھا کر آپ کچھ دیر آرام فرماتے۔ ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر صبح کے لکھے ہوئے ترجمے پر نظر ثانی فرماتے رہتے۔ کبھی حضرت مولانا سلطان محمود شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ فتح پوری مولانا صاحب سے ملنے تشریف لاتے تو ان کو ملاحظہ کراتے۔ کبھی مولانا اللہ بخش صاحب و مولانا ضیاء الحق صاحب دیوبندی مرحوم جو مدرسہ امینیہ میں صدر مدرس تھے اور مولانا مرحوم کے استاد تھے، آئے تو ان کو سنایا۔ کبھی حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت تشریف لے آئے تو ان کو ملاحظہ کرایا۔ کبھی کوئی اور صاحب دیوبند سے تشریف لائے تو ان کو دکھایا۔ کوئی صاحب پاکستان سے ملنے آئے تو ان کو بھی دکھایا۔ غرض اہل علم میں سے جو حضرات بھی کہیں سے تشریف لاتے تو ان کو ضرور ملاحظہ کراتے۔''[ے]

ترجمہ و تفسیر کا انداز دل میں گھر کرنے والا ہے۔ کہیں پر کوئی ابہام نہیں ہے۔ ہر بات

صاف ستھرے اور سیدھے سادے الفاظ میں کہی گئی ہے۔ جس سے استفادہ کرنا ہر ایک کے لیے بہت سہل ہوگیا ہے۔ تفسیر کی یہی خوبی ہے جو اپنے پیش رو مفسرین کی تفسیروں میں ممتاز بنادیتی ہے۔

(۲) احادیث قدسیہ

پیش نظر جدید ایڈیشن حالیہ برسوں میں کمپیوٹر ٹائپنگ کے ساتھ دار المطالعہ، فاضل پور شہر، بھاول پور پاکستان سے خوب صورت انداز میں شائع ہوا۔ کتاب ۲۲۵ رصفحات پر مشتمل ہے۔ البتہ پہلی اشاعت کے وقت مولانا احمد سعید نے کتاب کے شروع میں ضروری گزارش کے تحت جو کچھ لکھا، اس کو پڑھنے سے تالیف کتاب اور ترجمہ کے اسباب کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تالیف وترجمہ کے دوران مولف کو کیا کیا دشواریاں لاحق ہوئیں، اسے قدرے تفصیل سے واضح کیا گیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ مولانا کے پیش نظر یہ بات بھی تھی کہ قرآن وحدیث کے ترجمے تو ضرور موجود ہیں، مگر اردو زبان میں احادیث قدسیہ کا منتخب مجموعہ اور اس کا عام فہم ترجمہ دستیاب نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو لوگ اس سے ناواقف ہیں ورنہ وہ اپنی زبان کی ثقالت کی بنا پر لائق استفادہ نہیں ہیں۔ اس لیے انہوں نے احادیث قدسیہ کا انتخاب اور اس کا اردو زبان میں ترجمہ عام فہم زبان اور سہل انداز میں تحریر کیا۔ مولانا کے بہ قول حدیث قدسی کے انتخاب اور ترجمہ کے وقت ان کے پیش نظر چار کتابیں تھیں۔ مگر بنیادی یا اہم کتاب " **خطیرۃ التقدیس وذخیرۃ التانیس**" تھی، جو ابوالنصر میر علی حسن خاں کی تالیف ہے۔ ۱۳۰۷ھ میں یہ کتاب مطبع شاہ جہانیہ سے شائع ہوئی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ کچھ دنوں بعد ایک دوسری کتاب ''احادیث قدسیہ'' دستیاب ہوئی جو غالباً " **خطیرۃ التقدیس** " کا ترجمہ ہے۔ مولانا خلیل الرحمن برہان پوری اس کے مترجم ہیں۔ کام آگے بڑھا تو علامہ محمد مدنی کی کتاب " **الاتحاف السنیہ بالاحادیث القدسیہ**" بھی ہاتھ لگی جس کی تلخیص مولانا عبدالرؤف مناوی نے کی تھی۔ اس کا نام بھی "**الاتحاف السنیہ** " ہے جو دمشق کے مطبع منیریہ سے شائع ہوئی تھی۔ ان تمام مجموعوں سے اور مزید حدیث کے دوسرے مجموعوں سے احادیث قدسی کا انتخاب اور ترجمہ تحریر کیا۔ کتاب کی تالیف اور ترجمہ کا مقصد واضح کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

''جنت کی کنجی اور دوزخ کے کھٹکے کی ترتیب کے بعد ایک عرصہ سے میں یہ خیال کر رہا تھا کہ احادیث قدسیہ کا ترجمہ بھی سہل اردو زبان میں کر دیا جائے، تاکہ مسلمانوں کے لیے مفید اور نافع ہو اور میرے لیے نجات آخرت کا سبب اور باقیات الصالحات کا موجب ہو[8]۔''

احادیث کے انتخاب اور ترجمہ کا کام مولانا نے ۱۹۳۸ء سے قبل شروع کر دیا تھا، مگر نامساعد حالات کی وجہ اس کام میں تاخیر ہوتی گئی، یہاں تک کہ اعظم گڑھ جیل میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ مولانا لکھتے ہیں:

''جون ۱۹۴۰ء میں مجھے مبارک پور کی ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے دعوت دی گئی۔ سنگ بنیاد کے سلسلے میں میں نے ایک تقریر کی۔ اس تقریر کے بعض فقرے گورنمنٹ یو پی کے نزدیک قابل اعتراض قرار دیے گئے اور میرے خلاف ڈیفینس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت مقدمہ چلا گیا۔ دوران مقدمہ مجھے شبلی منزل میں قیام کا اتفاق ہوا اور علامہ سید سلیمان ندویؒ اور ان کے رفقا سے استفادہ کا موقع میسر آیا۔ سید صاحب موصوف نے ہر قسم کی ہمدردی اور اعانت کا وعدہ فرمایا اور ترجمہ کی تکمیل پر زور دیا۔ سید صاحب کی خواہش یہ تھی کہ میں دوران مقدمہ میں ہی اس کام کو پورا کر لوں۔ دارالمصنفین میں ہر قسم کی سہولت اور جملہ آسانیاں مجھے میسر تھیں۔ سید صاحبؒ اور مولانا مسعود علی صاحبؒ کی توجہات خصوصی نے اور بھی زیادہ آمادہ کیا کہ میں دوران مقدمہ میں ہی کام شروع کر دوں۔ لیکن بار بار دہلی کے آنے جانے نے طبیعت کو یکسو نہ ہونے دیا۔ بالآخر ۲ر جنوری ۱۹۴۱ء کو مقدمہ کا فیصلہ ہوا اور ایک ماہ کی قید کا حکم دیا گیا۔ قید چوں کہ محض تھی اس لیے میں نے اس فرصت کو غنیمت سمجھا اور اعظم گڑھ جیل میں خدا کے فضل و کرم سے اس کام کو پورا کر لیا جو عرصہ سے عدیم الفرصتی کے باعث قابو میں نہ آتا تھا۔ والحمدللہ علیٰ ذلک. کتاب کا اصل نام تو ''الهداية السنية في الاحاديث القدسية'' ہے، لیکن عوام کی رعایت سے کتاب کا نام ''خدا کی باتیں'' رکھا ہے[9]۔''

شروع کتاب میں تین صفحات میں حدیث قدسی کی تعریف اور اس کے معنی و مطالب

بیان کیے گئے ہیں، ساتھ ہی اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کس حدیث کو حدیث قدسی کہا جائے گا اور اس ضمن میں علما و محدثین کا جو اختلاف پایا جاتا ہے، اسے بھی واضح کیا گیا ہے۔ پھر اس کی تعیم کی وضاحت کرنے کے بعد مولانا احمد سعید لکھتے ہیں:

> ''بعض حضرات اہل علم نے فرمایا قرآن وہ الفاظ ہیں جن کو روح الامین کے واسطے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اور حدیث قدسی وہ معنی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بہ طریق الہام خبر دی ہے یا آپ کو خواب میں بتائے اور آپ کو اختیار دیا کہ آپ ان معنی کو اپنے الفاظ میں بیان کریں۔ ان تمام جوابوں کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن شریف کے تو الفاظ بھی منزل من اللہ ہیں اور حدیث قدسی کے الفاظ منزل من اللہ نہیں ہیں۔ قرآن شریف معجزہ ہے اور حدیث قدسی معجزہ نہیں ہے۔ قرآن شریف کی نقل متواتر ہے اور حدیث قدسی کی نقل کو تواتر میسر نہیں۔ ایک بات اور بھی یاد رکھنی چاہیے، جس طرح احادیث قدسی اور قرآن شریف میں فرق ہے، اسی طرح حدیث قدسی اور دوسری احادیث میں بھی فرق ہے اور وہ فرق اس قدر کہ احادیث قدسیہ وہ ہیں جو حضرت حق جل مجدہ کی جانب منسوب کی جائیں، باقی تمام احادیث نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ سے ان کو روایت کیا جاتا ہے۔''[1]

مولانا احمد سعید صاحب نے کتاب میں جو ذیلی عناوین لگائے ہیں اس میں توحید، شرک اور الحاد، شرک اصغر یعنی ریا، تقدیر اور اس کے متعلقات، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھنا، ذکر الٰہی، اللہ تعالیٰ کی مغفرت، بیمار کی عیادت اور مصائب پر صبر، اللہ کے واسطے محبت کرنا اور اللہ کے لیے دشمنی کرنا، تلاوت قرآن کی فضیلت، مساجد، اذان، نماز، نوافل اور رات کا قیام، شعبان، رمضان، اور عید کی فضیلت، زکوٰۃ اور خیرات وصدقات کے فضائل، تسبیح، تحمید، استغفار اور درود شریف کے فضائل، حج اور اس کے متعلقات، معاملات اور اس کے متعلقات، علم اور بالمعروف، ادب، تواضع، تکبر، ظلم اور صلہ رحمی، امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام کا ثواب، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی فضیلت، انعامات الٰہی سے سوال، عقل کی پیدائش اور اس کی فضیلت، مکروہات

ومحرمات، علامات قیامت، قیامت، شفاعت، جنت اور دوزخ کا بیان، خدا کا دیدار، موت، قبر اور اس کے متعلقات، انبیائے سابقین سے خطاب، عزت وعظمت۔

ہر عنوان کے ضمن میں متعدد احادیث درج کی گئی ہیں، ترجمہ کے ساتھ جہاں ضرورت محسوس کی گئی ہے وہاں مختصر تشریح بھی کردی گئی ہے، تاکہ لوگوں پر حدیث کے مطالبات اور مدعا اچھی طرح واضح ہوجائیں۔

(۳) عرش الٰہی کا سایہ

مولانا احمد سعید صاحب کی یہ کتاب دینی بک ڈپو دہلی سے ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء کے آس پاس شائع ہوئی۔ اس کی ضخامت ۸۰؍ صفحات ہے۔ اس کے مندرجات میں شامل ہیں: روزہ ایک صوفی کی نظر میں، فطرت انسانی اور عید، مدینہ طیبہ کے یتیم بچہ کی عید، عشرہ ذی الحجہ کے دس دن، ایک طالب حق کو حق کی تلاش: حیات خلیل پر ایک نظر، عرش الٰہی کا سایہ اور اہل بیت کے قافلہ کی دمشق سے واپسی: سیدہ زینب کی روضۃ الرسول پر حاضری۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سعید احمد نے مختلف مواقع پر جو مضامین تحریر کیے تھے اور جو اخبار و رسائل کے زینت بنے تھے، اسے منتخب کرکے کتابی شکل دی گئی اور کتاب کا نام 'عرش الٰہی کا سایہ' رکھا۔ مولانا تحریر کرتے ہیں:

> ''بعض احباب نے میرے ایک وعظ کے بعض حصوں کی اشاعت پر اصرار کیا ہے، اگرچہ میں جانتا ہوں کہ منبر اور اخبار میں بڑا فرق ہے، لیکن مجبوراً چند باتیں عرض کرتا ہوں، اگر خواص نے پسند کیا تو آئندہ بھی اس قسم کی چیزیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ میں اپنی تقریر کی طرح تحریر کو بھی سہل بنانے کی کوشش کروں گا، لیکن اگر عوام کو کوئی دلچسپی نہ ہو تو مجھے معاف فرمائیں کہ اس سے زیادہ وضاحت کم از کم میرے امکان سے خارج ہے۔[11]''

کتاب میں اصل اور تفصیلی بحث عید و بقرعید اور اس کے متعلقات ہیں۔ مولانا احمد سعید نے قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے دو عید ہی کیوں؟ اور اس کے سماج و معاشرہ پر کیا مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مولانا نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ مسلمانوں نے ان کے علاوہ جو خود ساختہ تہوار ایجاد کرلیے ہیں، شریعت میں اس کی

کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ سب جہالت پر مبنی ہے۔

عرش الٰہی کے عنوان سے اس میں ایک مضمون ہے، اس میں واضح کیا گیا ہے کہ کون لوگ عرش الٰہی کے سایہ میں ہوں گے اور جو چاہتے ہیں کہ قیامت میں ان کی جگہ عرش الٰہی کے سایے میں ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ فلاں فلاں عمل انجام دیں۔ مولانا احمد سعید نے مضمون کے شروع میں ایسے لوگوں کی ایک فہرست بھی دی ہے، جو قیامت کے دن عرش الٰہی کے سایے میں ہوں گے۔ جن کی تعداد تہتر ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی رقم کیا ہے کہ یہ تعداد حتمی نہیں، بلکہ اس سے بھی متجاوز ہو سکتی ہے۔

مضمون ایک طالب حق کو حق کی تلاش: حیات خلیل پر ایک نظر کے تناظر میں مولانا احمد سعید نے ایسے لوگوں کی دینی رہنمائی کرنے کی کوشش کی ہے، جو راہ حق کے متلاشی تو ہیں، مگر انہیں اس کے حصول میں سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور بعض وقت وہ مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مولانا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو اسوہ کو سامنے رکھ کر اور متعدد مثالوں کے ذریعے یہ بتایا کہ ان کے سامنے بھی بڑے بڑے چیلنجیز تھے، مگر انہوں نے ہر ایک کو قبول کیا اور ایک دن ان پر حق واضح ہو گیا۔

اہل بیت کے قافلہ کی دمشق سے واپسی: سیدہ زینب کی روضۃ الرسول پر حاضری۔ یہ مضمون کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آئے سانحہ پر مبنی ہے۔ مضمون مکالماتی انداز میں لکھا گیا ہے، اور اس کا ایک کردار حضرت زینب ہیں، جب وہ کربلا سے مدینہ واپس آتی ہیں تو اپنے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کرتی اور فریاد کرتی ہیں کہ اپنی امت کی خبر لیجیے وہ گمراہ ہوتی جا رہی ہے اور آپ کے نانی کے ساتھ آپ کی امت کے لوگوں نے خیر کا معاملہ نہیں کیا ہے۔

(۴) دوزخ کا کھٹکا

پیش نظر کتاب کا تیسرا ایڈیشن جو ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء میں خواجہ پریس دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس کی ضخامت ۱۳۶ر صفحات ہے۔ اس کتاب کو اللہ نے بڑی مقبولیت عطا کی۔ کتاب کے عنوان سے ہی واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب ایسے لوگوں کے اندر خوف دلانے اور ان کی صحیح سمت میں رہنمائی کرنے کے لیے لکھی گئی ہے جو جو دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے اور وہ

اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد بھی کوئی دوسری زندگی ہے جو دائمی ہے اور وہ موت کے بعد والی زندگی ہے اور یہی سب پر مقدم ہے۔ اس زندگی کا سارا انحصار دنیا میں انجام دیئے گئے عمل پر ہے۔ اس لیے جو لوگ دنیا میں اپنے پیدا کئے جانے کے مقصد کو فراموش کر دیتے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ کتاب میں مستند احادیث تحریر کی گئی ہیں اور ۸۷ر ذیلی عناوین سے اسے مزین کیا گیا ہے۔ کتاب کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے مولانا سعید احمد لکھتے ہیں:

''اس رسالہ (جنت کی کنجی) کی اشاعت کے بعد میرے متعدد احباب نے اصرار کیا کہ میں نے جس طرح ان احادیث کو ایک جگہ جمع کیا ہے، جن میں اعمال صالحہ پر جنت کی بشارت کا ذکر کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اعمال حسنہ پر جنت کی بشارت دی ہے، اسی طرح ان احادیث کو بھی یکجا جمع کر دوں جن میں اعمال سیئہ کے مرتکبین کو جہنم کا خوف دلایا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعال پر مجرمین کو دخول جہنم کی اطلاع دی ہے، اس قسم کی تمام احادیث کو ایک کتابی صورت میں جمع کر کے شائع کر دوں۔ احباب کے اس اصرار کو مدنظر رکھتے ہوئے تو کلاً علی اللہ میں نے سعی شروع کی اور کچھ عرصہ میں حق جل وعلا کی اعانت وامداد سے ایک مجموعہ مرتب ہو گیا اور ان احادیث کو ایک جگہ جمع کر لیا گیا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اعمال سیئہ سے بچانے اور محفوظ کرنے کی غرض سے دوزخ کا ذکر کیا ہے اور ان اعمال سے مطلع فرمایا ہے، جن کا ارتکاب عذاب نار کا موجب ہے۔ میں نے اس مجموعہ میں ان احادیث کو بھی شامل کر لیا، جن میں جہنم اور عذاب نار کا ذکر تو نہیں ہے، لیکن اور کسی قسم کی وعید فرمائی ہے، مثلاً کسی فعل کے متعلق فسق یا کفر کے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں یا بدترین امت یا لعنت فرمائی ہو یا یوں فرمایا ہو کہ فلاں فعل شیطان کا فعل ہے یا اس فعل سے اللہ کا ذمہ بری ہو گیا یا وہ ہم میں سے نہیں ہے یا فلاں فعل کا مرتکب مسلمانوں میں سے نہیں ہے یا کسی اور قسم کے ایسے الفاظ فرمائے ہوں جن سے اس فعل کی مذمت اور برائی ظاہر ہوتی ہو تو ان احادیث کا بھی میں اس مجموعہ

میں اضافہ کردیا ہے، تاکہ اس باب میں تالیف مکمل ہوسکے......بعض مواقع پر احادیث کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات سے بھی استشہاد کیا گیا ہے......بعض احادیث کو مختصر کردیا ہے اور صرف وہ ٹکڑا لے لیا ہے جو عنوان سے متعلق تھا، بعض مکرر احادیث کا حوالہ بھی ترک کردیا گیا ہے۔ ان تمام احادیث کا مجموعہ تقریباً نو سو ہوگیا ہے[۱۴]۔"

(۵) جنت کی ضمانت

۸۶ر صفحات میں یہ کتاب ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء مولانا احمد سعید صاحب کے انتقال سے چند ماہ قبل دینی بک ڈپو دہلی سے شائع ہوئی۔ کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں ۱۵ر فصلیں ہیں اور دوسرے میں ۵ر فصلیں ہیں۔ عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور کون سا عمل عنداللہ مقبول ہوگا یہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔ مگر جو کوئی خلوص نیت سے نیک عمل انجام دے اور برائی سے اجتناب کرے تو اللہ اور اس کے رسول نے ایسے شخص کو جنت کی ضمانت دی ہے:

"یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ زبان اور شرم گاہ سے چوں کہ بہ کثرت گناہوں کا صدور ہوتا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کی حفاظت پر جنت کی ضمانت دی ہے۔ یہاں تک کہ زبان سے کفر کا ارتکاب بھی ہوتا ہے اور شرم گاہ کے مفاسد تو عام ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے اعضا سے گناہ سرزد نہیں ہوتے اور ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان گناہ سے بالکل محفوظ و مامون ہیں، یہ مطلب ہرگز نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیوں کہ دوسرے اعضا سے بھی گناہ ہوتے ہیں، مثلاً چوری کرنا ہاتھ کا گناہ، چوری کے لیے جانا پاؤں کا گناہ، کسی کی برائی اور عیب کا سننا کانوں کا گناہ، آنکھ سے کسی طرف اشارہ کرنا یا کسی کو آنکھ مارنا وغیرہ یہ آنکھوں کا گناہ۔ غرض انسان کے دوسرے اعضا بھی گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور ان سے بھی گناہ صادر ہوتے ہیں، لیکن زبان اور شرم گاہ کو اس معاملے میں اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی حفاظت پر تاکید فرمائی اور جو مسلمان ان دونوں کے بارے میں احتیاط سے کام لیتے ہیں ان کو جنت میں داخل ہونے کی نہ صرف خوش خبری سنائی، بلکہ ان کے لیے دخول جنت

کے ضامن ہوگئے اور یہ وعدہ فرمایا کہ جو مجھ کو ان دونوں کی حفاظت اور صیانت کی ضمانت دے گا میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں اور اس کو گارنٹی دیتا ہوں کہ وہ جنت میں ضرور جائے گا۔“ [۱۳]

(۲) ہماری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی؟

۶۹ رصفحات پر مشتمل یہ کتاب قابل مطالعہ ہے، جو دینی بک ڈپو دہلی سے شائع ہوئی۔ پہلی اشاعت کب ہوئی، اس کا پتا نہیں چلتا، البتہ کتاب کے آخری صفحہ پر ۳۰ راکتوبر ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء تاریخ درج ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس سے قبل کئی بار شائع ہوئی ہوگی۔ کتاب میں جو مضامین شامل ہیں، ہرایک کے آخر میں تاریخ ڈالی ہوئی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مضامین پہلے کسی نہ کسی اخبار کے زینت بنے تھے، جو مولانا نے مختلف مواقع پر تحریر فرمائے تھے، جسے بعد میں مولانا احمد سعید نے منتخب کر کے کتابی شکل میں شائع کروایا۔ کتاب میں شامل مضامین کے عنوان اس طرح ہیں: ہماری دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟، سرکار مدینہ کی بارگاہ میں عرض نیاز، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام وعظ کا خلاصہ، رحمۃ للعالمین، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مختصر حالات، یوم آشورہ اور اس کا حکم، ماہ شعبان اور اسراف اور شعبان کی پندھویں شب۔

کتاب میں وارد عناوین میں مختلف اوقات ومواقع میں اپنے رب سے کس طرح دعا مانگنی چاہیے، اسے بڑے سلیقے سے بیان کیا گیا ہے اور بڑی عالمانہ بحث کی گئی ہے، مثالوں سے سمجھایا گیا ہے کہ دعا مانگنے کے آداب کیا ہیں۔ متبرک مواقع پر مسلمان برکت اور احترام کے نام پر بہت سے خرافاتی عمل انجام دیتے ہیں، جس سے اس کا نیک عمل بھی ضائع ہوجاتا ہے۔ کتاب کے پہلے مضمون میں دعا کے آداب بیان کیے گئے ہیں اور مسلمانوں کے اس شکوہ کا ازالہ کیا گیا ہے کہ ہم اپنے رب سے دعا تو مانگتے ہیں، مگر قبول نہیں ہوتی۔ مولانا احمد سعید نے اس کا بھرپور جواب دیا ہے:

”آج کل عام طور سے مسلمانوں کو شکایت ہے کہ جب ہم کوئی دعا مانگتے ہیں تو اس کی قبولیت کے آثار ہمیں نہیں معلوم ہوتے اور جس چیز کی طلب کرتے

ہیں، وہ نہیں ملتی، حالاں کہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: ادعونی استجب لکم (مجھے پکارو اور مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔) یہ اس شبہ کا خلاصہ ہے جو آج کل اکثر لوگوں کو پیش آتا ہے۔ اگرچہ مسلمانوں میں ایک طبقہ بدقسمتی سے ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو دعا کو محض لغو اور بے کار چیز سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ دعا ایک طفل تسلی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور دعا کا کوئی اثر قضاؤ وقدر کے فیصلوں پر نہیں پڑسکتا..... اس وقت ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ دعا کس طرح مانگنی چاہئے۔ دعا کی قبولیت کے آثار کیا ہیں۔ وہ کون سے مواقع ہیں جہاں دعا قبول ہوتی ہے اور اسی قسم کی بعض چیزیں جو دعا سے متعلق ہیں، ذکر کرنی مقصود ہے، تاکہ آپ خدا سے دعا کرتے وقت ان امور وشرائط کی پابندی کریں، جو دعا کے لیے لازم اور ضروری ہیں۔ یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ کسی مسلمان کی دعا (جب کہ وہ جملہ آداب کی رعایت رکھے) رد نہیں ہوتی، بلکہ ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ کبھی جو چیز طلب کرتا ہے وہی عنایت ہو جاتی ہے اور کبھی اس دعا کی برکت سے کوئی خاص بلا اور مصیبت نازل ہونے والی تھی رد کردی جاتی ہے اور کبھی جل مجدہ کی مصالح ظاہری آثار مرتب کرنے سے مانع ہوتی ہیں تو اس دعا کے بدلے میں خاص اجر وثواب محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قیامت میں جب بندہ کو وہ اجر عطا کیا جائے گا جو اس کی درخواستوں اور دعاؤں کے صلہ میں محفوظ رکھا گیا تھا، تو بندہ اس امر کی تمنا کرے گا کہ دنیا میں میری کسی دعا کا بھی اثر ظاہر نہ کیا جاتا تو اچھا ہوتا، بلکہ وقتاً فوقتاً جو دعائیں میں نے خدا سے مانگی تھیں، ان سب کا آج کے دن مجھے ثواب ہی عطا کر دیا جاتا۔ بس یہ امر ثابت ہے کہ مسلمان کی دعا رد نہیں ہوتی، بلکہ قبول کر لی جاتی ہے۔ تو بعض لوگوں کا دعا کے بعد یہ کہنا کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوتی حضرت حق جل مجدہ کی شان میں سوء ظنی اور حد درجہ گستاخی ہے۔[۱۲]"

(۷) مشکل کشا

مولانا احمد سعید کی یہ کتاب بھی کافی مقبول ہوئی۔ دینی بک ڈپو دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ میرے پیش نظر اس کا ساتواں ایڈیشن ہے، جو ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۷۱ء میں طبع ہوا۔ اس کے

صفحات ۲۴۰ رہیں۔ البتہ کتاب کے آخری صفحہ پر ۱۵ رشعبان المعظم ۱۳۷۰ھ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب اسی سنہ میں تکمیل کو پہنچی ہوگی۔ کتاب دل چسپ اور معلوماتی ہے۔ اس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ بندہ مومن کا اپنے خالق حقیقی پر ایمان کامل اور یقین راسخ ہونا چاہئے کہ اس کو جو بھی پریشانی لاحق ہوتی ہے، وہ من جانب اللہ ہوتی ہے اور اس سے نجات پانے کے لیے ہمیشہ اپنے خدا سے ہی رجوع کرنا چاہئے۔ جس طرح مختلف امراض کے الگ الگ اطبا اور دوائیں ہوتی ہیں، اسی طرح مختلف پریشانیوں کے ازالہ کے لیے مقبول دعائیں قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہیں۔ کون سی ایسی پریشانی ہے جو دعا کے ذریعہ رفع نہیں ہوسکتی اور کون سی ایسی نعمت ہے جو اس کے اہتمام سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ مگر ان دعاؤں کا فائدہ ان لوگوں کو براہ راست یا بالواسطہ ضرور پہنچتا ہے جو اللہ پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں اور وہ اسے مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ کتاب میں متعدد ذیلی عناوین ہیں، ہر ایک میں نئی نئی دعائیں درج کی گئی ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس دعا کے اہتمام سے سائل کو کون سا فائدہ پہنچ سکتا ہے اور کس دعا کے اہتمام سے کون سی پریشانی زائل ہوسکتی ہے۔ نیز کتاب کے مطالعہ سے مایوس دلوں کو گرماہٹ حاصل ہوتی ہے اور اپنے خدا سے یقین مستحکم ہوتا ہے۔

(۸) رسولؐ کے تین سو معجزات

پیش نظر کتاب کا ایڈیشن مکتبہ سلطان عالم گیر، لاہور، پاکستان سے ۲۰۰۹ء میں خوب صورت کمپوزنگ اور عمدہ طباعت کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ پوری کتاب ۱۸۴ رصفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کی تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کا نام تو ''سرور کائنات کے معجزے'' رکھا مگر بعد کا ایڈیشن نام کی تبدیلی کے ساتھ شائع ہوا۔ اس سے قبل یہ کتاب پہلی بار کب شائع ہوئی، اس بارے میں تفصیلات نہیں مل سکیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ کتاب بھی پہلی بار دینی بک ڈپو، دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ کتاب نو ابواب اور کئی فصلوں پر مشتمل ہے۔ ابواب اس طرح ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، فرشتوں سے متعلق معجزات، انسانوں سے متعلق معجزات، جنات سے متعلق معجزات، آسمان اور ستاروں سے متعلق معجزت، آگ، پانی ہوا اور مٹی سے متعلق معجزات، جمادات سے متعلق معجزات، نباتات سے متعلق معجزات اور حیوانات سے متعلق معجزات۔

مولانا احمد سعید نے اس کتاب کو اپنے زندگی کے آخری دنوں میں ترتیب دیا۔ جب وہ تفسیر اور ترجمہ قرآن سے فارغ ہو گئے تھے اور سخت بیماری سے جوجھ رہے تھے۔ کتاب کی تالیف وترتیب کے مقصد کے واضح کرتے ہوئے مولانا تحریر فرماتے ہیں:

"عام اہل اسلام کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ کشف الرحمٰن تسہیل القرآن کے کام سے ۱۴رشعبان ۱۳۷۵ھ کو فارغ ہونے کے بعد میں نے خیال کیا کہ ایک دفعہ مظاہر حق کی اردو بدلنے کے سلسلے میں اور سعی کی جائے۔ شاید کوئی صاحب میری مرضی کے موافق مجھے مل جائیں اور مستعار زندگی میں یہ کام انجام پا جائے اور میرے لیے ذخیرہ آخرت ہو سکے۔ چنانچہ میں نے بعض اپنے اکابر سے اس سلسلے میں گفتگو شروع کی۔ کسی وسیع النظر عالم کی تحقیق وتلاش کا ان حضرات نے وعدہ فرمایا۔ اس عرصہ میں میں نے خیال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام معجزات جو کتب احادیث میں موجود ہیں، اردو میں جمع کر دیے جائیں۔ چنانچہ میں نے اس کی تلاش شروع کی اور مجھے کوئی کتاب اس بارے میں ایسی دستیاب نہ ہو سکی جو تمام معجزات کی جامع ہو۔ البتہ تتبع اور تلاش سے ایک رسالہ مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کا مل سکا۔ اس رسالہ کا نام "الکلام المبین فی آیت رحمۃ للعالمین" ہے۔ اس رسالہ کو ۱۳۶۹ھ میں پورا کیا۔ میں نے دیکھا کہ اس رسالے کی اردو بھی مرور زمان کی وجہ سے مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔ اس لیے فقیر نے تو کلا علی اللہ اسی رسالے کو روبرو رکھ کر کام شروع کر دیا اور امام سیوطی کی خصائص کبریٰ اور نسیم الریاض شرح قاضی ریاض سے کہیں کہیں اضافہ کیا۔"[۱۵]

کتاب میں یہ بتانے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ انبیائے سابقین کے معجزات کے برعکس نبی آخرالزماں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو معجزات عطا کیے وہ آج بھی اظہر من الشمس اور زندہ ہیں۔ آپ کے تمام معجزات میں سب سے اہم معجزہ قرآن کریم ہے۔ جب دوسرے انبیاء کے معجزات کے رونما ہونے پر کسی کو کوئی اشکال نہیں اور جسے سب نے تسلیم کیا ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ صرف نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو ماننے سے انکار کیا جاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ معجزات جو صرف قرآن سے ثابت ہیں، مثلا

آپ کا امی ہونا، سیر سماوات کرنا، باری تعالیٰ سے ہم کلامی، انگلی کے اشارہ سے چاند کا دو ٹکڑے ہونا، شق صدر کا واقعہ پیش آنا وغیرہ کا انکار کیسے کیا جا سکتا، جن کے ثبوت کے لیے وافر دلائل موجود ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں:

''نبی آخرالزماں کی بعثت جس طرح ہمہ گیر اور تمام دنیا کے ذوی العقل حضرات کے لیے تھی، خواہ وہ انسان ہوں یا جنات، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بھی ہمہ گیر اور ہر عالم سے تعلق رکھتے ہیں، خواہ وہ عالم اعراض اور عالم مطانی ہو یا عالم جواہر اور عالم اعیان۔ پھر عالم اعیان میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ذوی العقول اور ہر غیر ذوی العقول کو شامل ہیں۔ خواہ وہ انسان ہوں یا ملائکہ اور جنات ہوں یا جمادات اور نباتات اور حیوانات ہوں جن کو موالید ثلاثہ کہتے ہیں۔ یعنی عالم مرکبات اور عالم بسائط، عالم علوی اور عالم سفلی، غرض علمائے تحقیق کے نزدیک یہ تو عالم ہیں اور ان میں آسمان وزمین عناصر اربعہ آسمان کے سیارے وغیرہ سب شامل ہیں۔ یہ تو عالم ہیں اور ان میں ان کی اجناس واقسام سب میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا اثر موجود ہے[۲۱]۔''

(۹) صبر نسواں عرف نیک مرد و نیک بیویاں

اس کتاب کے مطالعہ سے عورت خیر النساء اور مرد احسن الناس بن جائے گا۔ ۲۶۲ صفحات پر محیط یہ کتاب محبوب المطابع دہلی سے ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ پوری کتاب تعلیمات اسلامی اور پندونصائح پر مبنی ہے، دل چسپ انداز میں کتاب لکھی گئی ہے۔ کتاب کے شروع میں جناب منشی محمد سعید الدین صاحب تسکین دہلوی نے چھوٹی سی تقریظ لکھی ہے، جس میں کتاب کو غیر معمولی کاوش قرار دیا گیا ہے۔ یہ کتاب دراصل عورتوں کے اندر دین کی روح پیدا کرنے میں بڑی معین ہے۔ کیوں کہ سماج ومعاشرہ میں بعض وقت عورتوں کو بڑی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے میں یہ کتاب ان کے عزم وحوصلہ کے لیے تقویت کا باعث ہے۔ تقریظ میں کہا گیا ہے:

''اس کے مضامین میں خصوصیت تو عورتوں ہی کے ساتھ ہے، مگر ضمن میں صابر مردوں کے حالات اور تاریخی واقعات بھی آ گئے ہیں۔ اس لیے یہ مردوں

اور عورتوں کے لیے اقتضائے وقت کے لحاظ سے مفید ہے۔اس میں صابرہ عورتوں کی دلچسپ حکایتوں سے صبر کی تعلیم عام مستورات کو دی گئی ہے اور اس کے خوش گوار نتیجوں کا بیان ہوا ہے[۱۷]۔''

پوری کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔حصہ اول میں سابقہ امتوں کی صابرہ عورتوں کا بیان ہوا ہے۔حصہ دوم میں پہلے ایام جاہلیت کا بیان ہے، پھر ازواج مطہرات واہل بیت کبار کے صبر وتحمل کا بیان ہے۔حصہ سوم میں مختلف مضامین ہیں جن کا صبر کے مضمون سے گہرا تعلق ہے۔

مولانا احمد سعید نے گیارہ صفحات میں دیباچہ بھی تحریر کیا ہے، اس میں پوری کتاب کا نچوڑ آ گیا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں انہوں نے خود کو مخاطب کرتے اور اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ دنیا دارالعمل ہے اور یہ اس کے لیے آزمائشوں سے بھری ہوئی ہے، ایسے میں جو خود کو ثابت قدم رکھتا ہے، دراصل وہی کامیاب انسان ہے۔انسان کتنا نادان ہے کہ وہ بے صبرا بن جاتا ہے اور صبر کے دامن کو ترک کردیتا ہے، صبر تو انسان کے اندر استحکام پیدا کرتا ہے اور مرجھائی ہوئی زندگی میں مسرت و بہار لاتا ہے۔مولانا لکھتے ہیں:

''اے سعید کوئی کام خواہ دینی ہو یا دنیاوی، بغیر صبر کے ہو نہیں سکتا اور بجالانا کسی فرض کا اور چھوڑ دینا کسی معصیت کا صبر کے بغیر ممکن نہیں۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ ارشاد ہوا کہ ایمان صبر کو کہتے ہیں اور دوسری حدیث کا ترجمہ ہے کہ صبر آدھا ایمان ہے۔اور صبر کی فضیلت اس سے بھی پائی جاتی ہے کہ صبر کا ذکر قرآن شریف میں تقریباً ستر جگہ مذکور ہے اور تقرب کا مرتبہ موقوف صبر پے ہے۔حتیٰ کہ راہ دین کی امامت اور سرداری کو صبر پر موقوف رکھا ہے۔اور سرداری تو وہی پا سکتا جو سب کی گرم و سرد کی برداشت کرے[۱۸]۔''

مولانا سعید احمد نے اپنے دیباچہ میں صبر کی مختلف نوعتیں بیان کرتے ہوئے اس کی تقسیم کی ہے کہ کس طرح کے صبر پر بندہ مومن اجرالٰہی اور انعامات خداوندی کا مستحق ہوگا:

''پہلا وہ صبر ہے جو طاعت میں ہو، اس کے ثواب کے تین سو درجے ہیں۔
دوسرا وہ صبر ہے جو حرام چیزوں سے کرے، اس کے ثواب کے چھ سو درجے

ہیں۔ تیسرا صبر وہ ہے جو اول مصیبت میں کرے، اس کے ثواب کے نو سو درجے ہیں۔ اور حضرت نے مناجات فرمائی ہے کہ خدایا ہم کو اتنا یقین دے کہ دنیا کی مصیبتوں کا سہنا ہم پر آسان ہو اور فرمایا ہے باری تعالیٰ نے جس کے مال یا فرزند پر میں نے بلا بھیجی اور اچھے صبر سے اس نے مقابلہ کیا، مجھے شرم آتی ہے کہ اس سے حساب لوں۔ اور جب کسی کو مصیبت پہنچی اور اس نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون، اللھم اجرنی فی مصیبتی واعقبنی خیرا منھا اللہ اس کی دعا قبول کرے گا اور فرمایا ہے باری تعالیٰ نے جس کی بصارت چھین لوں، اس کو دیدار کی دولت سے مشرف کروں گا۔ اور حضرت نے فرمایا ہے از جملہ تعظیم الٰہی یہ ہے کہ بیماری میں شکایت نہ کرے اور تکلیف کو پنہاں رکھے اور صبر جمیل یہ کہ لوگ مصیبت زدہ کو تمیز نہ کر سکیں، ایسا ضبط کرے اور کپڑے پھاڑنا، سر اور منھ پر طمانچہ مارنا اور سینہ کوبی کرنا حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کسی حالت میں صبر سے بے نیاز نہیں۔[19]"

(۱۰) صلوٰۃ وسلام

دینی بک ڈپو، دہلی سے شائع ہونے والی یہ کتاب ۸۷ر صفحات پر مشتمل ہے، اس کا ساتواں ایڈیشن میرے پیش نظر ہے۔ سنہ اشاعت درج نہیں ہے، البتہ کتاب کے آخر میں شوال المکرم ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء درج ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسی سال کتاب پہلی بار شائع ہوئی ہوگی یا پایہ تکمیل کو پہنچی ہوگی۔ لیکن پیش نظر یہ ایڈیشن بہر حال مولانا کے انتقال کے کئی سالوں بعد شائع ہوا ہے۔ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ مولانا کی ایک کتاب "پاک زندگی" ہے، جو مختصر ہے، اس کے کچھ حصے یعنی دو باب اس کتاب میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ پہلے باب میں ان آثار واحادیث کو جمع کیا گیا ہے جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے فضائل وارد ہوئے اور ترک کرنے پر خرابیاں اور نقصانات کا ذکر ہے۔ دوسرے باب میں ان اللہ وملئکتہ سے متعلق چند اشارات اور ترک کرنے پر نقصانات کا ذکر ہے۔ تیسرے باب میں درود شریف سے متعلق چند حکایتیں ذکر کی گئی ہیں اور چوتھے باب میں درود وسلام کے کلمات کا ذکر ہوا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ کی نبوت پر کامل یقین اور ایمان ہی بندہ مومن کی پہچان ہے۔ نبی

اخرالزماں کی فضیلت واشرفیت اور امت محمدیہ ہونے کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے نبی پر کثرت سے درود وسلام بھیجیں۔ قرآن وحدیث میں متعدد طرح کے درود وسلام وارد ہوئے ہیں۔ مگر مسلمانوں میں اس بارے میں جوافراط وتفریط پائی جاتی ہے وہ کبھی کبھی شرک کے درجے تک پہنچادیتی ہے۔ مولانا احمد سعید نے دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ درود وسلام بھیجنے کے جو طریقے اور الفاظ مستند کتابوں میں درج ہیں وہی اصل ہیں اور اسی پر عمل کرنا چاہئے۔ انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ درود بھیجنا ہر مسلمانوں کے لیے ضروری ہے اور اس پر بندہ بہت زیادہ اجر کا مستحق ہوگا۔

(۱۱) شوکت آرا بیگم

یہ کتاب دینی بک ڈپو دہلی سے شائع ہوئی۔ اس کے صفحات ۱۶۰؍ ہیں۔ کب شائع ہوئی، پتانہیں چلتا۔ کتاب ایک مذہبی ناول ہے اور خاص کر اس میں دہلی کی سماجی ومعاشرتی حالت، اس وقت کی سیاسی اتھل پتھل پر روشنی ڈالنے کے ساتھ بڑے ہی خوب صورت انداز میں مسلمانوں کی اپنے دین ومذہب سے بے توجہی پر ماتم کرنے کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی اصلاح کی تدبیر کی گئی ہے۔ پوری کتاب ۲۸؍ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب اچھوتا اور دل میں گھر کرنے والا ہے۔ ابواب کے استحضار سے ہی کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہوجاتا ہے: مرزا صاحب کی شادی، قلعہ پر قبضہ کرلیا جائے، ہندوؤں کا مذہب، فوجی ملازمت، باغی مسلمان، اسلامی سلطنت، شراب نہیں پی، جائداد خریدو، گھاس کا کفن، قومیت فنا ہونے والی ہے، بے وقوف، بینک سے لین دین، اسلامی جلسی، دعوتی خطوط، انقلاب، کافروں کی حکومت، ہندوستان دارالحرب ہے، جنت میں روپیہ کی ضرورت، اسلام قبول کرلیا، انگریز تو اہل کتاب ہیں، قرآن جھوٹا نہیں، غلام قوم کا معاہدہ، لاٹ صاحب، پھولوں سے ملکے، مسلمانوں کا افلاس، کس کا رقعہ ہے اور ناک کٹ جائے گی۔

کتاب کی مقبولیت کے بارے میں مولانا کے صاحب زادے محمد سعید لکھتے ہیں: ''یہ حضرت مولانا کا ایک مذہبی ناول ہے جو آپ نے اب سے بیس پچیس سال قبل لکھا تھا، جس کا پہلا ایڈیشن خاموش تبلیغ کے نام سے شائع ہوکر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوچکا تھا۔ اب اس کا جدید ایڈیشن شوکت آرا کے نام سے بہترین ڈسٹ کور کے ساتھ شائع کیا گیا ہے[۲۰]۔''

(۱۲) جنت کی کنجی

یہ کتاب بھی پہلی مرتبہ دینی بک ڈپو سے شائع ہوئی تھی، مگر میرے پیش نظر اس کا حالیہ جدید ایڈیشن ہے، اس میں بھی واضح نہیں ہے کہ یہ کتاب کہاں سے اور کس سنہ میں شائع ہوئی، البتہ ایسے اشارات ملتے ہیں کہ یہ ایڈیشن بھی دینی بک ڈپو سے شائع ہوا۔ کتاب کی ضخامت ۳۵۲ رصفحات ہے۔ ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ حصول جنت کے لیے ایسی ایسی نادر اور انمول باتوں کی وضاحت کی گئی ہے کہ بالعموم وہ باتیں لوگوں کو نہیں معلوم ہوتیں۔ کتاب کا سبب تالیف بیان کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

> ''میں نے ایک مضمون گزشتہ دنوں 'اہل جنت کی بشارت' کے عنوان سے اخبار 'الجمعیۃ' کے لیے لکھا تھا، اخبار کی دو اشاعتوں میں شائع ہوا تھا۔ مسلمانوں نے اس مضمون سے بے حد دل چسپی کا اظہار کیا اور حق جل مجدہ نے مجھ خاک سار کے اس مضمون کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ جب اس مضمون کی طلب عام ہوئی تو میں نے منیجر الجمعیۃ کو اس کے شائع کرنے کی اجازت دے دی۔ منیجر نے جب اس کو کتابی صورت میں شائع کرنا چاہا تو میں نے اس کے ساتھ دو مضمون ''عرش الٰہی کا سایہ'' اور ''دعا کے آداب'' اور بھی شامل کرادیے، تاکہ جملہ مضامین مل کر کتاب کی صورت ایک مختصر رسالہ کی ہو جائے۔ ان تینوں مجموعوں کا نام ''جنت کی کنجی'' رکھا اور بحمد للہ شائع ہو گیا۔'' [۲۱]

متذکرہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور آج بھی یہ مارکیٹ میں کثرت سے فروخت ہوتی ہے۔ اس کتاب سے نہ معلوم کتنے ہی لوگوں نے اپنے ایمان و عقیدہ کو درست کیا اور ان کا رشتہ اللہ اور اس کے رسول سے مستحکم ہوا۔ دراصل اس کتاب میں اس بنیادی نکتہ کی وضاحت کی گئی کہ مسلمان اللہ اور اس کے رسول کے فرمودات سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف لا الہ الا اللہ کہتا رہے تو کیا وہ یک لخت جنت کا حق دار ہو جائے گا یا اسے اپنی آخرت درست کرنے کے لیے دنیا میں اور بھی دوسرے نیک عمل انجام دینے ہوں گے، جن کے وہ مکلف بنائے گئے ہیں۔ مولانا احمد سعید پیش لفظ میں رقم طراز ہیں:

> ''امت محمدیہ کے بعض مسلمان تو وہ خوش نصیب ہیں جن کو دوزخ کی آگ

مس بھی نہ کرے گی اور وہ بدوں عذاب کے جنت میں چلے جائیں گے۔ لیکن بعض وہ گنہگار بھی ہیں جو کچھ عرصہ سزا بھگت کر اور عذاب کا مزا چکھ کر جنت میں جائیں گے۔ توحید و رسالت پر اگر خاتمہ ہو جائے تو جنت ضرور میسر ہوگی۔ اگر صحت ایمان کے ساتھ کوئی بندہ اعمال صالحہ اور افعال حسنہ کا بھی پابند تھا تو ان شاء اللہ اس کو دخول اولی کی دولت نصیب ہوگی۔ لیکن فساق و فجار کو یہ نعمت پہلی مرتبہ حاصل نہ ہوگی، بلکہ کچھ دنوں جہنم میں جلنے کے بعد جنت عطا کی جائے گی۔ چوں کہ اصل چیز جنت کے لیے خدائے قدوس کی توحید اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کا اقرار ہے۔ اس لیے بعض روایتوں میں اس قسم کے الفاظ مذکور ہیں: من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ (جس نے کلمہ توحید کا دل سے اقرار کر لیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔) عوام اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جنت میں جانے کے لیے فقط لا الہ الا اللہ کافی ہے، دوسرے اعمال کی ضرورت نہیں۔ حالاں کہ یہ خیال غلط ہے اور حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں ہے۔ بعض جہال اور فساق سے جب کبھی نیک اعمال کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو جھٹ اس حدیث کو پڑھ دیتے ہیں۔ ان کا مطلب اس حدیث سے یہ ہوتا ہے کہ ہم لا الہ الا اللہ تو کہتے ہیں اور اس کلمہ پر جنت ملتی ہے تو پھر کسی اور عمل کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن یہ خیال نہ صرف عامیانہ ہے بلکہ اصول شریعت اور قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ اکثر عوام اس قسم کی بے ہودہ جرات و جسارت سے خود بھی گم راہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گم راہ کرتے ہیں۔ اس حدیث کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ کلمہ توحید کا قائل جنت میں ضرور جائے گا، لیکن کب جائے گا اس کا کوئی ذکر حدیث میں نہیں ہے۔ اس لیے اس کا یہ مطلب سمجھنا کہ نجات اور دخول اولی کے لیے صرف کلمہ توحید کافی ہے، بالکل غلط ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ کا پڑھنے والا اگر نیک عمل بھی کرتا ہے تو پہلی مرتبہ یعنی ابتدا ہی میں جنت کا وارث بنا دیا جائے گا، لیکن اگر کلمہ توحید کے ساتھ فسق و فجور کا بھی مرتکب تھا تو اول اپنے اعمال کی پاداش میں عذاب کا مزہ چکھے گا اور ایک عرصہ تک دوزخ میں رہے گا اور سزا بھگتنے کے بعد اور پھر کلمہ توحید کے

باعث جنت میں داخل کیا جائے گا۔''[۲۲]

(۱۳) پہلی تقریر سیرت

مولانا احمد سعید صاحب کی ایک بیش بہا تقریر پر مشتمل یہ کتاب سیرت رسول صلی اللہ علیہ کے موضوع پر ہے۔ کتاب کا نواں ایڈیشن میرے پیش نظر ہے جو ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء میں منظر عام پر آیا۔ ۲۱۶ رصفحات میں یہ کتاب ہے۔ یہ تقریر یوپی کے اٹاوہ ضلع میں ہوئی تھی۔ جسے بعد میں ترتیب دے کر کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ حب رسول کا تقاضا ہے کہ مسلمان اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ کے اسوہ مبارکہ کو اپنی زندگی میں نافذ کرے۔ اسے کس طرح اخذ کرنا چاہئے، اس کے لیے یہ کتاب بڑی رہنمائی کرتی ہے۔ سیرت رسول کے مختلف گوشوں کو مستحکم دلائل کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ کتاب مدلل ہے اور اس کے مباحث بڑے دل چسپ ہیں۔ کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب وہ منظر عام پر آئی تو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگئی اور بہت کم عرصے میں اس کے تین ایڈیشن شائع ہوگئے۔ اس میں ایک جگہ مومن اور منافق کے فرق کو واضح کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

> ''میں نے ابھی آپ سے عرض کیا تھا کہ مومن پر مصائب آتے رہتے ہیں اور منافق یا فاسق وفاجر کو مہلت ملتی رہتی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس سے بعض دفعہ سمجھ دار آدمی بھی متاثر ہو جاتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں، عبادت بھی کرتا ہوں، لیکن مجھ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں اور فلاں شخص نافرمانی کرتا ہے لیکن اس کو کوئی مصیبت نہیں پہنچتی اور وہ مزے کرتا پھرتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی نہایت اہم ہے۔ طبیعت انسانی یہ چاہتی ہے کہ جب میں نیک کام کر رہا ہوں تو مجھ کو آرام ملنا چاہئے اور بروں کو تکلیف پہنچنی چاہئے۔ جب اس کے خلاف دیکھتا ہے تو متاثر ہوتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی وفاداروں کی پرسش نہیں ہے۔ سرکار فرماتے ہیں حوادثات سے متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ مومن کی مثال ایسی ہے جیسے ہری کھیتی اور منافق کی مثال ایسی ہے جیسے صنوبر کا درخت۔ ہری کھیتی کو معمولی ہواؤں کے جھونکے بھی پریشان کرتے رہتے ہیں۔ ہری کھیتی گرتی ہے اور سنبھل جاتی، جب ہوا چلے تو جھک جاتی ہے، پھر

سیدھی ہو جاتی ہے، لیکن صنوبر کا درخت جب گرتا ہے تو جڑ سے اکھڑ کر گر جاتا ہے اور اس کو سنبھلنا نصیب نہیں ہوتا۔ اگر چہ معمولی ہوائیں اس پر اثر انداز نہیں ہوتیں، لیکن جب بھی گرتا ہے تو جڑ سے ہی گر جاتا ہے۔ اس مثال میں ایک بہت بڑے فلسفے کو حل فرمادیا ہے تا کہ مسلمان ان حوادثات سے متاثر نہ ہو جو روزمرہ پیش آتے رہتے ہیں اور کسی منافق یا فاسق کے عیش سے کوئی اثر قبول نہ کرے۔ کیوں کہ منافق کو جب پکڑا جاتا ہے تو ایک دفعہ ہی پکڑا جاتا ہے اور اس کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ مومن پر اگر چہ متواتر مصائب آتے رہتے ہیں لیکن اس کو قائم رکھا جاتا ہے اور جڑ سے اکھیڑ کر نہیں پھینکا جاتا۔"[۲۳]

(۱۴) دوسری تقریر سیرت

دینی بک ڈپو دہلی سے شائع ہوئی۔ اس کا ساتواں ایڈیشن میرے پیش نظر ہے جو ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ ۲۸۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب بھی سیرت نبوی کے واقعات وحقائق اور پند ونصائح کو اپنے اندر سمیٹے ہوئی ہے۔ ناگ پور کے ایک مجمع میں مولانا کا یہ پر مغز خطاب ہوا تھا، جس میں بڑی تعداد میں غیر مسلم حضرات نے بھی شرکت کی تھی۔ اس میں نبوت محمدی کی اہمیت وآفاقیت، نبی کے خاندان وقبیلہ کی افضلیت، نبی اور رسول میں فرق، نبوت سے متعلق بعض غلط نظریات کی تغلیط، بعض صحابہ کے مقام ومرتبہ، نبوت کے انکار سلسلے میں کفار مکہ کی ہٹ دھرمی، انسانی حقوق بہ زبان نبی، عورتوں کے اسلام میں حقوق اور زبان نبوی سے اس کی تکریم، تعدداز دواج کے معاشرتی فوائد، زنا کی قباحتیں، نبی کی ایک سے زائد شادیوں کی حکمت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عبادات سے متعلق معمولات، بعض انبیاء سابقین کی اہمیت اور ان کے فوائد ومضرات جیسے بہت سے اہم گوشوں پر مدلل اور سہل انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ جن نکات کو مولانا نے اپنے خطاب میں اہمیت دی ہے، بالعموم وہ کتابی بحثوں کا حصہ ہیں، جب کہ مولانا نے ان مشکل موضوعات کو اپنے خطاب کا حصہ بنایا اور لوگوں پر سیرت نبوی کی حقانیت ثابت کی۔

مولانا کے اس خطاب کے بارے میں مولانا محمد سعید لکھتے ہیں:

"مولانا کی یہ دوسری تقریر سیرت وہ ہے جو آپ نے ناگ پور میں کی تھی،

مشکلات اور مخالفین کے دردانگیز مظالم اور آپ کے صبر وتحمل کا دیگر انبیاء سابقین سے مقابلہ اس قدر دلچسپ اور دل کش پیرایہ میں بیان کیا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض احادیث کی تشریح وتوضیح قرآنی آیات کی تفسیر اور بعض تفسیری شبہات کا حل اور صدہا نکات ومطالب اور تصوف کے مسائل اس خوبی سے عام فہم اردو میں بیان کئے گئے ہیں[۲۴]۔''

ایک دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں:

''یہ تقریر حضرت سحبان الہند الحاج حافظ صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند کے مواعظ کا ایک نادر ونایاب مجموعہ ہے، جن میں شریعت محمدیہ کے نہایت ادق مسائل کو اس طرح پیش کئے گئے ہیں کہ عالم وعامی ان کو نہایت سہولت کے ساتھ سمجھ سکتا ہے اور استفادہ کر سکتا ہے۔ حضرت مولانا کے انداز بیان اور خوبی زبان کی تمام خصوصیات اس میں جمع کر دیے گئے ہیں۔ کتاب اتنی دل چسپ ہے کہ شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔''[۲۵]

مولانا احمد سعید اپنے خطاب کے آغاز میں مسلمانوں کے ساتھ بہ صراحت غیر مسلموں کو بھی مخاطب فرماتے ہیں اور ان کی حاضری پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے خطاب کے اختتام میں بھی بالخصوص غیر مسلموں کو متوجہ کرتے ہیں، تاکہ اپنے مدعا کو ان کو دل نشیں کر دیں۔ شروع میں مولانا فرماتے ہیں:

''مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ آج کے جلسہ میں جہاں بہ کثرت مسلمان شریک ہیں وہاں ہمارے ہندو بھائی بھی اس مقدس وپاکیزہ جلسہ میں موجود ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد کم ہے، خدا کا شکر ہے کہ آپ کے صوبے میں اگرچہ ایک طرف ڈاکٹر مونجے کے ہم خیال لوگوں کی کثرت ہے تو دوسری طرف ایسے غیر متعصب حضرات بھی موجود ہیں کہ جو مسلمانوں کے جلسوں میں شریک ہو کر اپنی فراخ دلی ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ آپ کے صوبہ اور بالخصوص ناگ پور میں جو ہندو مہا سبھا کی جنم بھومی ہے، ایسے غیر متعصب ہندو حضرات کا وجود یقیناً قابل رشک ہے[۲۶]۔''

اختتام خطاب پر برادران وطن کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں آخر میں ہندو دوستوں سے بھی کہنا چاہتا ہوں کہ آپ جو کچھ بھی سیرت کے متعلق کہنا چاہتے ہیں وہ یہ سمجھ کر فرمایئے کہ آپ محمد رسول اللہ کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ یہ سمجھ کر نہ فرمایئے کہ آپ محمد بن عبداللہ کی سیرت بیان کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ محمد بن عبداللہ کی ذات زیر بحث نہیں ہے اور نہ کوئی اس کا مخالف ہے، ہم تو جو کچھ کہہ رہے ہیں اور سیرت کے اجتماع کا جو کچھ مقصد ہے وہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے اور محمد رسول اللہ کی ذات گرامی سے دنیا کو آشنا بنا دیا جائے[۲۷]۔''

(۱۵) مضامین مولانا احمد سعید

یہ کتاب مولانا احمد سعید صاحب کے مضامین کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے اخبار الجمعیۃ اور اخبار انصاری کے لیے مختلف اوقات میں سلسلہ وار لکھے تھے۔ ایسے مضامین کی تعداد تو بہت ہے، مگر ان اخباروں کی فائلیں خرد برد ہونے کی وجہ سے جو مضامین ہاتھ لگ سکے اسی میں سے منتخب کر کے مولانا محمد سعید صاحب نے مرتب کر دیا اور اس مجموعہ کا نام 'مضامین مولانا احمد سعید' رکھا۔ یہ کتاب دینی بک ڈپو، دہلی سے پہلی بار ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی، جو ۲۵۶ رصفحات پر مبنی ہے۔ اس میں کل ۱۹ رمضامین ہیں، جو سماجی و معاشرتی اصلاح سے براہ راست متعلق ہیں اور بعض ایسے مضامین بھی ہیں، جو خالص شرعی اور فقہی نوعیت کے ہیں۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ مولانا کے یہ مضامین ان کی بعض دوسری کتابوں میں بھی شامل ہیں۔ کتاب کے شروع میں انصاری اخبار کے ایڈیٹر اور منیجر ہلال احمد زبیری کا پیش لفظ ہے، اس میں انہوں نے مولانا کے ان مضامین کو غیر معمولی اہمیت کا حامل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا کی تمام زندگی وعظ و تلقین اور تالیف و تصنیف میں گزری ہے۔ جس طرح مولانا کی تقریر میں سلاست بیان اور لطافت زبان کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، اسی طرح مولانا کی تحریر بھی ان خصوصیات کی بدرجہ اتم حامل ہے۔ جس مضمون کو بیان کرتے ہیں، بہت سلجھا کر اور صاف طریقہ پر بیان کرتے ہیں۔ زبان کی شگفتگی و موزونیت ہر صورت میں برقرار رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا

کے مضامین بڑے شوق کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔ ایسے مذہبی مباحث جن کو پرانی کتابوں میں پرانے طرز تحریر کے مطابق دیکھ کر طبیعت الجھتی ہے، مولانا کے قلم سے صفحہ قرطاس پر آنے کے بعد نہایت دل چسپ ہو جاتے ہیں۔ مجھے ایک صحافی کی حیثیت سے ذاتی طور پر اس بات کا تجربہ ہے کہ جن دنوں مولانا کے مضامین اخبار میں شائع ہوتے رہے ہیں، اخبار کی اشاعت خود بخود بغیر کسی دفتری جدوجہد کے بڑھ گئی ہے۔ میرے نزدیک یہ واقعات مولانا کے طرز تحریر کی عام مقبولیت کا بین ثبوت ہے[۲۸]۔''

(۱۶) تقاریر احمد سعید

یہ کتاب مولانا احمد سعید صاحب کی آٹھ اہم تقریروں کا مجموعہ ہے جسے مولانا محمد سعید صاحب نے ترتیب دے کر اور مولانا محترم کی نظر ثانی کے بعد دینی بک ڈپو، دہلی سے شائع کیا، جو ۱۴۴ صفحات میں ہے۔ اس کا چوتھا ایڈیشن میرے سامنے ہے، جو غالباً ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ وہ تقاریر دل پذیر ہیں جن سے مولانا محترم کی علمی صلاحیتوں اور مدبرانہ افکار کے کئی اہم گوشے سامنے آتے ہیں۔ ہر ایک تقریر غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے اور ایسا لگتا ہے کہ یہ تقاریر بھی سلسلہ وار اخبار میں شائع ہوئی تھیں۔ مولانا محمد سعید لکھتے ہیں:

''سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند کے عالمانہ مضامین کے بعد اب یہ دوسرا مذہبی، اصلاحی اور سیاسی تقریروں کا نادر اور بیش بہا مجموعہ اس اعتراف کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے کہ اخبارات کی فائل گم ہو جانے کی وجہ سے ہم مولانا کی تقریروں کا مکمل مجموعہ شائع نہ کر سکے، جس کا ہمیں افسوس ہے۔ تاہم انتہائی تلاش وجستجو کے بعد اس وقت تک جس قدر مواد بھی فراہم ہو گیا ہے، ان شاء اللہ شائقین کے ذوق مطالعہ کی تسکین کے لیے کافی ہے۔ اس مجموعہ میں سب سے زیادہ مسرت کی چیز یہ ہے کہ ہر ہر تقریر کو حضرت مولانا سے نظر ثانی کرانے کے بعد اس مجموعہ کو شائع کیا گیا ہے[۲۹]۔''

مجموعہ میں شامل پہلی تقریر زلزلہ ہے۔ اگرچہ یہ تقریر دہلی کی جامع مسجد میں ۹/ فروری ۱۹۳۲ء میں کی گئی تھی، مگر اس میں باشندگان بہار کی دل جوئی کا وافر حصہ ہے۔ کیوں کہ انھی

دنوں بہار میں دل دوز زلزلہ آیا تھا، جس کی وجہ سے یہاں کے اہم اضلاع تہس نہس ہو گئے تھے اور کافی جانی و مالی نقصان ہوا تھا۔ اس تقریر میں مولانا نے پہلے بڑے علمی انداز میں اور سائنٹفک نقطہ نظر سے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ زلزلہ کیوں آتا ہے اور پھر مغرب کے اس غلط دعوے کی تردید کی ہے کہ اس نے اس سے محفوظ رہنے کا طریقہ تلاش کر لیا ہے[30]۔ دوسری تقریر اس غلط فہمی کا ازالہ کرتی ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ بھوک ہڑتال خودکشی کے مترادف ہے اور شرعی نقطہ نظر سے گناہ عظیم ہے[31]۔ تیسری تقریر میں مولانا محمد علی کی علمی و سیاسی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے اور ان کے انتقال کو ایک عظیم سانحہ قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ان کے بعد ہندوستانی سیاست کا ایک عظیم ستون سپرد خاک ہو گیا، جو ناقابل تلافی نقصان ہے[32]۔ وحدت اسلامی کا پر جوش مظاہرہ کے عنوان سے کی گئی تقریر میں مسئلہ کشمیر کے حل کی تلاش کی گئی ہے اور حکومت سے متحدہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس نازک مسئلہ کا حل بہ عجلت تمام نکالے۔[33] نبوت کی تقسیم اور مرزا غلام احمد قادیانی کے تحت مولانا نے اس فتنہ کا انسداد کیا ہے کہ نبوت محمدی کے بعد اب کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اور جو کوئی اس کا دعویٰ کرتا ہے وہ کذاب اور فتنہ گر ہے[34]۔ جتندر ناتھ داس کی دردناک موت کا موضوع بھی بھوک ہڑتا سے ہے اور اس میں ان کی سیاسی اور سماجی خدمات کو سراہا گیا ہے[35]۔ ساتویں تقریر کا موضوع محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری سے متعلق ہے جو ان کے انتقال کے بعد کی گئی۔ اس میں علامہ کشمیری کے علمی کمالات اور رفعت علمی کا اعتراف کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مولانا کا حافظہ کتنا قوی تھا کہ جو کچھ ایک بار پڑھ لیتے، برسوں کے لیے محفوظ ہو جاتا۔[36] آٹھویں تقریر کا موضوع پاکستان کیسا ہوگا۔ اس میں بتانے کی کوشش کی گئی اگر با دل نخواستہ ہندوستان کی تقسیم ہوئی اور پاکستان الگ ملک بنا تو وہاں کا دستور کے بنیادی نوعیت کیا ہوگی اور کیا وہاں مسلمان اطمینان و سکون سے رہ پائیں گے[37]۔ موخر الذکر خطاب الگ سے 'معرکۃ الآرا تقریر' کے نام سے کتابچہ کی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۱۷) مکاتیب احمد سعید

یہ کتاب مولانا احمد سعید کے منتخب خطوط کا مجموعہ ہے، جسے سید ضمیر حسن دہلوی نے ترتیب دیا ہے۔ ۱۵۲ صفحات میں پھیلی ہوئی کتاب نہایت وقیع ہے۔ مرتب کتاب نے پیش

لفظ کے تحت جو تاریخ درج کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب پہلی بار ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی۔ اس میں مولانا کے دردمند دل کی آواز اور آہ و بکا کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ مرتب کے بہ قول اس میں مولانا کے مذہبی اور سیاسی خطوط شامل نہیں کیے گئے ہیں، بلکہ ان کی زندگی کے وہ پہلو اخذ کیے گئے ہیں جو وضع داری، ایثار، خدمت خلق، علم مجلسی اور اجمالی درستی کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ جب کبھی ان پہلوؤں پر تبادلہ خیال کی نوبت محسوس کی مولانا نے قلم اٹھایا اور ملا واحدی اور بعض دوسرے احباب سے بات کر کے تسلی حاصل کر لی۔ اس میں کم و بیش ۵۰ر خطوط ملا واحدی کے نام ہیں، ۱۴ر خطوط شیخ صادر علی صاحب کے نام ہیں۔ مرزا افضل بیگ حیدر آبادی اور مولانا محمد یسین صاحب کو ۵ر خطوط لکھ گئے ہیں۔ مجیب احمد صاحب عرف نواب رائے پور کے نام ۸ر خطوط ہیں۔ مولانا عبدالاول کو ۳۰ر کے قریب اور حکیم سید یامین صاحب کو ۱۸ر خطوط لکھے گئے ہیں اور کچھ خطوط حکیم امتیاز صاحب کے بھی نام ہیں۔ مولانا کے خطوط کی اہمیت بیان کرتے ہوئے مرتب کتاب لکھتے ہیں:

> ''مولانا کی ان تحریروں میں نہ غالب کے خطوط کی سی شوخی اور بذلہ سنجی ہے، نہ انشائے سرور کی سی حسن کاری۔ بس ایک سادگی اور پرکاری ہے۔ ایک بات ماورائے سخن جو پڑھنے والے کے لیے دل چسپی کا سبب بنتی ہے، مجھے احساس ہے کہ بیش تر خطوط میں کوئی بات معلوماتی بھی نہیں ہے، تاہم مجھے یقین ہے کہ باذوق طبیعتیں انہیں محض شیرینی لب اور نزاکت آواز کے لیے بار بار پڑھیں گی۔ حسن پرستوں کے لیے سب سے مشکل مرحلہ یہ ہے کہ وہ حسن کی منطقی تعریف نہیں کر سکتے اور ہوش پرستوں کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ بے دلیل خدا کو بھی ماننے پر تیار نہیں ہوتے، مولانا کی تحریروں میں اگر کوئی صفت برائے گفتن تلاش کی جائے تو وہ معصومیت ہے۔ مولانا بڑے بھولے انداز میں گفتگو کرتے ہیں، ان کی تحریر سے کہیں اس بات کا شائبہ نہیں ہوتا کہ وہ ایک جید عالم، جہاں دیدہ سیاست داں ہیں۔ گفتگو کی یہ معصومیت جو انسان کی بات کو نوائے سروش بنا دیتی ہے بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کے لیے آئینہ دل ہونا شرط اول ہے اور یہ سعادت بزور بازو حاصل ہونے والی شے نہیں ہے[۳۸]۔''

حاصل بحث

مولانا احمد سعید صاحب کی تصانیف و تالیفات بالخصوص امت مسلمہ ہند کے لیے عظیم علمی سرمایہ ہیں۔ انہوں نے اپنی علمی صلاحیت و قابلیت کو دین کی خدمت اور امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے ہی استعمال کیا۔ ان کے خطاب نے غور و فکر کے دریچے وا اور نئی جہات عطا کیے۔ وہ جن خوبیوں کے مالک تھے اور جن اساتذہ کے تربیت یافتہ تھے، اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ قوم و ملت کے لیے بے لوث خادم کا فریضہ انجام دیں اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے قیمتی اوقات کو جمعیۃ علماء ہند کی تعمیر و ترقی کے لیے وقف کردیا اور اس کے لیے مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ ان کی شخصیت جتنی پر تاثیر اور قد آور تھی، وہ چاہتے تو ان کا شمار دہلی کے صاحب ثروت لوگوں میں ہو جاتا، مگر انہوں نے دنیا کی دولت پر عقبیٰ کی دولت کو ترجیح دی اور قلندرانہ زندگی گزارتے رہے۔ دین داری اور راست بازی نے انہیں سیاسی گلیاروں میں بھی وجیہ انسان بنائے رکھا۔ مولانا کی ہر ایک تصنیف اپنے موضوع کے اعتبار گنج گراں مایہ ہے اور مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کو متاثر کیا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ان کے پیش نظر سماج و معاشرہ کی اصلاح و فلاح کا بڑا جامع اور وسیع تصور تھا۔ انہوں نے اپنے گرد و پیش میں مسلمانوں کے ذریعہ بے ہنگم امور کو انجام دیتے ہوئے دیکھا، فوراً اس کی اصلاح کے لیے ڈٹ گئے اور قرآن و حدیث، آثار صحابہ اور بزرگان دین کے دروس و نصائح کی روشنی میں اس کا ایسا شافی حل پیش کیا کہ ہر ایک نے اسے نسخہ کیمیا سمجھ کر حرز جاں بنانے کی کوشش کی۔ 'بہشتی زیور'، 'تعلیم الاسلام' اور 'دینی تعلیم کا رسالہ' کے بعد سحبان الہند کی 'جنت کی کنجی'، 'دوزخ کا کھٹکا' اور 'عرش الٰہی کا سایہ' ایسی مقبول اور متداول کتابیں ہیں جنہیں آج بھی لوگ بہ کثرت پڑھتے اور اپنی بگڑی کو سنوارنے کوشش کرتے ہیں۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ قوم و ملت کے اس عظیم خادم، دین اسلام کے علم بردار اور مبلغ سے آج دنیا کم واقف ہے، جو کسی بڑے سانحے سے کم نہیں ہے۔ تاریخ اسی طرح مسخ ہوتی ہے، یا تاریخی حقائق کو فراموش کردیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری نے ضرور ان کی زندگی کے بعض گوشوں کو اپنی مرتب کردہ کتاب میں اجاگر کرنے کی سعی مشکور کی ہے، مگر مولانا کی زندگی

کے بہت سے پہلو اب تک پردہ خفا میں ہیں۔ ضرورت ہے کہ مولانا کی حیات وخدمات پر منظم اور منصوبہ بند طریقے سے کام کیا جائے اور تصنیفات وتالیفات اور بکھری ہوئی تحریروں کو جدید پیرائے میں پیش کیا جائے۔ اس کے لیے بالخصوص جمعیۃ علما ہند کو آگے آنا چاہیے۔ یہ ایک صدقہ جاریہ ہوگا اور مولانا مرحوم کی روح کو بھی قرار وسکون پہنچے گا۔

❁❁

مراجع

۱۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری (مرتب) سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی ایک سیاسی مطالعہ، فرید بک ڈپو (پرائیوٹ لمیٹڈ) دہلی، ۲۰۱۱ء، ص:۸۷

۲۔ سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی ایک سیاسی مطالعہ، ص:۴۰-۴۱۔ مضمون نگار: مولانا حفظ الرحمٰن واصف، مضمون: مولانا احمد سعید دہلوی

۳۔ سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی ایک سیاسی مطالعہ، ص:۱۱۷۔ مضمون نگار: ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری، مضمون: مولانا دہلوی کی تفسیر کشف الرحمٰن خصوصیات کے آئینے میں

۴۔ مضمون تفسیر کشف الرحمٰن وتیسیر القرآن www.easyquranwahadees.com

۵۔ سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب، کشف الرحمٰن، دینی بک ڈپو، دہلی، ۱۹۶۳ء، ص:۲، (بہ عنوان علمائے کرم کی گرامی قدر رائیں

۶۔ ایضاً، ص:۴

۷۔ ایضاً، ص:۱ (بہ ضمن اظہار تشکر)

۸۔ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب، الہدایۃ السنیۃ فی الاحادیث القدسیہ (احادیث قدسیہ) یعنی اللہ کی باتیں، دارالمطالعہ، فاضل پور شہر، بھاول پور، پاکستان، ص:۸

۹۔ ایضاً، ص:۹

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۰

۱۱۔ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب، عرش الٰہی کا سایہ، دینی بک ڈپو، دہلی، ص:۳

۱۲۔ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب، دوزخ کا کھٹکا، خواجہ پریس، دہلی، ۱۹۳۸ء، ص:۱-۲

۱۳۔ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب، جنت کی ضمانت، دینی بک ڈپو، دہلی، ۱۹۵۹ء، ص:۵-۶

۱۴۔ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب، ہماری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی؟، دینی بک ڈپو، دہلی، ص:۳-۴

۱۵۔ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب، رسولؐ کے تین سو معجزات، مکتبہ سلطان عالم گیر، لاہور، پاکستان، ۲۰۰۹ء، ص:۶

۱۶ ایضاً،ص:۸

۱۷ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب، صبر نسواں عرف نیک مرد و نیک بیویاں، محبوب المطابع، دہلی ۱۳۵۲ھ،ص:۴

۱۸ ایضاً،ص:۵

۱۹ ایضاً،ص:۱۰-۱۱

۲۰ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب، دوسری تقریر سیرت، دینی بکڈپو، دہلی،۱۹۷۱ء،ص:۲۸۴

۲۱ دوزخ کا کھٹکا،ص:۱

۲۲ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب، جنت کی کنجی، دینی بک ڈپو، دہلی،ص:۴-۵

۲۳ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب، پہلی تقریر سیرت، دینی بک ڈپو، دہلی،۱۹۷۱ء،ص:۲۱۴-۲۱۵

۲۴ جنت کی ضمانت،ص:۹۱

۲۵ دوزخ کا کھٹکا، (افتتاحیہ)

۲۶ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب، دوسری تقریر سیرت، دینی بک ڈپو، دہلی،۱۹۷۱ء،ص:۶

۲۷ ایضاً،ص:۲۸۰-۲۸۱

۲۸ محمد سعید (مرتب) مضامین مولانا احمد سعید، دینی بک ڈپو، دہلی،۱۹۴۵ء،ص:۵-۶

۲۹ سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب، تقاریر، دینی بک ڈپو، دہلی،ص:۴ (پیش لفظ)

۳۰ ایضاً،ص:۵-۲۷

۳۱ ایضاً،ص:۲۸-۵۲

۳۲ ایضاً،ص:۵۳-۶۴

۳۳ ایضاً،ص:۶۵-۷۴

۳۴ ایضاً،ص:۷۵-۸۷

۳۵ ایضاً،ص:۸۸-۹۳

۳۶ ایضاً،ص:۹۴-۱۱۲

۳۷ ایضاً،ص:۱۱۳-۱۴۴

۳۸ سید ضمیر حسن دہلوی (مرتب) مکاتیب احمد سعید، دینی بک ڈپو، دہلی،۱۹۶۷ء،ص:۲۴

۳

حضرت سحبان الہند بحیثیت مفسر

از: محمد ساجد قاسمی ہردوئی
استاذ تفسیر وادب دارالعلوم دیوبند

خانوادہ ولی اللہی اور قرآن کی تفسیر و تفہیم

برصغیر میں سرزمین دہلی کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں سے قرآن کے ترجمہ اور اس کی تفہیم وتشریح کا آغاز ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے سب سے پہلے فتح الرحمٰن کے نام سے فارسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا اور اس کے پیغام کو عوام کے لیے عام کیا۔ قرآن کے ترجمے کے سلسلے میں علما میں اختلاف چلا آرہا تھا، ایک رائے یہ تھی قرآن کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ ناجائز ہے۔ آپ نے اپنے اس منفرد علمی کارنامے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ قرآن کا ترجمہ دوسری زبان میں کرنا نہ صرف جائز اور درست ہے، بلکہ انسانوں تک قرآن کا پیغام پہنچانے کے لیے ضروری ہے تاکہ اللہ کی حجت بندوں پر تام ہو جائے۔

اس کے بعد آپ کے فرزندوں نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا، چنانچہ شاہ رفیع الدین دہلوی (متوفی ۱۲۳۳ھ) نے قرآن کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ عربی الفاظ کی پوری رعایت کرتے ہوئے تحت اللفظ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد شاہ صاحب کے دوسرے فرزند شاہ عبدالقادر دہلوی (متوفی ۱۲۳۰ھ) نے قرآن کا ترجمہ کیا جو بعد کے قرآنی تراجم کے لیے ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

نیز شاہ عبدالعزیز دہلویؒ (متوفی ۱۲۳۹ھ) نے قرآن کی فارسی زبان میں تفسیر املا کرائی جو مکمل نہ ہو سکی۔ اس کے متعلق محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری نے فرمایا کہ اگر تفسیر عزیزی مکمل ہو جاتی تو امت پر جو قرآن کی تفسیر کا قرض ہے وہ ادا ہو جاتا۔

الغرض خاندان ولی اللہی نے قرآن کے پیغام کو عوام تک پہنچانے کا جو مبارک سلسلہ شروع کیا تھا وہ اس کے بعد بھی کسی نہ کسی شکل میں جاری رہا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دہلی کی مساجد میں قرآن کے ترجمہ و تفسیر کے حلقے لگتے ہیں۔ جن میں عوام بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔

سحبان الہند کا تفسیری حلقہ

انہی تفسیری حلقوں میں سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کا بھی حلقہ تھا، جو کٹرہ ہدو کی چھوٹی سی مسجد میں لگتا تھا، آپ نے اس میں تقریباً ۳۵ سال تک تفسیر کی۔ گو کہ آپ کے حلقے میں حاضرین کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی تھی لیکن پھر بھی آپ پورے زور شور کے ساتھ قرآن کا درس دیتے تھے اور حاضرین کی تعداد کی قلت کا آپ پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ آپ کے لیے بڑی مسجد اور حاضرین کی بڑی تعداد والے حلقے کی پیش کش کی گئی لیکن آپ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔ آپ خود فرماتے تھے کہ میں اپنا شوق پورا کرتا ہوں مجھے تعداد سے یا لینا۔ واقعہ ہے کہ آپ کو قرآن سے عشق تھا، آپ نے حفظ قرآن کی تکمیل کے بعد باضابطہ عربی کی تعلیم کے آغاز سے پہلے ہی وعظ کہنا شروع کر دیا تھا اور آپ کا زمانہ مناظرے کا زمانہ تھا۔ غیر مسلم مناظرین سے مناظرہ کرتے تھے اور ان کے سوالات کا قرآن سے جواب دیتے تھے جنھیں سامعین سن کر دنگ رہ جاتے تھے۔

آپ کے حلقے کا انداز و امتیاز

تفسیری حلقے میں آپ کے افہام و تفہیم کا بہت انوکھا انداز تھا، آپ ابن کثیر کی طرح تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کو پیش نظر رکھتے تھے، چنانچہ آپ آیات کے مفہوم کی تائید کے لیے برجستہ متعدد آیات پڑھتے تھے۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی آپ کے انداز تفسیر کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

سورہ زخرف کی حسب ذیل آیت کی تفسیر بیان ہو رہی تھی: [أَفَنَضْرِبُ عَنكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَن كُنتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ (زخرف:۵)

حافظ ایوب صاحب نے ترجمہ شاہ عبد القادر والا پڑھا:

ترجمہ کیا: ''ہم پھیر دیں گے تمھاری طرف سے سمجھوتی موڑ کر اس سے کہ تم ہو لوگ جو

حد پر نہیں رہتے۔"

مولانا نے تقریر شروع فرمائی:

"حضرت حق نے قرآن کی عظمت و بزرگی بیان فرما کر قرآن کے منکروں سے خطاب فرمایا کہ اے منکرین! کیا قرآن جیسی عظیم دولت و جو تمام نوع انساں کی نجات اور فلاح کے لیے اتاری جارہی ہے صرف اس خیال سے ہم اس کا بھیجنا بند کر دیں گے کہ تم نے زیادتی پر کمر باندھ لی ہے، کیسے ہوسکتا ہے کہ چند آدمیوں کی سرکشی کی وجہ سے ہم ساری انسانیت کو اس دولت سے محروم رکھیں"

ہاں بھئی! شاہ صاحب حاشیہ پر کیا فرمارہے ہیں؟ (حاشیہ پڑھا گیا)

اس سبب سے کہ تم نہیں مانتے یا ہم حکم کا بھیجنا موقوف کریں گے۔

مولانا نے پھر تقریر شروع کی:

حضرت حق کا یہ دستور رہا ہے کہ مخالفین کتنا ہی شور مچائیں، تکذیب کریں، کتاب لانے والے رسولوں کو تکلیفیں پہنچائیں، سب کچھ کریں یہاں تک قتل ناحق شروع کردیں مگر حق تعالی کی شان رحمت آسمانی ہدایت کا سلسلہ بند نہیں کرتی۔

سورہ مومنون میں فرمایا، ہاں بھئی نکالو، دیکھو:

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرٰى كُلَّ مَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا [مومنون ۴۴]

"پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول لگاتار، جہاں پہنچا کسی امت کے پاس ان کا رسول اس کو جھٹلا دیا، پھر چلاتے گئے ہم ایک کے پیچھے دوسرے"

یہ تَتْرٰی وہی لفظ ہے جس سے تمھارا متواتر بنا ہے، جس کا ترجمہ شاہ صاحب لگے تار رہے ہیں اور حضرت شیخ الہند نے موجودہ زبان کے مطابق اسے لگاتار کردیا ہے، وہ پرانی زبان تھی اور یہ نئی زبان ہے۔

مفہوم کی وضاحت کے بعد مولانا نے آیت زیر بحث کے الفاظ کی تشریح فرمائی۔

الذِّکر کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

الذِّکر سے مراد قرآن کریم ہے، یہ بھی قرآن کا ایک نام ہے کسی صاحب نے اس کا

ترجمہ پندونصیحت کیا ہے، کسی نے ذکر کا ہی لفظ قائم رکھا ہے، شاہ صاحب نے اپنی عادت کے مطابق سمجھوتی کیا ہے، حضرت شیخ الہند نے اس کو سباق آیت کی مناسبت سے یہ کتاب ترجمہ کیا ہے۔

اس کے بعد مولانا نے آیات پیش کرنی شروع کیں اور حافظ ایوب مرحوم اور حافظ انوار الحق صاحب نے ان کی تلاوت کر کے ترجمہ سنانا شروع کیا، اجمال کے ساتھ عرض کرتا ہوں، مولانا نے بتایا دیکھو آل عمران میں ایک صفت لگا کر قرآن کریم کو ذکر حکیم کہا گیا ہے:

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ [آل عمران ۵۸]

سورہ انبیا میں ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ فرمایا ہے:

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ [الانبیاء ۵۰]

سورہ یسین میں خود ہی وضاحت فرمادی کہ ذکر سے مراد قرآن مبین ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ [یس: ۶۹]

اس کی تائید واستدلال میں متعدد آیات پیش کر کے فرمایا اسی لفظ سے تذکرہ نکلا ہے۔ سورہ عبس دیکھو اس میں قرآن کو تذکرہ فرمایا ہے:

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ، فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ [عبس: ۱۲-۱۱]

اس کے بعد مولانا نے مسرفین کی تشریح کی اور متعدد آیات اور سلف کے تراجم پیش کر کے اس کا مفہوم بتایا۔ (ماہنامہ دار العلوم دیوبند، مارچ ۱۹۶۱ء)

آپ کی زبان نہایت ادیبانہ اور شیریں تھی، آپ کو بات سمجھانے کا بڑا ملکہ تھا۔ آپ اپنے درس تفسیر میں متعدد کتب تفسیر سے استفادہ کرتے تھے اور مفسرین کی آرا اور ان کے ذکر کردہ تفسیری نکتے بھی بیان کرتے تھے۔

ترجمہ وتفسیر کشف الرحمٰن

آپ کو ملک کے طول وعرض میں بار بار سفر کرنے کا اتفاق ہوا، آپ نے عوام میں سینکڑوں تقاریر کیں، عوام سے مل کر آپ نے محسوس کیا کہ وہ قرآن کو سمجھنا چاہتے ہیں، لیکن قرآن کے تراجم زبان کے اعتبار سے مشکل ہیں جن کی وجہ سے وہ ان کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ نیز آپ نے دیکھا کہ مروجہ تراجم میں شاہ عبد القادر کا ترجمہ بڑی خوبیوں کا حامل ہے

لیکن زبان کی وجہ سے اس سے عوام تو کجا خواص کے لیے بھی استفادہ مشکل ہے۔ چنانچہ آپ نے پروگرام بنایا کہ شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمہ کی زبان بدلی جائے اور موضح القرآن کی توضیح وتشریح کی جائے، تب احادیث کے اردو تراجم کرا کے شائع کیے جائیں، نیز مظاہر حق جو مشکات کا ترجمہ ہے، جسے نواب قطب الدین نے اپنے استاذ شاہ اسحٰق دہلوی کے حکم سے کیا تھا اس کی بھی زبان تبدیل کر کے عوام کے سامنے پیش کیا جائے۔ ساتھ ہی دینی لٹریچر شائع کیا جائے۔ آپ نے مشورہ کیا اور اس مقصد کے لیے مفتی کفایت اللہ صاحب کی سرپرستی میں مؤتمر المصنفین نامی ایک ادارہ قائم کیا، تاکہ اس کے تحت باصلاحیت افراد سے یہ کام لیے جائیں۔ ترجمہ کے کام کے بارے میں یہی طے کیا کہ یہ کام آپ خود کریں۔

ادارے کے لیے علمی ذوق کے حامل اور زبان پر قابو یافتہ افراد کی تلاش تھی، لیکن ان دونوں صفتوں کے جامع افراد میسر نہ آئے، جن کا علمی ذوق تھا ان کی زبان پر گرفت نہیں تھی اور جن کی زبان اچھی تھی ان کا علمی ذوق نہیں تھا۔ اس لیے اس ادارے سے چند کتابوں کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہو سکا۔ لیکن آپ نے اپنے ترجمہ وتفسیر کے کام وملی وسیاسی مشاغل، جیل کی نظر بندیوں اور مختلف امراض وعوارض کے باوجود جاری رکھا۔ اور اسے اٹھارہ سال کی مسلسل محنت اور جانفشانی کے بعد مکمل کیا۔ اس کی ابتدا 1938 میں ہوئی تھی اور اس کی تکمیل 1956 میں ہوئی۔ اس مکمل ترجمہ کی اشاعت خواہش کے باوجود آپ کی حیات میں نہ ہو سکی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے حافظ محمد سعید صاحب نے اسے کشف الرحمٰن کے نام سے اپنے ادارے دینی بڈپو سے شائع کیا۔

ترجمہ وتفسیر قرآن کا نہج

آپ کے ترجمہ وتفسیر کے طریقہ کار کے بارے میں آپ کے فرزند محمد سعید دہلوی فرماتے ہیں:

> ”روزانہ کام کرنے کا معمول یہ تھا کہ فجر کی نماز پڑھ کر فراش خانہ میں کٹرہ بدو کی مسجد میں تشریف لے جاتے۔ وہاں ڈیڑھ دو گھنٹے قرآن شریف کا ترجمہ بیان فرماتے۔ اس مسجد میں کم وبیش تیس بتیس سال آپ نے ترجمہ قرآن کریم فرمایا۔ ترجمہ سے فارغ ہو کر مکان تشریف لے جاتے اور ترجمہ قرآن کریم لکھنے

میں مشغول ہو جاتے۔ قرآن کریم کے ترجمے میں حضرت علامہ مفتی کفایت اللہؒ بھی وقتاً فوقتاً شرکت فرمایا کرتے تھے۔ علمائے کرام کی ایک مختصر جماعت مولانا کے سامنے مختلف ترجموں کے قرآن کریم اور تفسیریں کھولے بیٹھے رہتی۔ کبھی آپ ایک سے ترجمہ سنتے، پھر دوسرے کو ارشاد فرماتے اور تفسیروں کو پڑھواتے۔ اخیر میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمے کو سنتے۔ سب کچھ سننے کے بعد آپ ایک ایک آیت کا ترجمہ لکھتے تھے۔ پھر دوسری آیت لیتے۔ اس کا بھی اسی طرح چکر چلتا تھا. ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر صبح کے لکھے ہوئے ترجمے پر نظر ثانی فرماتے۔ کبھی حضرت مولانا سلطان محمود شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ فتح پوری مولانا صاحب سے ملنے تشریف لاتے تو ان کو ملاحظہ کراتے۔ کبھی مولانا اللہ بخش صاحب کو مولانا ضیا الحق صاحب دیوبندی مرحوم جو مدرسہ امینیہ میں صدر مدرس تھے اور مولانا کے استاد تھے۔ آتے تو ان کو سناتے۔ کبھی حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت تشریف لے آتے تو ان کو ملاحظہ فرماتے۔ کبھی کوئی اور صاحب دیوبند سے تشریف لاتے تو ان کو دکھاتے۔ کوئی صاحب پاکستان سے ملنے آتے تو ان کو بھی دکھاتے۔ غرض اہل علم میں جو حضرات بھی کہیں سے تشریف لاتے تو ان کو ضرور ملاحظہ کراتے تھے"۔ (کشف الرحمٰن ص:۱)

آپ نے ترجمہ وتفسیر میں نہج یہ اختیار کیا کہ قرآن کریم کے ترجمہ کا نام "کشف الرحمٰن" رکھا، مختصر مطلب کا "تیسیر القرآن" اور مفصل تفسیر کا "تسہیل القرآن" نام تجویز کیا۔ آپ نے اسی نہج پر پہلی منزل کا ترجمہ وتیسیر اور تسہیل بڑی محنت وجانفشانی سے مکمل کیا۔ لیکن آپ نے اپنی مصروفیات اور کام کی طوالت کے پیش نظر پہلی منزل کے بعد صرف ترجمہ وتیسیر پر اکتفا کیا اور تسہیل کا سلسلہ موقوف کر دیا۔ آپ نے یہ ارادہ کیا کہ ترجمہ اور تیسیر کے بعد اگر موقع ملا اور عمر نے وفا کی تو تسہیل کے کام کو مکمل کروں گا۔ آپ نے تقریباً اٹھارہ سال کی محنت شاقہ کے بعد ترجمہ وتیسیر کا کام مکمل کر دیا۔ لیکن تسہیل کا کام مکمل نہ ہو سکا۔

آپ کی خواہش تھی کہ یہ ترجمہ وتیسیر آپ کی حیات ہی میں طبع ہو کر منظر عام پر آ جائے، لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ البتہ چند سورتوں مثلاً: سورہ توبہ، سورہ یونس، سورہ یوسف، سورہ کہف کے ترجمے مع تیسیر آپ کی حیات ہی میں دینی بڈپو دہلی سے شائع ہوئے اور عوام

وخواص میں مقبول ہوئے۔

ترجمہ وتفسیر کے مراجع وماخذ

اس ترجمہ وتفسیر کی تیاری میں آپ نے جن عربی، فارسی اور اردو تفاسیر کو پیش نظر رکھا ہے وہ درج ذیل ہیں:

جلالین، روح البیان، تفسیر کبیر، تفسیر مظہری، مدارک، خازن، ابن کثیر، فتح البیان، بیضاوی، کشاف، تفسیر ابن جریر، بیان القرآن، تفسیر حسینی، اعظم التفاسیر، تفسیر درمنثور اور جامع التفاسیر شامل ہے۔

نیز آپ فرماتے ہیں کہ:

میں نے تیسیر میں اور قرآن کے ترجمہ میں اپنے اکابر کا پورا خیال رکھا ہے۔ حضرت مولانا شاہ ولی صاحب رحم اللہ علیہ سے لے کر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب بلکہ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ العزیز تک کے تراجم کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور اس تمام کدو کاوش کے بعد ترجمہ اور تیسیر کو مرتب کیا گیا ہے، پھر بھی اگر کسی صاحب کو کوئی غلطی معلوم ہو یا ایسا خیال ہو کہ میں نے کسی جگہ اکابر کی رائے کو یا حضرت مولانا رفیع الدین صاحب یا مولانا عبد القادر صاحب رحمہما اللہ کے ترجمہ کو نظر انداز کر دیا ہے تو مجھ کو فوراً مطلع کیا جائے۔ (پیش لفظ سورہ یونس ص: 5 مطبوعہ دینی بک ڈپو)

ترجمہ وتفسیر کے چند نمونے

ہم ذیل میں سحبان الہند کے ترجمہ وتفسیر کے چند نمونے پیش کر رہے ہیں، جن سے آپ کے ترجمہ کی اہمیت، شگفتگی اور طرز انداز ہو جائے گا۔

آپ نے تسمیہ کا ترجمہ وتفسیر کچھ اس طرح کی ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: ”شروع اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور نہایت رحم والا ہے“

تیسیر: اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو بے انتہا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

تسہیل: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس بڑی رحمت والی ہے اور اس کی

رحمت ومہربانی بڑی عام ہے۔ میں اس سورت کو اسی کے نام کی برکت حاصل کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں تاکہ آداب تلاوت میں کوئی کوتاہی یا کوئی سہو ہوجائے یا کسی آیت کا مطلب سمجھنے میں غلطی ہوجائے تو خدائے تعالی اپنی عام رحمت ومہربانی سے اس کو درگزر فرمادے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس اہم اور ذیشان کام کو شروع کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس کام میں کامیابی اور برکت نہیں ہوتی۔

دوسرا نمونہ ملاحظہ ہو:

الم، ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ [البقرہ:۲]

ترجمہ: ''الم یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں، خدا سے ڈرنے والوں کی رہنمائی کرتی ہے''۔

تیسیر: الف لام میم یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کے منجانب اللہ ہونے میں ذرا سی بھی شک کی گنجائش نہیں۔ یہ کتاب خدا سے ڈرنے والوں کو صحیح راہ دکھاتی ہے۔

تسہیل: الف لام میم حروف تہجی ہیں جن کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔ تمام قرآن میں یہ حروف انتیس سورتوں کی ابتدا میں آتے ہیں کسی سورت کی ابتدا میں صرف ایک ایک حرف ہے، جیسے: قاف، نون، صاد اور کسی سورت کی ابتدا میں حرف دو ہیں، جیسے: طا، ہا، یسین اور کسی سورت کی ابتدا میں تین ہیں جیسے: الف، لام، میم اور الف، لام، را۔ اور کسی سورت کی ابتدا میں ان حروف مقطعات کی تعداد چار ہے، جیسے: الف، لام، میم، صاد اور کسی سورت کی ابتدا میں پانچ ہیں، جیسے: کاف، ہا، یا، عین، صاد اور حا، میم، عین، سین، قاف۔ بہر حال یہ حروف اللہ تعالی کے اسرار اور اس کے بھیدوں میں سے چھ ایسے بھید ہیں جن کو وہی خوب جانتا ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ان حروف کے معنی اور ان کی حقیقی مراد سے اور اس بھید سے جو ان حروف میں پنہاں ہے اللہ تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کردیا ہو۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب اس کے معنی سوائے اللہ تعالی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں جانتا تو پھر علمائے مفسرین نے ان کے معنی کیوں بیان کیے ہیں؟ جواباً گزارش ہے کہ جن حضرات نے ان کے معنی بیان کیے ہیں وہ تخمینی ہیں جو محض تمثیل اور تنبیہ کے طور پر بیان فرمائے ہیں اور جو لوگ معنی کی نفی کرتے ہیں اور کچھ کہنے سے انکار کرتے ہیں وہ حقیقی معنی اور

حقیقی مراد سے انکار کرتے ہیں، لہٰذا بیان کرنے والوں اور خدا کے سپرد کرنے والوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلویؒ نے اپنی تفسیر عزیزی میں ان حروف کی تحقیق کے بارے میں قدمائے مفسرین کے سولہ اقوال نقل کیے ہیں۔ واللہ اعلم بمرادہ۔ اور یہ جو فرمایا کہ اس کتاب میں شک کی ذرا بھی گنجائش نہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقتاً واقعہ کے اعتبار سے تو اس میں شک کی گنجائش نہیں لیکن اگر کوئی اپنے تعصب اور سوئے فہم کی وجہ سے اس میں شک وشبہات پیدا کرے تو ایسے لوگوں کے شک سے اصل حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

تسہیل: کسی چیز میں شک وشبہ دو طریقے سے ہوسکتا ہے۔ ایک تو اس طریقے سے کہ اس چیز میں واقعتاً شبہ ہو اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص بلاوجہ اپنی سمجھ کی خرابی اور ہٹ دھرمی سے اس میں شبہ نکالے تو آیت لاریب میں اول صورت مراد ہے دوسری صورت زیر بحث نہیں ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ یہ کتاب متقیوں کی راہ نما ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ متقیوں کے علاوہ دوسروں کی راہ نما نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یوں تو یہ کتاب تمام بنی نوع انسان کے لیے ہدایت ہے جیسا کہ سیقول میں ھدی للناس فرمایا ہے لیکن خاص طور پر وہ لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں جن کو خدا کا خوف ہے اور جن کے دل میں ڈر ہی نہیں وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

تقوی کے معنی ہیں پوری احتیاط کے ساتھ کسی چیز سے بچنا۔ شرعی اصطلاح میں اس کے معنی ان چیزوں سے بچنا ہے جن کو اللہ تعالی نے حرام کیا ہے اور جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بچنے کا حکم دیا ہے۔ تقوی کے مختلف مراتب ہیں کم سے کم اس شخص کو بھی متقی کہا جاتا ہے جو کفر وشرک سے بچتا ہے اور اس پر بھی لفظ متقی کا اطلاق ہوتا ہے جو صغائر اور کبائر سے بچتا ہے اور جو ماسوی اللہ کو ترک کر کے صرف خدا ہی کا ہو جاتا ہے اس کو بھی متقی کہتے ہیں اسی طرح اس گنہگار مسلمان کو بھی متقی کہہ سکتے ہیں جو صرف کفر وشرک اور بدعت سے بچتا ہے۔ اس تقریر سے یہ بات سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ یہ کتاب ہر درجہ کے انسان کے لیے راہ نما ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی رہنمائی سے وہی لوگ حقیقتاً بہرہ مند ہوتے ہیں جو خدا سے ڈرنے والے ہیں۔ (کشف الرحمٰن ص ۳ ضمیمہ)

تیسرا نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ[البقرۃ:۳۰]

ترجمہ: وہ واقعہ قابل ذکر ہے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں یقیناً زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا یا آپ زمین میں ایسے شخص کو پیدا کریں گے جو اس میں فساد اور خوں ریزی کرے یعنی اس کی اولاد اور ہم آپ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح کرتے اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا میں اس بات کو جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے ہو۔

تیسیر: واقعہ قابل ذکر ہے جب اے پیغمبر آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ یقیناً میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔ اس پر فرشتوں نے عرض کیا۔ یا آپ زمین پر ایسے لوگوں کو پیدا کریں گے جو اس میں فساد کریں گے اور خوں ریزی کے مرتب ہوں گے۔ حالاں کہ ہم آپ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح کرتے اور آپ کی تنزیہ وتقدیس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اس کے پیدا کرنے کی جو حکمت ومصلحت میں جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے۔

تسہیل: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین میں آدم کو پیدا کرنا چاہا اور ملائکہ اور جنات کی موجودگی کے باوجود ایک ایسی مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ کیا جو دونوں قسم کی استعداد سے متصف ہو اور اس کی طبیعت اصلاح اور فساد دونوں کی جانب مائل ہونے والی ہو یوں کہ ملائکہ میں نافرمانی اور فساد کی صلاحیت ہی نہ تھی اور جنات میں اگرچہ اصلاح کی استعداد موجود تھی لیکن وہ بہت ضعیف تھی۔ اس لیے حضرت حق جل مجدہ کو فجور اور تقوی دونوں کی استعداد رکھنے والی مخلوق کو نائب اور خلیفہ بنانا تھا تاکہ وہ زمین میں احکام شرعیہ کا نفاذ اور اجرا کرے اور حدود الٰہی کو قائم رکھے۔ (کشف الرحمٰن مع ضمیمہ ص:۸)

کشف الرحمٰن کی خصوصیات وامتیازات

یوں تو اردو میں قرآن کے تراجم اور حواشی بہت سے مفسرین نے لکھے ہیں، لیکن

آپ کا ترجمہ مع حواشی چند خصوصیات کا حامل ہے۔

(۱) یہ بہت سی عربی، فارسی اور اردو تفاسیر و تراجم کا نچوڑ ہے، مصنف نے طویل مطالعہ اور بڑی محنت و جانفشانی سے اسے تیار کیا ہے۔

(۲) اس کی زبان دہلی کی ٹسالی اردو ہے۔ چونکہ مصنف دہلی کے رہنے والے تھے اور مشہور خطیب اور مولف و ادیب تھے اس لیے آپ کو زبان پر اور مضامین کی تفہیم وتوضیح پر بڑا عبور تھا۔ آپ کا اسلوب نگارش بہت ادیبانہ اور عام فہم ہے۔

(۳) یہ ترجمہ و تفسیر خاص طور پر عوام کے لیے لکھی گئی ہے، اس لیے اس کی زبان عام فہم اور طرز تحریر سادہ ہے، جس سے عام و خاص سبھی استفادہ کرتے ہیں۔

(۴) یہ ایسے وقت پر منظر عام پر آیا جب اس کی ضرورت تھی، مصنف نے لوگوں کی اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر اسے تالیف کیا تھا۔ چنانچہ اس ترجمہ نے اپنے وقت میں لوگوں کی بڑی ضرورت پوری کی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے بعد پاکستان میں بھی شائع ہوا اور بہت مقبول ہوا۔

کشف الرحمٰن علما کی نظر میں

تفسیر کے ابتدائی صفحات میں علمائے کرام کی تقریظات و تائیدات اور آرا درج ہیں، ہم ذیل میں چند علما کی اختصار کے ساتھ آرا نقل کررہے ہیں:

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں:

الحمدللہ حضرت سحبان الہند مد ظلہم نے تفسیر قرآن کا سلسلہ شروع کیا جس کے کچھ اجزائے تفسیر بنی اسرائیل، تفسیر سورہ کہف، تفسیر سورہ مریم، تفسیر سورہ یونس و تفسیر یوسف علیہم السلام وغیرہ شائع بھی ہوچکی ہیں۔ یقیناً موصوف کی یہ تفسیر شستہ زبان، عام فہم طرز ادا اور اپنی خصوصیات کے اعتبار سے نہایت قابل قدر ہے اور ممتاز حیثیت رکھتی ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس سے استفادہ کرنا اور اس پر اعتماد کرنا ازبس ضروری ہے۔

حضرت قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

یہ واقعہ ہے کہ میں تو اس ترجمے سے بہت منشرح ہوا۔ مجھے تمام تراجم میں بوجہ بلاغت حضرت تھانوی قدس سرہ کا ترجمہ پسند تھا، لیکن یہ ترجمہ شگفتگی میں اس سے بھی کچھ سوا

ہی نظر آتا ہے۔ ارادہ کرتا ہوں کہ اپنی تحریرات میں جہاں آیات کے ترجمے درکار ہوں گے تو اس ترجمے کی نقل پر قناعت کروں گا۔

حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب مفتی دار العلوم دیوبند رقم طراز ہیں:

آج ان (سحبان الہند) کی تفسیر سامنے ہے، دور حاضر کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے آپ نے سلیس عام فہم مطلب خیز اردو زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا اور اس کے ساتھ ہی اس ترجمہ کی مختصر تفصیل اور اس کی تفسیر کی، جو تیسیر القرآن اور تسہیل القرآن کے نام سے معنون ہے۔ میں نے اس عام فہم تفسیر کے بعض اجزا سورہ یونس، سورہ یوسف، سورہ مریم، سورہ انبیا، سورہ حج کا مطالعہ کیا، اس کے مطالعے سے جو نشاط و سرور پیدا ہوا اس کی کیفیت سپرد قلم نہیں ہوسکتی، زبان کے اعتبار سے اتنا کہہ سکتا ہوں:

تم نے جادوگر اسے کیوں کر کہا دہلوی ہے داغ بنگالی نہیں

دلی کی ٹکسالی زبان میں قرآن عزیز کے مضامین کو دنیا کے سامنے پیش کردیا تاکہ کسی کو عذر عدم فہم قرآن پیش کرنے کی نوبت نہ آئے، اس عام فہم تفسیر کے متعلق یہ کہنا بیجا نہ ہوگا:

درسخن مخفی منم چون بوئے گل در برگ گل میل دیدن ہر کہ دارد در سخن بیند مرا

جس کی زبان سلیس و شیریں جو ادائے مطالب میں جامع جس میں مسلک سلف کا پورا پورا لحاظ، مخاطبین کے ذہنوں کی رعایت، واقعات کی طرف لطیف اشارے، منشا قرآن کے اظہار کا حامل وغیرہ امور میں ایک ممتاز درجہ اور تفسیر ہے جس کی عرصے سے تمنا تھی جو آج پوری ہوئی۔ حضرت مولانا سید حمید صاحب امام جامع مسجد دہلی نے اپنی رائے ان الفاظ میں تحریر کی ہے:

علامہ مفسر نے اس ترجمہ اور تفسیر کی تالیف میں بہت بڑی محنت اٹھائی ہے اور بڑی معتبر کتابوں کی زمانہ دراز تک ورق گردانی کر کے یہ ذخیرہ جمع کیا ہے۔ اور اس کو ایسے طریقے پر مرتب کیا ہے کہ ہر طبقے کے لوگ اس سے مستفید ہو سکیں۔ اہل علم کے لیے بھی مفید ہے اور عوام کے لیے بھی۔ (کشف الرحمٰن ص:۱)

۴

سحبان الہندؒ کا ترجمۂ قرآن "کشف الرحمٰن"

تعارف، تجزیہ، امتیازات

صداقت علی قاسمی
استاذ مدرسہ امینیہ دہلی

گزشتہ چودہ سو برس میں علمائے امت نے قرآن حکیم کی مختلف انداز سے، زمانے کے مخصوص احوال وظروف کے پیشِ نظر جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ جہاں ایک طرف ہماری تاریخ کا ایک روشن باب ہے وہاں قرآن مجید کا ایک علمی وفکری اعجاز بھی ہے۔ قرآن حکیم پر کیے جانے والے علمی کام سے ہر روز حاملِ قرآن ختم الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان اور پیش گوئی پر مہر تصدیق ثبت ہو رہی ہے کہ "قرآن مجید کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔"

علماء نے جہاں دوسری بہت سی حیثیتوں سے قرآن حکیم کی خدمت کی وہاں ایک خدمت یہ بھی کی دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے لکھے، جن میں قرآن کے مضامین و مطالب اور پیغامات کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی، ان تراجم میں اردو زبان کی حد تک مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے لائق فرزند شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے بامحاورہ اردو ترجمہ قرآن "موضح قرآن" کو اپنی قدامت اور گوناگوں خصوصیات کی بنا پر منفرد مقام حاصل ہے، شاہ عبدالقادرؒ کے بعد قرآن کے متعدد ترجمے منظر عام پر آئے، جن میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، حکیم الأمت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ اور مولانا فتح محمد جالندھریؒ کے تراجم قرآن خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جن سے اپنے اپنے زمانے میں قرآن فہمی کی راہ آسان ہوتی رہی اور ایک عالم فیض یاب ہوتا رہا۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی اور ولی اللٰہی علوم تفسیر کو آسان کر کے پیش کرنے کی ایک کامیاب جدو جہد سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ کا ترجمہ قرآن "کشف الرحمٰن" بھی ہے جس نے عوام ہی نہیں بلکہ اہل علم و دین کے حلقوں میں بھی توجہ واہتمام حاصل کیا اور زبان کی صحت وصفائی میں تو یہ ترجمہ اپنے زمانے سے پہلے اور بعد کے بہت سے قرآنی ترجموں پر فوقیت لے گیا۔

زیر نظر تحریر میں اسی ترجمہ قرآن کے تعارف تجزیہ امتیازات وخصوصیات اور موجودہ زمانے میں اس کی ضرورت وافادیت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اصل مقصد شروع کرنے سے پہلے سحبان الہند کی قرآنی علوم کے ساتھ مناسبت اور دلچسپی پر مختصری روشنی ڈالدینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

آپ فطری طور پر بلند پایہ تفسیری ذوق کے حامل اور قرآنی مضامین سے حددرجہ شغف رکھنے والے تھے، نیز عام فہم اور آسان زبان میں قرآنی لطائف و معارف عوام کو سمجھانے میں تو آپکو خصوصی ملکہ حاصل تھا، چنانچہ آپ اپنے کامیاب عوامی وعظوں میں قرآن کریم کی آیات قصص، آیات امثال اور آیات تہدید وتبشیر سے خوب کام لیتے تھے اور اپنے دہلوی شگفتہ اور شیریں انداز بیان میں قرآن کی آیات کوسمو کر اس طرح پیش کرتے تھے کہ کلام الٰہی کی عظمت عوام کے دلوں میں بیٹھ جاتی تھی۔ آپکے عام فہم طرز تفہیم کے سلسلے میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ کی وہ شہادت بھی قابل ذکر ہے جو انہوں نے مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ کے سامنے ۵۰ء میں کراچی کے دورہ کے دوران ظاہر فرمائی تھی۔

مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ رقم طراز ہیں:

> "مفتی صاحب نے دلّی کی عام فہم اردو زبان میں قرآنی لطائف ومعارف کی تشریح کے تذکرہ میں مولانا احمد سعید صاحبؒ کی عوامی زبان کی تعریف کی اور کہا کہ ہم اپنی مشکل علمی زبان مین قرآنی خطاب کو آسانی سے عوام کے دلوں میں نہیں بٹھا سکتے جس طرح مولانا احمد سعید صاحب مشکل سے مشکل آیت کا مطلب آسانی کے ساتھ عام مسلمانوں کو سمجھا دیتے ہیں"۔ (علماء دیوبند کی تفسیری خدمات ص نمبر ۶۰)

آپ نے قرآن کریم کے ترجمے میں اپنی اس خداداد صلاحیت وملکہ کا اس خوبی کے

ساتھ استعمال کیا ہے کہ پورا ترجمہ سلیس رواں اور قابل فہم اردو کا ایک قابل تقلید نمونہ بن کر ابھرا اور اس باب میں بہت سے تراجم قرآن پر فوقیت لے گیا۔

سحبان الہند کے ترجمہ قرآن کا نام کشف الرحمٰن ہے جس پر پہلے حاشیہ میں تیسیر کے عنوان سے ترجمہ کی قدرے وضاحت اور مختصر تفسیر درج ہے اور اس کے بعد تسہیل کے عنوان سے جامع اور مفصل تفسیری نوٹ ہیں جو صرف ایک منزل تک ہی لکھے گئے ہیں۔ ترجمۂ قرآن کریم اور تیسیر القرآن مکمل نیز ایک منزل کی تسہیل القرآن لکھنے کا یہ عظیم الشان کارنامہ اٹھارہ انیس سال کی محنت شاقہ اور جاں کاہی کے بعد وجود میں آیا۔ چنانچہ ترجمہ کے سرورق پر کتاب کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے۔

''بین السطور ترجمہ جس کا نام کشف الرحمٰن ہے یہ وہ ترجمہ ہے جس کو سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعیدؒ صاحب نے علماء کی ایک موقر جماعت کے مشورہ سے کیا ہے اور جس کو مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی سرپرستی اور نگرانی حاصل ہے قرآن شریف کے ترجمے اور تیسیر القرآن و تسہیل القرآن کی ترتیب و تالیف حضرت سحبان الہند کی اٹھارہ سالہ محنت اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے''۔

نیز ماخذ و مصادر کے سلسلے میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام متداول اور معتبر علماء کی تفاسیر و تراجم کو سامنے رکھ کر بلکہ ان کا عطر کشید کر کے ترجمہ و تفسیر کی یہ سعادت حاصل کی گئی ہے چنانچہ کتاب کے سرورق ہی پر درج ہے'' تفاسیر مروجہ سے کوئی تفسیر عربی اردو فارسی کی نظر انداز نہیں کی گئی بلکہ حسب ضرورت ہر تفسیر کو دیکھ کر اطمینان حاصل کیا گیا ہے۔''

اس ترجمہ کی تالیف میں کس قدر محنت و جاں فشانی اور حزم و احتیاط سے کام لیا گیا ہے اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

آپ کے صاحبزادے مولانا محمد سعیدؒ ترجمہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''روزانہ کام کرنے کا معمول یہ تھا کہ فجر کی نماز پڑھ کر فراشخانہ میں کٹرہ بڈو کی مسجد میں تشریف لے جاتے وہاں ڈیڑھ دو گھنٹے قرآن شریف کا ترجمہ بیان فرماتے، ترجمہ سے فارغ ہو کر مکان تشریف لے آتے اور ترجمہ قرآن کریم لکھنے میں مشغول ہو جاتے قرآن کریم کے اس ترجمہ میں حضرت علامہ مفتی محمد کفایت

اللہ وقتاً فوقتاً شرکت فرمایا کرتے تھے۔''

مزید لکھتے ہیں:

''علماء کرام کی مختصر جماعت حضرت مولانا کے سامنے مختلف ترجموں کے قرآن کریم اور تفسیریں کھولے بیٹھی رہتی کبھی آپ ایک سے ترجمہ سنتے پھر دوسرے کو اشارہ فرماتے اور پھر تفسیروں کو پڑھواتے اخیر میں حضرت مولانا شاہ عبد القادرؒ کے ترجمہ کو سنتے سب کچھ سننے کے بعد آپ ایک آیت کا ترجمہ لکھتے تھے، پھر دوسری آیت لیتے اس کا بھی اسی طرح دور چلتا تھا یہاں تک کہ مئی جون کی شدید گرمی میں ڈیڑھ دو بجے تک تین چار آیتوں کا ترجمہ کر پاتے تھے، ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر صبح کے لکھے ہوئے ترجمہ پر نظر ثانی فرماتے رہتے، نیز اہل علم میں سے جو حضرات بھی کہیں سے تشریف لاتے انکو ضرور ملاحظہ کراتے تھے ہفتہ عشرہ میں حضرت علامہ مفتی اعظم کو بھی ضرور ملاحظہ کراتے رہتے تھے۔''

نیز کشف الرحمٰن کی ترتیب میں بطور معاون کام کرنے والے قرآنیات کے ماہر عالم دین مفسر قرآن مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ لکھتے ہیں۔

''جب مولانا احمد سعید صاحب کو کسی مشکل قرآنی لفظ کے ترجمہ میں دشواری پیش آتی تو مولانا مرحوم مجھے ہدایت کرتے کہ حضرت مفتی صاحب (مفتی کفایت اللہ) کی خدمت میں جاؤ اور اس کا ترجمہ کرا کر لے آؤ۔ میں مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور مفتی صاحب اس مشکل کلمہ کا ترجمہ بلا تکلف کر دیتے۔''

(علماء دیوبند کی تفسیری خدمات ص۴۰)

اس طرح اٹھارہ انیس سال کی مسلسل محنت وجد و جہد اور حد درجہ احتیاط کے بعد یہ عام فہم اور مفید ترین ترجمہ منظر عام پر آیا۔

اس ترجمہ کا اپنے زمانے میں عوام وخواص دونوں ہی حلقوں میں زبردست استقبال کیا گیا اور قدر دانی وعزت افزائی کے جذبات ظاہر کیے گئے بالخصوص اس پر تقریظ لکھنے والے مشاہیر اہل علم نے (جن میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ زکریاؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ، شیخ الحدیث مولانا فخر الدین مرادآبادیؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ، مفتی مہدی

حسن جیسی نادرۂ روزگار شخصیات شامل ہیں) اپنی تحریروں میں اس کی ظاہری ومعنوی خوبیوں کو اجاگر کرتے ہوئے اسے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا مگر یہ عظیم الشان کاوش آپکی زندگی میں شائع نہیں ہوسکی بلکہ اسکو آپکے وصال کے دو سال بعد آپکے صاحبزادے مولانا محمد سعیدؒ نے ٹرانسوال (جنوبی افریقہ) کے مخیر مسلمانوں کی مدد سے ۱۹۶۲ء میں موتمر المصنفین بیت السعید کوچہ چیلان دہلی سے دو جلدوں میں شائع کیا لیکن اب یہ ترجمہ ایک طویل عرصے سے نایاب ہے اور قدیم کتب خانوں کی زینت بنا ہوا ہے۔

سحبان الہند کا اندازِ تحریر رواں دواں اور دلّی کی خوبصورت ٹکسالی زبان سے آراستہ ہے، آپکی تحریر کا یہ رنگ اس ترجمہ میں بھی صاف نظر آتا ہے، چنانچہ پورا ترجمہ از اول تا آخر سلیس وشیریں شستہ وشگفتہ اور آسان وعام فہم زبان پر مشتمل ہونے کی وجہ سے متعدد خوبیوں اور گوناگوں ظاہری ومعنوی محاسن کا جامع بن گیا ہے۔ اس ترجمہ کے چند نمایاں پہلو حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ ترجمہ دلّی کی ٹکسالی زبان اور محاورات کے استعمال کا بہترین نمونہ ہے۔

(۲) یہ ترجمہ اقرب الی الفاظ القرآن ہے جس سے کلام اللہ کا مفہوم ومقصود اجاگر ہونے کے ساتھ یہ وضاحت بھی ہوجاتی ہے کہ الفاظ کے اصل اور لغوی معنی کیا ہیں۔

(۳) اس ترجمہ میں خطیبانہ انداز کی چاشنی پائی جاتی ہے۔

(۴) اس ترجمہ میں ہر آیت کا ترجمہ پچھلی اور مابعد آیت سے مربوط ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی جگہ مستقل ہے۔

(۵) اس ترجمہ میں مسلک سلف کی مکمل پیروی کی گئی ہے۔

(۶) اس ترجمہ سے بہت سے شبہات جو آیات قرآنیہ کے متعلق کیے جاتے ہیں بالکل دور ہوجاتے ہیں۔

(۷) اس ترجمہ کی مدد سے قرآن کریم کے مضامین کو سمجھنا اور ذہن نشین کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

اس موقع پر ترجمہ قرآن کے چند نمونے نقل کرنا موزوں معلوم ہوتا ہے تاکہ اس کی خصوصیات قاری کے سامنے بھی اجاگر ہوجائیں۔

(۱) إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ یقین اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے سان و

گمان رزق پہنچاتا ہے۔(آل عمران آیت ۳۷)

(۲) اللّٰہ نور السموت والأرض.... الخ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے حق تعالیٰ کے نور کی صفت عجیبہ ایسی ہے جیسے فرض کرو ایک طاق ہے اس طاق میں ایک چراغ ہے وہ چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہے وہ شیشے کی قندیل ایسی ہے جیسے ایک چمکتا ہوا تارا وہ چراغ ایک بابرکت درخت کے تیل سے کہ وہ زیتون ہے روشن کیا جاتا ہے وہ چراغ نہ پورب رخ واقع ہے نہ پچھم رخ یعنی اس پر دھوپ کی روک نہیں اس کا تیل قریب ہے کہ خود بخود بھڑک اٹھے خواہ اسکو آگ نہ بھی چھوئے یہ نور بالائے نور ہے۔(النور آیت ۳۵)

(۳) قَالَ اِنِّی لِعَمَلِکُمْ مِنَ الْقَالِیْنَ لوط نے کہا بلاشبہ میں تمہارے اس ناشائستہ کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔(الشعراء، آیت ۱۶۸)

(۴) وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ اور ترازو کی ڈنڈی سیدھی رکھ کر تولا کرو۔

(الشعراء، آیت ۱۸۲)

(۵) قیل لها... الخ بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو پھر جب اس نے اس محل کے صحن کو دیکھا تو اسکو لہریں پڑتا ہوا پانی سمجھا اور اس نے اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں، سلیمان نے کہا یہ ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔(النمل آیت ۴۴)

(۶) فَتَوَلَّ عَنْهُمْ سوائے پیغمبر آپ انکو منہ نہ لگائیے۔(القمر آیت ۶)

یہ چند آیتوں کے ترجمے ہیں جو "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر یہاں نقل کردے گئے جن سے ترجمہ کی خصوصیات و امتیازات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔سادگی و پرکاری اور سلاست و روانی کی اسی فراوانی کو دیکھتے ہوئے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے فرمایا۔(تقریظ ص۴)

"مجھے تمام تراجم میں بوجہ بلاغت حضرت تھانوی قدس سرہ کا ترجمہ پسند تھا لیکن یہ ترجمہ شگفتگی میں اس سے بھی کچھ سوا ہی نظر آتا ہے۔"

کشف الرحمٰن کے حاشیے پر درج تفسیر تیسیر القرآن اور تسہیل القرآن بھی سحبان الہند کے قلم زریں رقم کے قیمتی شاہ کار ہیں جنمیں آپ نے مرادات خداوندی کو واضح کرنے اور انھیں بلیغ ترین اردو کے سانچے میں ڈھالنے کی مبارک کوشش فرمائی ہے۔

تفسیر کا طرز اس طرح ہے کہ پہلے تیسیر القرآن میں ترجمہ کی ضروری وضاحت پیش کی جاتی ہے اس کے بعد تسہیل القرآن میں اسی کو پھیلا کر نہایت جامع اور تفصیلی انداز میں تفسیر قلم بند کی جاتی ہے مگر یہ مفصل تفسیر صرف ایک منزل تک ہی لکھی جا سکی تھی کہ مصنف کی عمر نے وفا نہ کی اور یہ قیمتی تفسیر نا تمام رہ گئی البتہ تیسیر القرآن کا کام قرآن کے آخر تک کیا گیا ہے اور اس درجہ کا ہے کہ اسے قرآن کریم کی مختصر تفسیروں کی فہرست میں درج کیا جانا چاہیے۔ اس تفسیر کی بڑی خوبی اس کی جامعیت اور عام فہم انداز بیان ہے جس کی وجہ سے یہ ''دریا بکوزہ'' کا مصداق بن گئی ہے اور بغیر کسی تعب والجھن کے ذہن نشین ہوتی چلی جاتی ہے۔

ذیل میں دونوں تفسیروں سے ایک ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے جس سے انکے اسلوب اور طرز تحریر پر اچھی طرح روشنی پڑ سکے گی۔

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۳۰ (وَاِذْقَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ) کی وضاحت کرتے ہوئے تیسیر القرآن میں لکھتے ہیں ''اور وہ واقعہ قابل ذکر ہے جب اے پیغمبر آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ یقیناً میں زمین پر ایک نائب بنانے والا ہوں اس پر فرشتوں نے عرض کیا آپ زمین پر ایسے لوگوں کو پیدا کریں گے جو اس میں فساد کریں گے اور خون ریزی کے مرتکب ہوں گے حالاں کہ ہم آپکی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور آپکی تنزیہ اور تقدیس کرتے ہیں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا اس کے پیدا کرنے کی جو حکمت و مصلحت میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔''

پھر اسی کی تفسیر کرتے ہوئے تسہیل القرآن میں لکھتے ہیں ''مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جب زمین میں آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا اور ملائکہ اور جنات کی موجدگی کے باوجود ایک ایسی مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا جو دونوں قسم کی استعداد سے متصف ہو اور اس کی طبیعت صلاح اور فساد دونوں کی جانب مائل ہونے والی ہو کیوں کہ ملائکہ میں تو نافرمانی اور فساد کی صلاحیت ہی نہ تھی اور جنات مین اگرچہ اصلاح کی استعداد موجود تھی لیکن وہ بہت ضعیف تھی اس لیے حضرت حق جلّ مجدہٗ کو فجور اور تقوی دونوں کی استعداد رکھنے والی مخلوق کو پیدا کرنا مقصود تھا اور اسی مخلوق کو اپنا نائب اور خلیفہ بنانا تھا تا کہ وہ زمین میں احکام شرعیہ کا نفاذ اور اجرا کرے اور حدود الہیہ کو قائم کرے بہر حال اللہ تعالی نے جب اس کا اظہار فرمایا تو

فرشتوں نے عرض کیا کیا آپ ایسی مخلوق کو پیدا کریں گے جس میں سے کچھ لوگ جرائم اور مفاسد کے مرتکب ہوں گے اور ہم برابر آپکی تسبیح بیان کرتے ہیں اور سبحان اللہ اور سبحان الملک القدوس ہمارا وظیفہ ہے یا یہ کہ ہم سبحان اللہ وبحمدہ اور سبحان الملک القدوس کے ساتھ آپکی پاکی اور آپکی تقدیس کیا کرتے ہیں اس لیے کسی نئی مخلوق کو پیدا کرنے کی بجائے یہ نیابت اور خلافت کا کام ہمارے ہی سپرد کیا جائے اس پر ارشاد ہوا کہ اس مخلوق کے پیدا کرنے میں جو مصالح اور حکمتیں ہیں ان کو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے حضرت حق کا ملائکہ سے یہ فرمانا بطور مشورہ نہ تھا اور نہ ملائکہ کے جواب میں کوئی اعتراض تھا جیسا کہ بعض لوگ ان باتوں کے قائل ہوئے ہیں رہی یہ بات کہ ملائکہ کو کیسے معلوم ہوا کہ پیدا ہونے والی مخلوق میں سے کچھ لوگ فساد اور خوں ریزی کے مرتکب ہوں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ خلیفہ سے وہ سمجھے ہوں گے کیوں کہ حدود شرعیہ کا نفاذ اور اجرا تو جب ہی ہو سکتا ہے جب کچھ لوگ حد اعتدال سے تجاوز کرنے والے ہوں یا حضرت حق کے فرمان اِنِّی خَالِقٌ بَشَراً مِنْ طِیْنٍ سے سمجھے ہوں گے کہ جب اس کے اجزائے ترکیبی میں مٹی کو بھی دخل ہے تو یقیناً اس سے کوتاہیوں کا توقع بھی ہوگا جس طرح جنات کا انکو تجربہ ہو چکا تھا۔

فائدہ: نیکی اور بدی کے اعتبار سے مخلوق میں چار قسم کے احتمال ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ صرف نیکی ہی نیکی کرے، دوسرے یہ کہ بدی ہی بدی کرنے والی ہو تیسری یہ کہ نیکی اور بدی دونوں کا اس سے وقوع ممکن ہو، چوتھے یہ کہ نیکی اور بدی دونوں کی مکلف نہ ہو لہٰذا فرشتے اور جنات تو پہلے سے تھے اب انسان پیدا ہوا جو نیکی اور بدی دونوں کرنے والا تھا اور اس کے ساتھ غیر ذوی العقول حیوانات پیدا کیے گئے جو نہ نیکی کے مکلف ہیں نہ بدی کے، ممکن ہے اس طرح صفت خالقیت کے کمال کا ظہور منظور ہو۔

زیر نظر تحریر میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا مقصد سحبان الہندؒ کے معرکۃ آرا ترجمہ قرآن کی بازیافت اور اس کے محاسن وخوبیوں کو اجاگر کرنا ہے جو ایک طویل عرصے سے ناپید ہے چند پرانی لائبریریوں میں یا مختلف باذوق افراد کے پاس اس کے نسخے تبرکاً محفوظ ہوں تو ہوں ورنہ اب تو اہل علم وتحقیق کے حلقوں میں بھی اس کا کوئی تعارف باقی نہیں ہے جبکہ یہ عظیم الشان ذخیرہ اپنی خصوصیات کے باعث جتنا اہم اور مفید اپنے زمانہ تالیف میں رہا ہے اتنا

ہی قیمتی اور نفع بخش موجودہ زمانے میں بھی ثابت ہوسکتا ہے اور قرآن فہمی کی راہ میں نمایاں کردار ادا کرسکتا ہے، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کی دوبارہ طباعت واشاعت کی طرف توجہ کی جائے اس سے جہاں ایک طرف ہمارے ایک تاریخی ورثہ کی حفاظت کا بندوبست اور انتظام ہوگا وہاں ایک گنج گراں مایہ سے اخذ واستفادے کی راہ بھی ہموار ہوسکے گی اور یہ سحبان الہندؒ کی شخصیت کے لیے سب سے بہتر خراج عقیدت اور صدقۂ جاریہ ہوگا۔

مردے از غیب بیروں آید و کارے بکند

۱۲

مولانا احمد سعیدؒ — بحیثیت مفسر قرآن

مولانا اخلاق حسین قاسمی

ولی اللّٰہی خاندان کے صدقے میں دلی کو یہ برتری حاصل رہی ہے کہ یہاں ہمیشہ قرآن کریم کا چرچا رہا ہے، یہاں قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کے حلقوں کی کامیابی اور عوام کی ان کے ساتھ دلچسپی کا سبب بھی یہی ہے کہ اسی سرزمین پر بیٹھ کر شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان نے عام مسلمانوں کو قرآن کی بارگاہ سے قریب کیا اور ان تمام دیواروں کو منہدم کیا جو دیواریں دین کی حقیقی روح سے ناآشنا مذہبی طبقوں نے کھڑی کر رکھی تھیں۔

حضرت شاہ صاحب کے روحانی فیض ہی کی یہ کرامت ہے کہ اس سرزمین سے ہمیشہ قرآن سنانے اور سمجھانے والے اٹھتے رہے اور پورے ملک میں نام پیدا کرتے رہے، جس ذات گرامی کا ان سطروں میں ذکر خیر ہے وہ اس خاندان کے علوم قرآنی کی خوشہ چیں ہے اور اس برادری کی نامور شخصیت ہے۔

راقم جب دیوبند سے واپس آیا اور خیال ہوا کہ ترجمہ قرآن کریم کا سلسلہ شروع کیا جائے تو سب سے پہلے دہلی کے ان تمام حلقوں کا مطالعہ کیا جن میں دلی کے قدیم معمول کے مطابق صبح کی نماز کے بعد قرآن کریم کا درس ہوتا تھا۔

راقم نے مختلف رنگ وذوق کے ان حلقوں کا جائزہ لیا اور یہ دیکھا کہ کسی درس کا رنگ بالکل سادہ ہے، صرف مطلب خیز ترجمہ ہو رہا ہے، نہ تفصیل نہ شرح، کسی جگہ ظرائف و لطائف کی چاشنی اور دلی کی زبان کے مزے تھے، علمی درس بھی تھے جن میں رازی کے نکتے اور ربط وجوڑ پر پُر جوش تقریریں تھیں، کئی جگہ قرآن کے سامنے قرآن کا مذاق بھی اڑتے دیکھا، تقلید اور عدم تقلید پر کفر کی بارش یا اولیاء اللہ کی محبت کے نام پر تکفیر کی بم باری۔

اس جائزے کے بعد ایک طالب علم کی طرح مجھے یہ محسوس ہوا کہ دہلی جیسی مرکزی جگہ کی شایانِ شان کوئی حلقہ ایسا نہیں جہاں قرآن کریم کی محفل میں صرف قرآن کریم کی شرح وتفصیل ہو، نہ عقائد کی فروعی بحثوں میں وقت خراب ہو نہ حکایات ولطائف اس درس کا سارا حاصل ہو بلکہ قرآن کے ایک ایک طالب علم کے لیے وہاں قرآن ہی قرآن ہو، اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہو وہ قرآن ہی سمجھانے کے لیے ہو۔

دار العلوم سے فراغت کے بعد جب میں نے حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی خدمت میں تفسیر کے دورہ کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو مولانا احمد سعید صاحب علیہ الرحمہ سے اس سلسلے میں استصواب کیا۔

مولانا نے فرمایا: بھئی! وہاں کیا ہوتا ہے؟ میں کیا بتا سکتا تھا، کہ وہاں کیا ہوتا ہے؟ لیکن یہ استفہام مولانا کا میرے ذہن میں بیٹھ گیا، اس کے بعد ساتھیوں نے پروگرام بنالیا اور میں چلا گیا۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مخصوص مذاق کی روشنی میں قرآن کریم کا درس دیتے تھے، حجۃ اللہ البالغہ بھی اس کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے، اب نہ جانے وہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں؟

میرے ذہن پر مولانا احمد علی کے اس طرز خاص کا نقش جما ہوا تھا، اس لیے دہلی کے کسی حلقے نے میری پیاس نہیں بجھائی، میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ جب قرآن بیان کرنے والا قرآن بیان کرے تو سامعین یہ محسوس نہ کریں کہ قرآن اپنا مطلب واضح کرنے کے لیے کسی خارجی چیز کا محتاج ہے، مثنوی شریف کا محتاج ہے یا اولیاء اللہ کی کرامات کا، یا شاعری اور معتزلہ کی کلامی نکتہ سنجیوں کا، حدیث رسول کی بات اور ہے وہ تو قرآن ہی کے اندر کی چیز ہے، باہر کی چیز نہیں۔

بہر حال جب میں سب جگہ پھر لیا تو آخر میں مولانا کی خدمت میں حاضری دی، مولانا کا وہ استفہام میرے دماغ میں موجود تھا ہی، اسے اپنے ساتھ لیے ہوئے میں کٹرہ ہدو محلہ فراشخانہ کی اس چھوٹی مسجد میں پہنچا جس میں حضرت سحبان الہند رحمۃ اللہ علیہ درس قرآن دیا کرتے تھے، قارئین کو حیرت ہوگی کہ حضرت مرحوم نے اس چھوٹی سی مسجد میں ۳۵ رسال

کے قریب قرآن کریم کا درس دیا ہے، یہ صرف مولانا کی وضعداری تھی کہ جس مسجد میں آپ نے ترجمہ شروع فرمایا اسے آخیر تک نہ چھوڑا۔

خدمت کے نام سے جو قلیل رقم مولانا کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی اسے رقم کہتے ہوئے شرم آتی ہے بس جو پیسے کسی مسجد کے امام یا مؤذن کو ملتے ہیں اس پر مولانا قناعت فرماتے تھے۔

مجھے یاد ہے، مولانا سے گذارش کی گئی کہ محلّہ سے باہر کسی بڑی مسجد میں درس شروع فرمایئے، تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع ملے، مولانا کو خدمت کے نام پر بھی بڑی توقع دلائی گئی، مگر مولانا نے اسے منظور نہ فرمایا۔

بہر حال مولانا کے حلقۂ درس میں راقم نے مسلسل شرکت کی، کیا حلقہ تھا؟ دہلی کے چند بوڑھے آدمی جو مولانا کی محبت اور انداز درس کی دلچسپیوں سے کھنچ کر جمع ہو جاتے تھے، لیکن تعجب ہوتا تھا کہ ہزاروں کے مجمع میں قرآن وحدیث پر گوہر افشانی کرنے والا خطیب، ایک چھوٹے سے مجمع کو بھی اسی روانی، شگفتگی کے ساتھ تفسیر، حدیث اور تاریخ وسیاست کے نکتے سمجھا رہا ہے، مجمع کی قلت اس کی طبیعت پر بالکل اثر انداز نہیں ہو رہی۔

فرمایا کرتے تھے، مولوی صاحب! ہم تو اپنا شوق پورا کرتے ہیں، ہمیں مجمع سے کیا لینا ہے؟ مولانا مرحوم کو قرآن کریم کے ساتھ عشق تھا، کیونکہ مولانا کی علمی اور دینی زندگی کا آغاز بھی ترجمۂ قرآن بیان کرنے سے ہوا تھا۔

مولانا بڑے جید حافظ تھے، مولانا محمد ابراہیم صاحب دہلویؒ کے وعظوں سے متاثر ہو کر دلی کی لوچ دار زبان میں وعظ شروع فرمایا، اور ابتدائی دور ہی میں آریہ سماج کے پنڈتوں سے مناظرہ کرنے لگے، مناظروں میں صرف قرآن کریم سے ہی مدد لیا کرتے تھے، بڑا مشکل کام ہے یہ۔

ایک روز فرمایا: میاں مولوی صاحب! رام چندر بڑا ذہین آدمی ہے، یہ بڑی سخت گرفت کرتا تھا، میں گھر میں آکر قرآن کھول کر بیٹھ جاتا تھا، دعا کرتا تھا کہ خداوندا! اس اعتراض کا جواب قرآن ہی سے عنایت فرمادے، تلاوت کرتے کرتے مجھے کوئی نہ کوئی آیت مل جاتی تھی اور میں جاکر پنڈت جی کو جواب دیا کرتا تھا، میرے ساتھی حیران رہ جاتے

تھے کہ حافظ جی! یہ آیت تم کہاں سے نکال لائے، مولانا کو ابتداء میں ان کے دوست، اور گھر والے حافظ جی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ مولانا کو قرآن کریم کے ذریعہ اتنا اچھا وعظ کہتے ہوئے دیکھ کر ان کے استاذ مولانا یٰسین صاحب ان کو مدرسہ امینیہ لے آئے تھے، اور یہاں سے مولانا کی علمی زندگی شروع ہوئی تھی۔

مولانا مرحوم کو قرآن کریم کے ساتھ جس قدر عشق تھا اتنا ہی اس کی تعلیم اور خدمت پر اعتماد تھا، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ایک دن فرمایا: مولوی اخلاق صاحب! قرآن کریم لے کر بیٹھ جاؤ، اس کی خدمت کرو، روٹی کی کمی نہیں ہوگی۔

بہر حال یہ باتیں تو ضمنی طور پر آ گئیں، ذکر تو مولانا کے حلقہ درس کا ہو رہا تھا کہ دہلی کے تمام حلقوں کی سیر کر کے میں مولانا کی خدمت میں پہنچا، قرآن کریم کے افہام و تفہیم میں مولانا کا رنگ بالکل انوکھا تھا، تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر کا مشہور اصول ہے، مولانا اسی اصول کے مطابق قرآن کی تفسیر میں مہارت رکھتے تھے۔

موجودہ متداول تفسیروں میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس اصول کا بہت لحاظ رکھا ہے، لیکن مولانا ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ کی چھان بین میں جس طرح آیات پر آیات پیش کرتے تھے، وہ بس مولانا ہی کا حصہ تھا، الفاظ اور جملوں کی تحقیق میں اس اصول کو پیش نظر رکھنے کے علاوہ آیت کے مجموعی مفہوم کی تائید اور وضاحت میں بھی مولانا برجستہ بحوالہ سورۃ اور رکوع جس بے تکلفی کے ساتھ آیات کی تلاوت کرتے تھے، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ مولانا کو قرآن کریم پر کس قدر عبور حاصل ہے۔

مولانا کے ذاتی کتب خانہ میں مختلف علوم کی کتابوں کے علاوہ ہر فن کے مفسرین کی کتابیں بھی موجود ہیں، اہل نقل و روایت کی تفسیروں میں تفسیر ابن جریرؒ اور ابن کثیر مشہور تفسیریں ہیں، متکلمین کی تفسیروں میں زمخشری کی کشاف، اور امام رازی کی تفسیر کبیر ہے، ان بنیادی کتابوں کے علاوہ مقلدین مفسرین کی بھی کافی چھوٹی بڑی کتابیں عربی، فارسی اور اردو کی مولانا کے ہاں موجود ہیں۔

راقم جس زمانے میں ایک معاون کی حیثیت سے ترجمہ کے کام میں مولانا کے ساتھ شریک تھا اس وقت تفسیر کی ان کتابوں پر نظر ڈالنے کا موقع ملتا تھا، میں حیرت سے دیکھتا تھا

کہ ہر کتاب پر مولانا کے مطالعہ کے نشانات موجود ہیں، جس شخص کی زندگی قومی اور سیاسی مصروفیتوں میں اس قدر گھری رہی ہو جو گھر سے زیادہ ریل یا جیل میں رہا ہو یا پھر قیام کی حالت میں جس کا تمام وقت جمعیۃ علماء کے دفتر میں اپنے ہاتھ سے خطوط لکھنے، لوگوں سے ملنے جلنے، تحریکات کی تنظیم کرنے میں گذرتا ہو وہ مطالعہ کے لیے کونسا وقت نکالتا ہوگا۔

ایک دفعہ مولانا کی معلومات کے ماخذ کے بارے میں مجھے کچھ بدگمانی ہوئی، انبیاء علیہم السلام کے استغفار کرنے کا مسئلہ تھا، کہ ایک نبی جب گناہوں سے معصوم ہوتا ہے تو پھر وہ استغفار کیوں کرتا ہے؟ اس مسئلہ پر میرے مضامین قسط وار رسالہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں شائع ہو رہے تھے، کسی کام سے میں جو مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا، تو مولانا نے میرے مضمون پر گفتگو شروع کر دی، فرمانے لگے: بھئی! اس اشکال کا یہ بھی ایک جواب ہوسکتا ہے، علماء نے یہ بھی توجیہ کی ہے، میں سمجھا کہ مولانا نے حضرت تھانویؒ کی دعوات عبدیت کو بہت مطالعہ میں رکھا ہے وہیں کسی جگہ مولانا تھانویؒ نے لکھا ہوگا، مولانا وہیں سے نقل فرما رہے ہیں، کیونکہ جوابات میں تصوف کا رنگ تھا۔

عادت کے مطابق مولانا دوسری طرف متوجہ ہو گئے، ادھر سے پھر میری طرف رخ کیا اور فرمایا: ذرا مدارج السالکین تو لاؤ، میرے پیچھے والے دالان کی چھوٹی الماری میں رکھی ہوئی ہے، ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، میں کتاب نکال لایا، فرمایا: دیکھو! یہ جلد اول ہے نا، اس میں کسی جگہ ابن قیم نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے، میں نے ورق گردانی کر کے وہ بحث نکالی، دیکھا تو اس مقام پر مولانا کے نشانات موجود ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ کی مدارج السالکین، تصوف کی مشہور و مستند کتاب ہے، اس سے مولانا کی بلند نظری اور ذوق مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس گذارش سے میرا مقصد یہ ہے کہ مولانا مطالعہ میں ہر ذوق اور ہر فن کی تفسیری کتابیں رہتی تھی، اس سبب سے مولانا امام رازیؒ کے تفسیری نکتے بھی موقعہ بہ موقعہ پیش کرتے تھے اور امام موصوف کے مسلک کے مطابق قرآن کریم کی آیات کے باہمی ربط و جوڑ پر بھی خوب عبور حاصل تھا، روح البیان کے متعلق تو کچھ نہ پوچھیے، وہ تو اس طرح مزے لے لے کر بیان کرتے تھے کہ مجمع جھوم اٹھتا تھا، لیکن ساتھ ہی ساتھ جیسا کہ مولانا کی عادت

تھی، ایک چٹکی بھی لے لیا کرتے تھے، یہ کہہ کر بھئی! روح البیان والے کے یہاں گیلی سوکھی سب چلتی ہیں، یہ رطب ویابس سب بیان کر دیتے ہیں، میں نے تمہیں سب واقعہ سنا دیا ہے، اب صحیح وغلط کی تمیز تم خود کر لو۔

حاصل یہ ہے کہ مولانا کے حلقہ میں تفسیر کا ہر رنگ ہوتا تھا، لیکن اس کے باوجود مولانا کا جو مخصوص رنگ تھا اور جس میں مولانا ایک سمندر کی طرح جوش مارتے، وہ قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعہ، والا رنگ تھا، میں چاہتا ہوں کہ مولانا کے اس خاص رنگ کی ایک مثال قارئین کے سامنے نمونہ کے طور پر پیش کر دوں۔

سورۂ زخرف کی حسب ذیل آیت کی تفسیر بیان ہو رہی تھی:

افنضرب عنکم الذکر صفحا ان کنتم قوما مسرفین.

حافظ ایوب صاحب مرحوم نے آیت کا ترجمہ حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ والا پڑھا: (ترجمہ) ''کیا پھیر دیں گے ہم تمہاری طرف سے سمجھوتی موڑ کر اس سے کہ تم ہو لوگ جو حد پر نہیں رہتے''۔

مولانا نے تقریر شروع فرمائی: حضرت حق نے قرآن کریم کی عظمت و بزرگی بیان فرما کر قرآن کے منکروں سے خطاب فرمایا کہ اے منکرین! کیا قرآن جیسی عظیم دولت کو جو تمام نوع انسان کی نجات اور فلاح کے لیے اتاری جا رہی ہے صرف اس خیال سے ہم اس کا بھیجنا بند کر دیں گے کہ تم نے زیادتی پر کمر باندھ لی ہے، کیسے ہو سکتا ہے کہ چند آدمیوں کی سرکشی کی وجہ سے ہم ساری انسانیت کو اس دولت سے محروم رکھیں۔

''ہاں بھئی! شاہ صاحبؒ حاشیہ پر کیا فرما رہے ہیں؟ حاشیہ پڑھا گیا، ''اس سبب سے کہ تم نہیں مانتے، کیا ہم حکم کا بھیجنا موقوف کریں گے''

مولانا نے پھر تقریر شروع کی: حضرت حق کا یہ دستور رہا ہے کہ مخالفین کتنا ہی شور مچائیں، تکذیب کریں، کتاب لانے والے رسولوں کو تکلیفیں پہنچائیں، سب کچھ کریں، یہاں تک کہ قتل ناحق شروع کر دیں، مگر حق تعالیٰ کی شان رحمت آسمانی ہدایت کا سلسلہ بند نہیں کرتی۔

سورہ مومنون میں فرمایا: ہاں بھئی نکالو، دیکھو فرمایا:

ثم ارسلنا رسلنا تترا کلما جاء امة رسولها کذبوہ فاتبعنا بعضهم بعضا. (مومنون)

ترجمہ: پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول لگاتار، جہاں پہنچا کسی امت کے پاس ان کا رسول، اس کو جھٹلا دیا، پھر چلاتے گئے ہم ایک کے پیچھے دوسرے۔

یہ ''تترا'' وہی لفظ ہے جس سے تمہارا متواتر بنا ہے جس کا ترجمہ شاہ صاحبؒ لگے تار کر رہے ہیں اور حضرت شیخ الہندؒ نے موجودہ زبان کے مطابق اسے ''لگاتار'' کر دیا ہے، وہ پرانی زبان تھی، یہ نئی زبان ہے۔

فارسی والوں نے ''پے در پے'' ترجمہ کیا ہے، یہ بھی اردو میں بولا جاتا ہے، لیکن تعجب ہے کہ مولانا تھانویؒ نے اردو کے عام لفظوں کو چھوڑ کر ''یکے بعد دیگرے'' کا ترجمہ اختیار کیا، چونکہ ڈپٹی نذیر احمد کو بھی ''لگاتار'' سے زیادہ عام فہم کوئی دوسرا لفظ نہیں ملا اور مولانا مرحوم ڈپٹی صاحب سے دامن بچا کر چلنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لیے مولانا نے اس لفظ کو ترک کر دیا۔

مفہوم کی وضاحت کے بعد مولانا نے آیت زیر بحث کے الفاظ کی تشریح شروع فرمائی۔ ''الذکر'' کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: ''الذکر'' سے مراد قرآن کریم ہے، یہ بھی قرآن کا ایک نام ہے، کسی صاحب نے اس کا ترجمہ پند و نصیحت کیا ہے، کسی نے ذکر ہی کا لفظ قائم رکھا ہے، شاہ صاحبؒ نے اپنی عادت کے مطابق ''سمجھوتی'' کیا ہے، حضرت شیخ الہندؒ نے اس کو بدلا ہے اور سیاقِ آیت کی مناسبت سے ''یہ کتاب'' ترجمہ کیا ہے۔

اس کے بعد مولانا نے آیات پیش کرنی شروع کیں اور حافظ ایوب مرحوم اور حافظ انوار الحق صاحب نے ان کی تلاوت کر کے ترجمہ سنانا شروع کیا، اجمال کے ساتھ عرض کرتا ہوں، مولانا نے بتایا، دیکھو آل عمران میں ایک صفت لگا کر قرآن کریم کو ''ذکر حکیم'' کہا گیا ہے، ''**ذلک نتلوا علیک من الآیات والذکر الحکیم**'' سورہ انبیاء میں ''ذکر مبارک'' فرمایا ہے: ''**وهذا ذکر مبارک انزلناہ افانتم له منکرون**''۔

سورہ یٰسین میں خود ہی وضاحت فرما دی کہ ذکر سے مراد قرآن مبین ہے ''**ان هو الا ذکر و قرآن مبین**''، اس کی تائید و استدلال میں متعدد آیات پیش کر کے فرمایا: اسی لفظ سے ''تذکرہ'' نکلا ہے، سورہ عبس دیکھو: اس میں قرآن کو تذکرہ فرمایا ہے: ''**کلا انها**

تذکرہ فمن شاء ذکرہ"، اس کے بعد مولانا نے مسرفین کی تشریح کی اور متعدد آیات اور سلف کے تراجم پیش کر کے اس کا مفہوم بتایا، بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مولانا نے قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا تو اس وقت مولانا کا مقصد کیا تھا؟ مولانا کا ارادہ تھا کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ کے ترجمہ اور حاشیہ کے تفسیری اور علمی نکات پر ایک جامع حاشیہ تیار ہو جائے، شکل اس کی مولانا کے ذہن میں یہ تھی کہ ترجمہ تو حضرت شاہ صاحبؒ کا رہے اور اس کے حاشیہ پر یہ تبصرہ شائع ہو۔

چنانچہ اسی طرز پر مولانا نے کام کا آغاز کیا، کام کے آغاز میں راقم ہی مولانا کی خدمت میں تھا، تقریباً چھ مہینے اس کام میں مولانا کی رفاقت کا راقم کو شرف حاصل رہا، مولانا کے پروگرام کے مطابق شروع ہو چکا تھا، مگر میں یہ دیکھتا تھا کہ ایک دو گھنٹے بھی مولانا کو جم کر کام کرنے کا موقع نہ ملتا تھا، کوئی ضرورت مند آیا اور مولانا اٹھ کر چلے گئے، سلسلہ شروع ہونے کے چھ ماہ بعد مولانا ۱۹۴۲ء میں گرفتار ہو گئے، مولانا کے ارادے کے مطابق اگر وہ حاشیہ تیار ہو جاتا تو وہ ولی اللہی خاندان کے دینی اجتہاد و بصیرت کا ایک عظیم شاہکار ہوتا، مگر یہ کام بڑا پھیلاؤ رکھتا تھا، اس کے لیے مولانا جیسے مصروف انسان کے پاس نہ تو اتنا وقت تھا اور نہ آخر میں صحت کی رفاقت رہی تھی، اس لیے مولانا نے ترجمہ کا ڈھنگ بدل دیا اور اسے مستقل شکل دے دی۔

افسوس ہے کہ مولانا جیسا پرانی اور نئی زبان پر ماہرانہ نظر رکھنے والا عالم و ادیب اس مہم کی انجام دہی کا ارادہ اپنے ساتھ لے کر خدا کو پیارا ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا ایک نظر میں بھانپ لیتے تھے کہ فلاں مترجم نے فلاں لفظ کا ترجمہ یہ کیوں کیا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے دونوں فاضل صاحبزادوں نے اہل تاویل کے کس قول کو اختیار کر کے آیت کی تفسیر کی ہے۔